

مولانا عبداللہ عباس ندوی

قرآنِ کریم

تاریخِ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ



دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد (الھند)

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ



تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ

دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد (الهند)

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner



جملہ حقوق محفوظ

باراول

۱۴۲۴ھ ـــ ۲۰۰۳ء

نام کتاب:.......... قرآن کریم تاریخِ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ
(القرآن الكريم أكبر معجزة عبر التاريخ الإنساني)

مصنف:.............. مولانا عبداللہ عباس پھلواروی ندوی

صفحات:.............. ۴۳۶

کمپوزنگ:.......... محمد احسان اللہ سبیلی (شعبہ کمپیوٹر دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد)

تعداد:.................. ۱۱۰۰

قیمت:.............................. Rs: 200/=

ناشر

دارالعلوم سبیل السلام، مدینة العلم - حیدر آباد
DARUL ULOOM SABEELUS SALAM
MADINATUL ILM, HYDERABAD,50005
Ph: 0091- 40-24440450- Fax : 24441835
Email : Marhaba@hd2.dot.net.in

ملنے کے پتے:

- المکتبۃ الندویہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ
- ہندوستان پیپر ایمپوریم مچھلی کمان، حیدرآباد
- کتب خانہ عزیزیہ، نئی دہلی
- زکریا بکڈپو، دیوبند، یوپی پن کوڈ 247554

toobaa-elibrary.blogspot.com

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اھداء

قرآن کریم سے میرے مخدوم ومربی حضرت مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندوی قدّس سرّہ کو وہ شغف تھا کہ اس کی ایک آیت پڑھ کر ان پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ سینکڑوں عربی، فارسی، اردو کے اشعار پڑھ کر یا سن کر ان کی روح اس درجہ متحرک نہیں ہوتی تھی جس درجہ قرآن کی چند آیتیں پڑھ کر ان کی روح اور قلب کا ہر تار متحرک ہو جایا کرتا تھا جس کو ان کے پائیں میں بیٹھنے والے شاگرد اور نیاز مند محسوس کر لیا کرتے تھے۔

"کتاب کا اہداء" ایک قدیم رسم ہے جس کا اعادہ مطلوب نہیں ہے، ہاں اپنے مخدوم ومربی کے احسانات علمی ودینی کو سامنے رکھ کر دعا کرتا ہوں اور آپ سے دعا کا خواہش مند ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجاتِ قرب میں اضافہ فرماتا رہے اور ان نعمتوں سے ان کو نوازے جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے قلب کو اس کی آہٹ ملی۔

عبداللہ عباس ندوی

۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

مکۃ المکرّمۃ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

شکر واعتراف

میں اپنے احباب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ذرہ نوازی سے کام لیتے ہوئے میری ہمت افزائی کی، جناب پروفیسر محسن عثمانی ندوی نے کتاب کے شائع ہونے سے پہلے اس کا استقبالیہ لکھا جو ایک نئے طرز کی چیز تھی، محترم المقام مولانا محمد رضوان القاسمی نے اس کا پہلا ایڈیشن اپنے دار العلوم سبیل السلام کے زیر اہتمام شائع کرنا مناسب سمجھا، ہم ان دونوں کے شکر گزار ہیں۔

عزیزوں میں سید حسن عسکری (طارق) اور میرے خویش احمد ندیم بن محمد شبیر ندویؒ اس کام کو جاری رکھنے کے لئے مناسب الفاظ میں تائید کرتے رہے، اور میرے بھائی کے پوتے عزیزی ولی حسن سلمہ جو دار العلوم ندوۃ العلماء اور جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ سے فارغ ہیں، انہوں نے ایک بڑے حصہ کو کمپوز کیا، مجھ سے املاء لیا اور مشورے دیئے، میرے فرزندوں نے یہ احسان کیا کہ میری بیماری کو دیکھ کر میرے کام میں آڑے نہیں آئے، ورنہ یہ لوگ چاہتے تو اپنی فرزندانہ سعادت مندیوں کا اس طرح بھی اظہار کر سکتے تھے کہ ہمیں تحریر و مطالعہ سے روکتے اور میں کام مکمل نہیں کر سکتا، ان کے بجائے انہوں نے ہمت افزائی کی اور خدمت، تیمارداری اور مساعدت کا حق ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو جزاءِ خیر دے اور ہر کارِ خیر میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ع ع ن

۹ر جمادی الاولیٰ ر ۱۴۲۴ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بسم الله الرحمن الرحيم

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner
toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرستِ مضامین

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

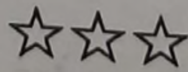
باب دوم:

باب سوم

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner



toobaa-elibrary.blogspot.com

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نگاہِ اوّلیں

قرآن اللہ کا کلام ہے، وہ ایسی لازوال کتاب ہے جو حسنِ بلاغت، کمالِ فصاحت، الفاظ کی جدّت و جامعیّت، معانی کی وسعت و شمولیت غرض ہر اعتبار اور ہر حیثیت سے اپنے اندر اعجازی پہلوؤں کو لئے ہوئے ہے، اس کا اعجازی پہلو کسی خاص گوشہ یا جمال و کمال کی کسی مخصوص صفت میں منحصر نہیں ہے بلکہ جہاں وہ مرصّع الفاظ، مؤثر تعبیر اور دلکش اسلوب کا شاہکار ہے وہیں حقائق و معارف اور علوم و حکمت کا بیش بہا خزانہ بھی اس کے اندر موجود ہے، دنیا کی کوئی انسانی کتاب یا تصنیف خواہ وہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے کتنی ہی اونچی سطح پر ہو اور علمی تحقیقات و انکشافات کی کتنی ہی عظیم دنیا اپنے اندر بسائے ہوئے ہو وہ اس ''کتابِ معجز'' کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قرآن ایک ایسی ذات کا کلام ہے جو غیر محدود ہے، اور انسان اپنی تمام تر صلاحیتوں، توانائیوں اور فصاحت و بلاغت کے کرشماتی پہلوؤں کو جذب کرنے کے باوجود محدود ہے، ایک محدود شخص کا غیر محدود ذات سے تقابل کیسا؟ فانی اور لافانی ہستی میں برابری کیوں کر؟ خالق اور مخلوق، عابد اور معبود، مالک اور مملوک، حاکم اور محکوم کے درمیان کوئی ہوشمند اور صحیح الدّماغ آدمی مماثلت اور مقابلہ کی جرأت کس طرح کرسکتا ہے؟ اسی لئے پورے زور، قوت اور انفرادی رنگ اور بلند آہنگ میں

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

فرمایا گیا:

وَ إِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقرة : ٢٣)	اور اگر تم اس کتاب ہی کے بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر اتاری ہے تو کوئی ایک سورت اس جیسی تم بھی بنا لاؤ اور اپنے حمایتیوں کو بھی اللہ کے مقابلہ میں بلالو اگر تم سچے ہو۔

یاد رکھئے! خدا کی ذات کو بقائے دوام حاصل ہے (كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ)، اس لئے اس کے کلام میں بھی دوامیت ہے، اور اس دوامیت کے ساتھ اس کے اندر کلامی جامعیت بھی ہے، اور یہی دوامیت و جامعیت اس کے اعجازی پہلو کو ہر حیثیت سے اجاگر کرتی ہے، انسان کے تخیلات، تصورات اور نظریات پر امتدادِ زمانہ کے اثرات مرتب ہوتے ہیں مگر خالقِ کائنات کی طرف سے قرآن کی شکل میں جو حقائق و معارف اور علوم و حکمت کے خزانے جمع کر دئے گئے ہیں ان پر امتدادِ زمانہ کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، بڑے سے بڑا ذہین آدمی اپنے دور اور اپنی ذہانت کے حلقہ اور گرد میں محصور ہوتا ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ ایجادات، ترقیات اور انکشافات کے جو جوہر اس نے دکھائے ہیں اس میں اس کی ذہانت اور عبارت آرائی آنے والے زمانہ کے لوگوں کو متاثر کر سکے، بلکہ جدید زمانہ کی جدّت، قدیم دور کی ساری ذہانت کو ختم کرتے ہوئے ایک نئے ذہن اور نئے تقاضہ کو سامنے لائے گی اور بعد کے دور کے سامنے قدیم دور اپنی تمام تر اہمیت اور خصوصیات کے باوجود از کار رفتہ معلوم ہوگا، مگر قرآن کا یہ کمال ہے اور اس کے اعجازی پہلوؤں کی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہ جلوہ طرازیاں ہیں کہ جس دور اور جس زمانہ میں اس کا کوئی مطالعہ کرے تو اسے ایسا محسوس ہوگا کہ یہ کتاب اسی دور اور اسی زمانہ کے لئے ہے، یعنی وہ پچھلے ادوار کی جدّت وندرت اور تقاضوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے، حال کی تمام رعنائیوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے اور مستقبل کے تمام تر تقاضوں کو صحرائی وسعت دیتے ہوئے ہر دور اور ہر زمانہ کی کتاب معلوم ہوگی، اس کے الفاظ ومعانی اَپ ٹو ڈیٹ (Up to date) محسوس ہوں گے، اور آوٹ آف ڈیٹ (Out of date) کا ذرہ برابر بھی گمان اور احساس یا خیال ہونے نہیں پائے گا، یعنی ترقی پذیر دور اور زمانہ کے اعتبار سے اس کی عصریت اور جدیدیت تمامتر صالح عصریت اور جدیدیت سے بڑھ کر ہوگی۔ اس سے ظاہر ہے کہ انسان جو کائنات کی سب سے برتر مخلوق ہے اپنی زمانی اور مکانی حد بندیوں کی وجہ سے خالقِ انسان کی غیر زمانی وغیر مکانی ذات کے کلام پر کسی طرح غلبہ حاصل نہیں کر سکتا، قطرہ کی اہمیت بجا لیکن اگر وہ بحرِ ناپیدا کنار کے مقابلہ میں آنے کی جرأت کرے گا تو یہ جرأت خود اس پر ہنسے گی، اور یہ کہے گی کہ جو ذرہ آفتاب کے مقابلہ میں آنا چاہتا ہے وہ آفتاب کا مقابلہ کیا کرے گا، وہ تو اپنی اس حرکت بے جا سے اپنے وجود ہی کو موہوم اور مشکوک بنا دے گا۔ اس پسِ منظر میں آپ قرآن کریم کی درج ذیل آیتیں پڑھئے، بہت لطف دے دیں گی اور دنیا کی سب سے بڑی اس حقیقت سے آشنا کریں گی کہ بلاشبہ ''قرآن کریم۔ تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ'' ہے:

ارشادالٰہی ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ	آپ کہہ دیجئے کہ اگر سمندر (سارے کے سارے) روشنائی ہو جائیں میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لئے تو

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا
(الکھف : ۱۰۹)

سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہو سکیں گی، اور اگرچہ ہم ایسا ہی جیسا (اور سمندر) اس کی مدد کے لئے لے آئیں۔

قرآن حکیم میں دوسری جگہ ہے:

قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَايَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا
(الاسراء : ۸۸)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر (کل) انسان و جنات اس بات کے لئے جمع ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں (جب بھی) اس جیسا نہ لا سکیں گے اور خواہ ایک دوسرے کے مددگار بن جاویں۔

تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات ہیں اور خود آپ زیر نظر کتاب میں اس طرح کے واقعات کا مطالعہ کریں گے کہ جب کبھی کسی بڑے شاعر، ادیب، خطیب اور فصاحت و بلاغت کے دریا بہانے والے اور جوہر دکھانے والے شخص نے قرآن کے مقابلہ میں آنے کی کوشش کی تو اس کوشش نے اسے بتایا کہ لقمان کو حکمت سکھانا اور سورج کو چراغ دکھانا عقلمندوں کا کام نہیں ہے، ایسے تمام مواقع پر اس شعر کی حقیقت بھی جلوہ گر ہو کر سامنے آئی کہ:

اٹھے تھے بڑے زور سے منہ زور مہاشے
یوں بیٹھ گئے جیسے کہ پانی میں بتاشے

اس موقع پر ایک واقعہ یقیناً آپ کو لطف دیدے گا جس کو مصر کے مشہور عالم و مفسر علامہ علی طنطاوی جوہری نے اپنی تفسیر ''جواہر القرآن'' میں بیان کیا

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہے، وہ لکھتے ہیں:

''میں جرمنی میں تھا، ایک دن وہاں کے چند مستشرق دوستوں کے ساتھ (یعنی عربی زبان اور عربی علوم سے دلچسپی رکھنے والے چند جرمنی فضلاء کے ساتھ) بیٹھا ہوا تھا، ان میں سے ایک ممتاز فاضل نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ بھی عام مسلمانوں کی طرح قرآن کے بارے میں یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ عربیت اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہے؟ میں نے کہا: ہاں میں اس پر یقین رکھتا ہوں، اس نے بڑی حیرت کا اظہار کیا اور کہا میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم جیسا صاحبِ علم اور روشن خیال آدمی بھی ایسا عامیانہ خیال رکھتا ہوگا۔ میں نے کہا اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ یہ تو ایک علمی مسئلہ ہے، اور ابھی اس کا امتحان ہوسکتا ہے، میں ایک بات کہتا ہوں، آپ سب حضرات خوب غور وفکر کر کے اس کو فصیح و بلیغ عربی میں ادا کریں۔ لیجئے وہ بات یہ ہے کہ ''جہنم بے حد وسیع ہے'' ان سب نے دیر تک غور وفکر کر کے چند جملے بنائے:

''اِنّ جَهَنَّمَ لَوَسِيْعَةٌ'' ۔ ''اِنّ جهَنَّمَ لَفَسِيْحَةٌ''۔

اور اس سے ملتے جلتے چند اور جملے۔ اور میرے سامنے رکھ دیئے۔ میں نے کہا کہ اور محنت کر لیجئے، اور جتنا جی چاہا ہے وقت لے لیجئے لیکن انہوں نے کہا کہ ہم اپنی محنت اور غور وفکر کو ختم کر چکے۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ اب ذرا دیکھئے کہ قرآن مجید نے اسی مضمون کو کس طرح ادا کیا ہے۔ ارشاد ہے:

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَئْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (قٓ : ۳۰)	اور اس دن جبکہ ہم جہنم سے کہیں گے کہ کیا تو بھر گئی اور وہ کہے گی کیا اور کچھ بھی ہے؟

علامہ طنطاوی لکھتے ہیں کہ جیسے ہی میں نے سورۂ قٓ کی یہ آیت پڑھی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

چونکہ وہ عربی داں اور سخن شناس تھے اُچھل پڑے، اور انہوں نے اپنی رانیں پیٹ ڈالیں، اور اقرار کیا کہ بے شک ہم عاجز رہے'' (دین وشریعت از مولانا محمد منظور نعمانیؒ، صفحہ ۹۳، ۹۴)

آپ نے محسوس کیا کہ جہنم کی وسعت کو قرآن نے کس بلاغت اور ایجاز کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عربی زبان وادب کے ماہر شخص کی زبان اس کے سامنے گنگ ہوگئی۔ اسی کے ساتھ ایک اور واقعہ علامہ عنایت اللہ مشرقی کی زبانی سنیئے:

''۱۹۰۹ء کا ذکر ہے، اتوار کا دن تھا اور زور کی بارش ہو رہی تھی، میں کسی کام سے باہر نکلا تو جامعہ کیمبرج کے مشہور ماہر فلکیات سر جیمز جینس (JAMES JEANS) پر نظر پڑی جو بغل میں انجیل دبائے چرچ کی طرف جا رہے تھے، میں نے قریب ہو کر سلام کیا، انہوں نے کوئی جواب نہ دیا، دوبارہ سلام کیا تو وہ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے ''تم کیا چاہتے ہو؟'' میں نے کہا: دو باتیں، اول یہ کہ زور سے بارش ہو رہی ہے اور آپ نے چھاتا بغل میں داب رکھا ہے، سر جیمز اپنی بدحواسی پر مسکرائے اور چھاتا تان لیا، دوم یہ کہ آپ جیسا شہرۂ آفاق آدمی گرجا میں عبادت کے لئے جا رہا ہے، یہ کیا؟ میرے اس سوال پر پروفیسر جیمز لحہ بھر کے لئے رک گئے اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''آج شام کو چائے میرے ساتھ پیو'' چنانچہ میں شام کو ان کی رہائش گاہ پہنچا، ٹھیک ۴ بجے لیڈی جیمز باہر آکر کہنے لگیں ''سر جیمز تمہارے منتظر ہیں'' اندر گیا تو ایک چھوٹی سی میز پر چائے لگی ہوئی تھی، پروفیسر صاحب تصورات میں کھوئے ہوئے تھے کہنے لگے: ''تمہارا سوال کیا تھا؟'' اور میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اجرام آسمانی کی تخلیق، ان کے حیرت انگیز نظام، بے انتہا پنہائیوں اور فاصلوں، ان کی پیچیدہ راہوں اور مداروں نیز باہمی کشش اور طوفان ہائے نور پر وہ ایمان

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

افروز تفصیلات پیش کیں کہ میرا دل اللہ کی اس داستانِ کبریا و جبروت پر دہلنے لگا، اور ان کی اپنی کیفیت یہ تھی کہ سر کے بال سیدھے اٹھے ہوئے تھے، آنکھوں سے حیرت وخشیت کی دوگونہ کیفیتیں عیاں تھیں، اللہ کی حکمت و دانش کی ہیبت سے ان کے ہاتھ قدرے کانپ رہے تھے، اور آواز لرز رہی تھی، فرمانے لگے " عنایت اللہ خاں! جب میں خدا کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں تو میری تمام ہستی اللہ کے جلال سے لرزنے لگتی ہے، اور جب کلیسا میں خدا کے سامنے سرنگوں ہو کر کہتا ہوں " تو بہت بڑا ہے " تو میری ہستی کا ہر ذرہ میرا ہم نوا بن جاتا ہے، مجھے بیحد سکون اور خوشی نصیب ہوتی ہے، مجھے دوسروں کی نسبت عبادت میں ہزار گنا زیادہ کیف ملتا ہے، کہو عنایت اللہ خاں! تمہاری سمجھ میں آیا کہ میں گرجے کیوں جاتا ہوں "۔

علامہ مشرقی کہتے ہیں کہ پروفیسر جمیز کی اس تقریر نے میرے دماغ میں عجیب کہرام پیدا کر دیا، میں نے کہا " جناب والا! میں آپ کی روح افروز تفصیلات سے بے حد متاثر ہوا ہوں، اس سلسلہ میں قرآن کی ایک آیت یاد آ گئی اگر اجازت ہو تو پیش کروں، فرمایا " ضرور " چنانچہ میں نے یہ آیت پڑھی:

وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِيبُ سُودٌ وَّمِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا	پہاڑوں میں خطّے ہیں، سفید اور سرخ اور طرح طرح کے رنگ کے اور کالے، اور آدمیوں میں اور کیڑوں میں اور چوپاؤں میں اسی طرح مختلف رنگ ہیں، اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں سے جو علم رکھتے ہیں۔
(فاطر : ۲۷،۲۸)	

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہ آیت سنتے ہی پروفیسر جمیز بولے:

''کیا کہا۔ اللہ سے صرف اہلِ علم ڈرتے ہیں، حیرت انگیز، بہت عجیب، یہ بات جو مجھے پچاس برس مسلسل مطالعہ ومشاہدہ کے بعد معلوم ہوئی، محمد کو کس نے بتائی؟ کیا قرآن میں واقعی یہ آیت موجود ہے؟ اگر ہے تو میری شہادت لکھ لو کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے، محمد (ﷺ) ناخواندہ تھا، اسے یہ عظیم حقیقت خود بخود معلوم نہیں ہو سکتی، اسے یقیناً اللہ نے بتائی تھی، بہت خوب، بہت خوب عجیب''

(نقوش، شخصیات نمبر، صفحات ۹۔۱۲۰۸)

اگر پہلا واقعہ قرآن کے عمومی اعجاز کے ساتھ لفظی اعجاز کو نہایت نمایاں طریقہ پر بتاتا ہے تو دوسرا واقعہ اسی حقیقت کو معنوی پہلو سے اُجاگر کرتا ہے، گویا قرآن کریم الفاظ و معانی کے اعتبار سے لاجواب، بے نظیر اور بے مثال ہے، اور مولانا عبداللہ عباس ندوی کی زیرِ نظرِ کتاب کے نام کو واشگاف کرتا ہے کہ یقیناً ''قرآن کریم۔ تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ'' ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم معجزہ ہے، انبیائی معجزاتی تاریخ میں بھی اور انسانی فصیح و بلیغ کلام اور حیرت انگیز، تعجب خیز اور کرشماتی کارناموں کے درمیان بھی، اس لئے کسی بھی انسانی کتاب تو درکنار موجودہ دور میں جس کی طرف نسبت کسی نہ کسی اعتبار سے آسمانی صحیفہ کے طور پر کی جاتی ہے، اس کو بھی زبان و بیان، فصاحت و بلاغت، الفاظ کی حفاظت، معانی کی جدّت وندرت اور حقیقت و ہدایت کے اعتبار سے قرآن کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

انبیائی معجزات کی جتنی شکلیں، صورتیں اور کیفیتیں ظاہر ہوئی ہیں ان تمام کے مقابلہ میں قرآن کریم کا اعجازی پہلو نہایت نمایاں ہے، اور انسان اس دنیا میں اپنی صلاحیتوں، جدّتوں، ندرتوں اور کلام کی فصاحت و بلاغت کے

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

اعتبار سے جس اونچی سطح پر پہنچے گا، کلام الٰہی اپنی اعجازی شان دکھا کر اس کی سطح کو نیچا ہی کرے گا، اور لوگ حیرت زدہ ہو کر تعجب کے ساتھ بے ساختہ یہ بولنے پر مجبور ہوں گے کہ بلاشبہ "قرآنِ کریم۔ تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ" ہے، یہی وہ حقیقت ہے کہ جس کی بنیاد پر اس کتاب میں دوسرے، تیسرے، چوتھے اور پانچویں صفحہ پر نہیں بلکہ اس کے صفحہ اول پر پوری قوت کے ساتھ یہ اعلان کیا گیا ہے: "ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ" (البقرۃ:۲۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں)، موجودہ اور آئندہ کتابی ذخیرہ میں کوئی کتاب اور اس کا مصنف "لا ریب فیه" کا دعویٰ نہیں کرسکتا، صرف یہی ایک کتاب ہے جس کو تمام تر اعتبارات سے "لا ریب فیه" کہنے کا حق حاصل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی اعجازی شان کو اپنے اندر لئے ہوئی کتاب جس نبیؐ پر نازل ہوئی ہو اس نبیؐ کو بھی سب نبیوں میں اعلیٰ وارفع نبی ہونا چاہیے، اسی لئے یہ کتاب (قرآن حکیم) آپؐ کے "افضل الانبیاء" ہونے کی بھی شہادت دیتی ہے اور آپؐ کے بارے میں اس قول کی صداقت بھی پیش کرتی ہے کہ:

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یعنی یہ کہ:

نبی ہیں وہ امّی مگر سب سے اعلم
دو عالم سے اعلیٰ خدا سے فقط کم

اپنے وقت کے بڑے عالم دین اور صاحبِ قلم مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے قرآن کریم کی معجزانہ حیثیت پر اپنے مخصوص اسلوب میں نہایت ایجاز کے ساتھ لکھا ہے:

"قرآن پاک کے اعجاز کا ایک مشہورِ عام پہلو یہ بھی ہے کہ فصاحت اور

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بلاغت میں وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے، اور اس جیسا فصیح و بلیغ کلام پیش کرنے سے دنیا ہمیشہ عاجز رہی ہے اور عاجز رہے گی۔ یہ بات صرف خوش عقیدگی کی نہیں ہے، بلکہ یہ بالکل سچی حقیقت ہے، عربی زبان وادب کے بے شمار قدیم وجدید نمونے دنیا میں موجود ہیں، مصنفوں کی تصنیفیں ہیں، خطیبوں کے خطبے ہیں، شاعروں کے قصیدے اور ان کے دیوان ہیں اسی طرح اخلاق پر، تاریخ وسیر پر، قانون پر اور دوسرے موضوعات پر مختلف زمانوں کی لکھی ہوئی عربی کتابیں کتب خانوں میں بھری پڑی ہیں، خود رسول اللہ ﷺ کے چھوٹے بڑے ہزاروں ارشادات اور آپ کے ممتاز صحابۂ کرامؓ کے خطبات اور ملفوظات، احادیث و آثار کی کتابوں میں موجود ہیں۔ قرآن مجید کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کو ان سب نمونوں کے ساتھ رکھ کر دیکھا جائے، ہر عربی داں کو بالکل بدیہی طور پر محسوس ہوگا کہ قرآن کا اسلوبِ بیان ان سب سے الگ، سب سے ممتاز اور سب سے بالاتر ہے۔

بہر حال کسی منصف مزاج عربی داں کو اس میں قطعاً شک نہیں ہوسکتا کہ قرآن مجید اپنی فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے اور وہ ہرگز محمد رسول اللہ ﷺ جیسے کسی ایسے امّی انسان کی تصنیف نہیں ہوسکتا جس کو فن شعر وخطابت سے بھی کبھی کوئی تعلق نہ رہا ہو۔"

اس کے بعد مولانا نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"قرآن پاک ان سب پہلوؤں سے جس طرح اب سے (بوقتِ تحریر) پونے چودہ سو برس پہلے کی دنیا کے لئے معجزہ تھا، بالکل اسی طرح وہ آج کی دنیا کے لئے بھی معجزہ ہے، اور ہم اس کو ہاتھ میں لے کر ساری دنیا کو پکار کر کہتے ہیں کہ محمدؐ کی نبوت ورسالت چونکہ قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نے آپ کے اس معجزہ کو بھی قیامت تک باقی اور روشن رکھنے کا فیصلہ کیا ہے، اور ختم دنیا تک پیدا ہونے والے سب انسانوں کے لئے یہ اللہ کی حجت ہے، جس کو کوئی شک وشبہ ہو وہ ذرا سے غور وفکر سے کام لے کر اطمینان حاصل کر سکتا ہے اور صداقت وسچائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے، اس کے بعد بھی جو لوگ سوچنا اور دیکھنا نہیں چاہتے، وہ وہی ہیں جنہیں اپنے اللہ کو راضی کرنے کی اور اپنے انجام کی کوئی فکر نہیں ہے، اس لئے ان کا انجام جہنم کے ابدی عذاب کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟۔'' (دین وشریعت صفحہ ۹۳، ۹۴، ۹۵)

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو زیرِ نظر کتاب کا موضوع نہایت اہم ہے، اور اس اہم موضوع پر اپنے دور کے ممتاز صاحبِ علم وتحقیق حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی دامت برکاتہم، معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (مقیم مکۃ المکرّمہ) نے قلم اٹھایا ہے اور واقعہ یہی ہے کہ انہوں نے اس موضوع کا حق ادا کیا ہے، اس موضوع کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کو انہوں نے تشنہ چھوڑا ہو، بلاشبہ اس عنوان پر عربی واردو میں متعدد کتابیں ہیں، تاہم مولانا نے ان سابقہ کتابوں پر نظر رکھتے ہوئے جو یہ کتاب تحریر فرمائی ہے، اس کا ایک نیا انداز ہے اور انہوں نے اس کے ذریعہ ایک نئی راہ دکھائی ہے، زبان وبیان کی پختگی، برجستگی، شستگی اور شگفتگی کے لئے مولانا کا نام کافی ہے۔

اس موقع پر اس پر بھی نظر رہنی چاہئے کہ مصنفِ کتاب کو قرآنی موضوع سے خاص مناسبت ہے، اور یہ مناسبت انہیں اپنے استاذ جلیل مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ کی صحبت سے ملی ہے، جس سے بہر طور یہ عیاں ہے کہ مصنف کا قلم اس راہ کے پیچ وخم سے خوب واقف ہے، اور اس نے شعور کی پختگی اور باخبری کے ساتھ اپنا یہ علمی اور تحقیقی سفر طے کیا ہے، مصنف کے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جو قلمی رشحات اب تک سامنے آئے ہیں انہیں دیکھتے ہوئے پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم اور سیرت نبویؐ کا موضوع تمام موضوعات میں ان کے لئے نسبتاً زیادہ دلچسپ ہے، ان دونوں موضوعات پر جب کبھی وہ لکھتے ہیں تو دل اور دماغ کی یکجائی کے ساتھ لکھتے ہیں، شیفتگی ہمہ دم ان کے ساتھ رہتی ہے، اور ان کے لئے یہ ''حکایت'' لذیز تر ہے، جس کی شہادت یہ کتاب بھی دیتی ہے اور ''ردائے رحمت''، ''پیغمبرِ اخلاق وانسانیت'' اور سیرت نبویؐ پر تحریر کردہ ان کی دیگر کتابوں کے مطالعہ سے بھی اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، محبوبیت لئے ہوئے اس موضوع پر مولانا کے ''ذوق وشوق'' کی یہی وجدانی کیفیت ہے جس کے باعث علامہ اقبالؒ اپنے ان اشعار کے ساتھ یاد آرہے ہیں:

قلب ونظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمۂ آفتاب سے نور کی ندّیاں رواں

میں، کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

خونِ دل وجگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگِ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو

دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کے لئے یہ سعادت کی بات ہے کہ وہ حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی مدظلہ (پیدائش: ۱۳۴۴ھ) جیسے صاحب علم وقلم اور ''دلِ زندہ'' کی حامل شخصیت کی اس اہم اور وقیع کتاب کو شائع کررہا ہے۔ امید کہ یہ کتاب، قرآنِ کریم کے طالب اور اس سے شغف اور تعلق رکھنے والوں کے لئے چشم کشا ہوگی اور ہر اسلامی کتب خانہ اسکے وجود سے اپنے آپ کو زینت بخشنے پر فخر محسوس کرے گا۔

محب مکرم ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی (پروفیسر شعبہ عربی ''سیفل'' (C.I.E.F.L) حیدرآباد) نے اس کتاب کا مقدمہ تحریر فرمایا ہے جو نہایت معلومات افزا ہے،

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مقدمہ نگار نے اپنے مقدمہ میں زیرِ نظر کتاب کی اہمیت بتانے کے ساتھ موضوع کا تاریخی اور تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے انہوں نے موضوع کے تقدس کا خیال رکھتے ہوئے مصنف کی شخصیت کے دلنواز پہلوؤں سے اپنی بے پایاں محبت اور والہانہ شیفتگی کا بھی اظہار کیا ہے، مقدمہ نگار مضمون نگاری کے اعتبار سے شہرت رکھتے ہیں، متعدد اہم علمی اور دعوتی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، ہم شکرگذار ہیں کہ انہوں نے اس وقیع کتاب پر وقیع مقدمہ لکھا۔

زیرِ نظر کتاب کی کمپیوٹر کتابت کا کام عزیزی مولانا محمد احسان اللہ سبیلی نے محنت سے کیا ہے، اور کتابت کی تصحیح کی ذمہ داری کو دارالعلوم سبیل السّلام کے متعدد باصلاحیت اساتذہ اور فضلاء نے فکر واہتمام کے ساتھ انجام دیا ہے، طباعتی امور کے ذمہ داروں نے وقت کی تنگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے پوری چوکسی دکھائی ہے، اللہ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اداروں میں علمی، تحقیقی اور تصنیفی کام کو نشاط، ذوق وشوق، باہمی اعتماد وتعاون کے ساتھ انجام دینے کی صلاحیت اور جذبہ فروغ پاتا رہے۔

بہرحال مختلف کوششوں کے بعد یہ کتاب جواب آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کے مقدمہ سے اختصار کے ساتھ اور اصل کتاب سے تفصیلی طور پر یہ حقیقت بہت نمایاں حیثیت سے جلوہ گر ہو کر سامنے آئے گی کہ ''قرآن کریم۔ تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ'' ہے، اس لئے مسلمان ہی کو نہیں بلکہ بنی نوع انسان کو اس معجزہ کی معجزانہ حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی دعوت کی طرف بڑھنا اور لپکنا چاہئے بچوں کی تفسیر کے مفسر مولانا ابو محمد مصلحؔ کا یہ نہایت معنی خیز اصلاحی پیغام ہے:

CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ
toobaa-elibrary.blogspot.com

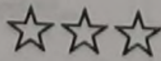
غیروں کی مصلح پستی پر اور اپنی غافل ہستی پر
کرنا ہے تمہیں احسان اگر، قرآن پڑھو قرآن پڑھو

علامہ اقبالؒ بھی قرآن کی عالمگیر حقیقت ''ھُدًی لِلنَّاس'' (البقرۃ: ۱۸۵۔ وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے) پر نظر رکھتے ہوئے اہلِ اسلام کے خصوصی حلقہ کو یہ کہہ کر متوجہ فرماتے ہیں:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں!
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

محمد رضوان القاسمی
ناظم دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد

۳؍رجب ۱۴۲۴ھ
مطابق یکم ستمبر ۲۰۰۳ء
دوشنبہ



toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مقدمہ کتاب

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

بہت پرانی بات ہے۔ لکھنو میں ندوہ کا ایک طالبِ علم وقت کے مشہور اور ممتاز عالم مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ رکشہ پر بیٹھ کر ندوہ سے شہر مولانا کے گھر جارہا تھا۔ اس وقت آمدورفت کے لئے ندوہ کے پاس کوئی گاڑی نہ تھی یا تھی تو اس وقت موجود نہ تھی۔ ادنیٰ طالب علم نے اعلیٰ جلیل المرتبت، مرجعِ خلائق شخصیت سے عرض کیا کہ قرآن کی بلاغت پر اور اس کے طاقتور ادبی اُسلوب پر اردو میں کوئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی ہے، اردو کے اہلِ ذوق قرآن کے ادبی اعجاز سے نابلد اور اس کے جمال سے ناآشنا ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا: ''یہ کام بہت مشکل ہے، کیوں کہ عربی زبان سے پوری واقفیت کے بغیر اعجازِ قرآنی کو سمجھنا اور سمجھانا آسان نہیں، تاہم ہے یہ کام کرنے کا اور تصنیف و تالیف کے میدان کا یہ خلا ہے جسے پُر کرنے کی ضرورت ہے''۔

اس بے بضاعت طالبِ علم کی قسمت میں یہ تو نہ تھا کہ وہ اِس موضوع پر خود کوئی کتاب تصنیف کرتا، لیکن یہ سعادت اب اسی طالبِ علم اور اب نام کے معلّم کے لئے مقدر تھی کہ اس اہم موضوع پر ایک بڑے عالم کی شاہکار کتاب کا مقدمہ لکھے۔

کلامِ الٰہی کے اعجاز پر کتاب کے لکھنے کا سہرا تو اسی عالم و ادیب و معزز شخصیت کے سر پر بندھنا چاہیے تھا جس نے پہلے ہی تراجمِ قرآن پر اور پھر ابو الحسن علی بن عیسی الرُّمّانی کی کتاب ''النکت فی اعجاز القرآن'' پر تحقیقی

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

کام کیا ہو، قرآن کے الفاظ کی ضخیم قاموس انگریزی میں تیار کی ہو، ''تعلم لغة القرآن'' کے نام سے کتاب لکھی ہو جسے قرآن کے مطالعہ کا اور ادب کا خاص ذوق ہو اور جسے اس کی توفیقِ خاص مرحمت کی گئی ہو۔ کیوں کہ ع

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اور جسے یہ عظیم سعادت خدا کی طرف سے مل جائے اسے اس پر خوش ہونے کا اور ناز کرنے کا بھی حق حاصل ہے۔

نگاہِ ناز جسے آشنائے راز کرے
وہ کیوں نہ خوبیٔ قسمت پہ اپنی ناز کرے

قرآن کریم سرتاپا اعجاز ہے، اس نے بار بار اُن لوگوں کو جو اپنی زبان پر اور اپنی قدرتِ بیان پر نازاں تھے، چیلنج دیا کہ اس کتاب کی سورتوں جیسی ایک سورہ یا چند آیتیں بنا کر پیش کرو مگر شاعری اور ادب میں ناموری اور شہرت کے عروج پر پہنچنے والے قرآن کے اعجاز کے سامنے خود کو عاجز محسوس کرتے رہے۔ ادب کے میدان کے بڑے بڑے شہسوار ایک آیت بھی پیش کرنے سے قاصر رہے۔ قرآن کی شعریت، اس کی ادبیت، اس کی بلاغت، اس کے انتخابِ الفاظ، اس کے جلالِ آہنگ، اس کے جمالِ صد رنگ کو دیکھ کر ششدر رہ گیے، اس کا رنگ ہر صنفِ ادب سے مختلف تھا، اس کے اندر وعدۂ دلدار بھی تھا، رعد آسا انداز بھی تھا، کوثر و تسنیم کی روانی بھی تھی اور سحر طراز خطیب کی جادو بیانی بھی تھی۔ محاسنِ کلام کے تمام نمونے اس میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ یہ ایک ایسا کلام تھا جس سے ارفع کیا اس کے مماثل بھی انہوں نے کبھی نہیں سنا تھا۔

قرآن کے معجز نما نہیں بلکہ معجز و مسکت و محیر اندازِ بیان کو اہلِ علم و ادب

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نے ہمیشہ اپنا موضوع بنایا اور اسلام کی پوری تاریخ میں شاید ہی کوئی زمانہ ایسا گذرا ہو جس میں اس موضوع پر خامہ فرسائی کا شرف کسی کو حاصل نہ ہوا ہو۔ تیسری صدی اس موضوع پر کام کے اعتبار سے بہت زرخیز صدی تھی، غالباً سب سے پہلے جاحِظ (متوفی ۲۵۵ھ) کی کتاب "نظم القرآن" سامنے آئی، اگر چہ یہ کتاب نگاہوں سے مستور ہو چکی ہے لیکن حوالے قدیم کتابوں میں ملتے ہیں۔ اس کی دوسری کتاب "حجج النبوۃ" کے نام سے موجود ہے۔ پھر اسی صدی میں ابوبکر عبداللہ السجستانی (متوفی ۳۱۶ھ) احمد بن سلیمان البلخی (متوفی ۳۳۲ھ) ابوبکر احمد بن علی الاخشید (متوفی ۳۲۶ھ) اور پھر ابوعبداللہ محمد بن زید الواسطی المعتزلی (متوفی ۳۰۶ھ) کی کتابیں منظر عام پر آئیں، مؤخر الذکر کی کتاب کا نام "اعجاز القرآن فی نظمه و تأليفه" تھا اور صاحبِ کشف الظنون کے بیان کے مطابق عبدالقاہر جُرجانی نے اس کی دو شرحیں کی تھیں "الشرح الكبير" اور "الشرح الصغير"۔ ان کتابوں میں بھی سب کو بقائے دوام حاصل نہ ہوسکا۔ "و إنا له لحافظون" کا وعدۂ الٰہی قرآن کے بارے میں ہے نہ کہ کسی تفسیر القرآن اور اعجاز القرآن اور نظم القرآن کے بارے میں ہے۔ چوتھی صدی ہجری کی مشہورِ زمانہ کتاب قاضی ابوبکر باقِلانی (متوفی ۴۰۳ھ) کی کتاب "اعجاز القرآن" ہے۔ یہ کتاب السید احمد صقر کی تحقیق کے ساتھ قاہرہ سے ۱۹۵۳ میں شائع ہوئی ہے۔ ابوسلیمان الخطابی (متوفی ۳۸۸ھ) کا رسالہ "اعجاز القرآن" ابوالحسن علی بن عیسی الرمانی (متوفی ۳۸۴ھ) کا رسالہ "النكت فی اعجاز القرآن" اور عبدالقاہر جرجانی (متوفی ۴۷۱ھ) کا اسی موضوع پر رسالہ "الشافیه" کے ساتھ "ثلاث رسائل فی اعجاز القرآن" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ رسالہ الشافیہ کے مصنف عبدالقاہر

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جرجانی کی اِس موضوع پر معرکۃ الآراء کتاب ''دلائل الاعجاز'' ہے اگرچہ اس کتاب کے مباحث سے پانچویں صدی کے مشہور عالم ابن حزم ظاہری (۴۵۶ھ) نے سخت الفاظ میں اختلاف کیا ہے، تاہم یہ کتاب اِس موضوع پر بے حد اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔ چھٹی صدی میں امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) کی کتاب ''نهاية الايجاز في دراية الاعجاز'' سامنے آئی۔ اس کتاب اُن لعل و جواہر کو بھی یکجا کر دیا تھا جو متقدمین کی کتابوں میں بکھرے پڑے تھے۔ ساتویں صدی میں ابن ابی الاصبع المصری (متوفی ۶۵۴ھ) کی کتاب ''بديع القرآن'' اور آٹھویں صدی میں امام یحییٰ بن حمزہ العلوی (متوفی ۷۴۹ھ) کی کتاب ''الطراز في اسرار البلاغة وعلوم حقائق الاعجاز'' سامنے آئی، نویں صدی میں شیخ برہان الدین بن عمر البقاعی (متوفی ۸۸۵ھ) نے اس موضوع پر کتاب لکھی جس کا نام ''نظم الدرر في تناسب الآيات والسور'' رکھا اور حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب ''كشف الظنون'' میں اس کتاب کی منثور اور منظوم مدح سرائی کی یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے۔ متاخرین میں جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی کتاب ''الاتقان في علوم القرآن'' مقبولِ خواص و عوام ہوئی انہوں نے ایک دوسری کتاب ''في اعجاز اقرآن'' کے نام سے لکھی شیخ محمد عبدہ (متوفی ۱۹۰۵ء) نے اپنی تفسیر ''تفسير الذكر الحكيم'' میں ایک باب (في تحقيق وجوه الاعجاز) کے نام سے قائم کیا، اخیر میں آسمانِ ادب کے مطلع پر سید مصطفیٰ صادق الرافعی (متوفی ۱۹۳۷ء) نمودار ہوتے ہیں، جن کے علم کی روشنی دور اور نزدیک تک پھیل جاتی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''تاريخ آداب العرب'' میں بھی اس موضوع پر بحث کی ہے اور پھر اس بحث کو الگ سے اضافہ کے ساتھ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

''اعجاز القرآن'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ان کی دوسری کتاب ''تحت رایۃ القرآن'' ہے۔ سید قطب (متوفی ۱۹۶۶ء) کی کتاب ''التصویر الفنی فی القرآن'' بھی قابلِ ذکر ہے۔عربی زبان میں سب سے آخر میں اہم کتاب ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی (متوفیہ ۲۰۰۲ء) کی سامنے آئی جس کا نام ہے''الاعجاز البیانی للقرآن الکریم''۔

متقدمین سے لے کر متاخرین تک بے شمار ماہرینِ زبان وادب نے اُسرارِ بلاغتِ قرآن کو اپنا موضوع بنایا۔ اسرارِ بلاغت سے آگاہ ہونا اوران کا ذوق آشنا ہونا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔قرآن کریم کی تلاوت کر لینا،ثواب کی بات ہےاس کے مفاہیم کو جاننے کی کوشش کرنا واجب بھی ہےاورزیادتی اجر کا باعث بھی۔ لیکن اسرارِ بلاغت کے مرغزار تک پہنچنے کے لیے عربی زبان وادب پر ملکۂ تامہ کی ضرورت ہے،اس کے لیے معانی و بدیع کے فن پر کامل دستگاہ کی حاجت ہےاوراس کے لیے اعلیٰ درجے کا ذوق درکار ہے،اس کے لیے قدیم وجدید ماہرین زبان وادب کے منظوم ومنثور،مسجوع ومرسَل کلام کے گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے،پھراس کے ساتھ توفیقِ الٰہی کی ارزانی بھی چاہیے کیوں کہ یہ سعادت بزور بازو نہیں حاصل ہوتی ہے۔اسی میدانِ ادب میں قرآن نے عربوں کے ماہرینِ زبان کو چیلنج دیا تھااور کہا تھا کہ اِس جیسی ایک سورہ بھی لا کر دکھاؤ!اورعرب جواپنی زبان آوری اور زبان دانی پر ناز کرنے والے تھے چندآیتیں بھی اس جیسی پیش کرنے سے عاجز رہےاوراس بلیغ کلام کے سامنے حیران اور ششدر تھے،انگشت بدنداں تھے،سر بگریباں تھے۔اور جو ضد،نفس پرستی اور عناد کا شکار نہ تھے وہ اس پر ایمان لانے پر مجبور ہو جایا کرتے تھے۔مشرکینِ مکہ کو قرآن کے ادبی اعجاز کا اور اس کی غیر معمولی تاثیر کا پورا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئیا بـ CamScanner

اندازہ ہو گیا تھا، اسی لیے اُن کی کوشش ہوتی تھی کہ لوگ یہ کلام نہ سنیں۔عرب کے قبائل جو حج کے لیے آتے اُن کو اِس کلام کے سننے سے روکنے کی پوری کوشش کی جاتی۔ان کو نبی ﷺ سے ملنے نہیں دیا جاتا۔انہیں بتایا جاتا کہ یہ کلام وہ جادو ہے جو خاندانوں میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ان ساری کوششوں کے بعد بھی کوئی اگر اس کلام کو سن لیتا تو ایمان لے آتا۔وہ ایمان لانے پر خود کو مجبور پاتا۔اس کی بہت سے مثالیں تاریخ نے اپنے ریکارڈ میں محفوظ کر لی ہیں اور اِس کتاب میں بھی ان کا تذکرہ موجود ہے۔

قرآن کے جمالِ ادب کے جلووں سے ذوق آشنا کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اور عربی زبان کی خوبیوں اور باریکیوں پر اگر گہری نظر نہ ہو تو ان کو سمجھ لینا بھی بہت دشوار ہے۔ادب کا تعلق، ذوق سے ہے یہ ایک ملکہ ہے جو قدرت کی طرف سے ودیعت کیا جاتا ہے۔صرف سورہ فاتحہ کی مثال لے لیجیے جسے ہر نماز میں پڑھنا ضروری ہے، مولانا آزاد نے ''ترجمان القرآن'' میں سورۂ فاتحہ کی دلکش اور دل آویز تفسیر لکھی ہے، لیکن اس سورہ کا جو ادبی حسن و جمال ہے اس کا کوئی تذکرہ اس تفسیر میں نہیں ہے کیوں کہ اردو کے قارئین کو نہ تو اس کا سمجھانا آسان ہے اور نہ ان کے لیے ادب کی خوبیوں کا ادراک کر لینا سہل ہے، اس لیے ان کی تفسیر میں اس سورت کے فواصل کے حسن کا تذکرہ نہیں۔غور کیجیے کہ ''الحمد لله'' حسنِ مطلع، حسنِ آغاز اور براعتِ استہلال کا آئینہ دار ہے۔ الحمد کا ''الف، لام'' استغراق اور شمولیت کا فائدہ دیتا ہے صرف تعریف نہیں بلکہ ہر قسم کی تعریف اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ ایاك نعبد اور ایاك نستعین میں تقدیم وتاخیر نے حصر کے معنی پیدا کر دیے ہیں، یعنی ہم صرف اور صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف اور صرف تجھ سے مدد کے طالب

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہیں۔ الصراط المستقیم کے ابہام کے بعد صراط الذین انعمت علیھم کی تصریح بلاغت کی جان ہے۔ نعبد اور نستعین میں جمع کی ضمیر اس بات کا اشارہ دے رہی ہے کہ بندہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں تنہا تیرے عظیم دربار میں کھڑے ہونے اور اپنی مناجات پیش کرنے کی ہمت نہیں کرتا ہوں اس لیے لاکھوں کروڑوں بندگانِ خدا کے ساتھ ملتمسِ رحمت وعنایت ہوں۔ ہم سب تیرے بندے ہیں تیری بندگی کرتے ہیں اور تجھ سے مدد کے خواستگار ہیں ۔آیتوں میں ''ن'' اور ''م'' قریب المخر ج حروف ہیں اور حروفِ تہجی کی ترتیب میں بھی متصل آئے ہیں۔ عالمین اور دین اور نستعین کے ساتھ ساتھ الرحمن الرحیم اور الصراط المستقیم کی صوتی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ سورہ میں الفاظ اور آیتوں میں روانی ہے۔ تلاوت کرنے میں یا یاد کرنے میں اس سے آسانی پیدا ہوتی ہے۔ غیر المغضوب عِلیھم ولا الضالین میں جو صوتی فخامت، ہَیمَنَت اور جلالت پائی جاتی ہے۔ وہ مُہیمن، مُنتَقِم اور مُقتَدِر اعلی کی جلالتِ شان کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ سورہ کا مجموعی رنگ، جمال کا ہے لیکن جلال کے رنگ سے بالکل خالی بھی نہیں۔ یہ صرف ایک سورہ کے گلشنِ بلاغت کے چند پھول ہیں۔

انگریزی زبان وادب کے ایک مشہور ناقد کا قول ہے کہ ''ادبی عبارت میں ہر لفظ اپنے صحیح محل پر ہوتا ہے وہ عبارت ایک زندہ جسم کے مانند ہوتی ہے، ایک لفظ بھی اِدھر سے اُدھر کر دیا جائے تو اس سے خون بہنے لگے گا''۔ قرآن مجید کا معیار اس نقد کے معیار سے بھی زیادہ بلند ہے۔ اس کا کوئی لفظ دوسرے لفظ سے بدلا نہیں جاسکتا ہے۔ ہر لفظ ایک نگینہ کی طرح عبارت کی انگوٹھی میں جڑا ہوا ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی متلو آیات ہیں لیکن پوری کائنات، غیر متلو آیت ہے، اس

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

میں اللہ کی مرئی آیات (نشانیاں) پھیلی ہوئی ہیں یعنی اُن کو دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کائناتِ رنگ وبُو میں خالقِ ارض وسماوات کی آیتیں یعنی نشانیاں ہر طرف موجود ہیں، جو اس کے وجود کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ خاوَرِ صبح جب نمودار ہوتا ہے، ہر طرف روشنی پھیل جاتی ہے اور جب سرِ شام ڈوبتا ہے تو طشتِ اُفق پر لالے کے پھول بکھیر دیتا ہے۔ بوقتِ شب ماہتاب چاندی کے ورق برساتا ہے اور رات کو روشن اور نورانی بنا دیتا ہے۔ لیلائے شب کی زلفوں میں ستارے جھلملاتے ہیں۔ آسمان کی مانگ میں دمکتی ہوئی کہکشاں نظرافروز حُسن کا منظر پیش کرتی ہے۔ جس طرح چاند اور ستارے زیوراتِ آسمانی ہیں اور گل ہائے رنگ رنگ زیوراتِ ارضی ہیں، بالکل اِسی طرح سے قرآن کی تمام آیتیں زیوراتِ لفظی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جس طرح بینائی سے محروم شخص کے لیے حسن و جمال کے دلکش جلوے کوئی معنی نہیں رکھتے، اسی طرح سے عربی زبان کی بلاغت سے نا آشنا شخص کے لیے قرآن کے ادبی حسن و جمال کا پورے طور پر ادراک کرنا محال ہے۔ اس میں حکمت ومعانی کا اور مطالب کا جو دریائے بے کراں ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ جس طرح سے بَصارت سے محروم شخص کے مقابلہ میں دیدۂ بینا رکھنے والا انسان بینائی کی عظیم نعمت سے سرفراز ہے، اسی طرح سے عربی زبان وادب سے نا آشنا شخص کے مقابلہ میں عربی زبان اور قرآن مجید کا ذوق رکھنے والے انسان خوش نصیب اور عظیم نعمت سے بہرہ ور ہے۔ مختلف زبانیں اپنی اپنی جگہ پر اہم ہیں، لیکن ان میں سیادت کا مقام عربی زبان کو حاصل ہے، چوں کہ عربی زبان وادب میں رسوخِ کامل کے بغیر، قرآن کے ادبی حسن و جمال کو نہیں سمجھا جاسکتا ہے، اس لیے مترجمین اور مفسرین اس جمال کا تذکرہ کیے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں، حالاں کہ اکثر اربابِ بلاغت وادب کے نزدیک

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ادبی کمال ہی وہ میدان ہے، جس میں قرآن نے عمائدینِ ادب کو چیلنج دیا تھا کہ اگر یہ انسانی کلام ہے تو اس جیسا کلام پیش کر کے دکھاؤ، اکثر علمائے سلف کی رائے یہی ہے، بعض علماء نے اعجاز کے دوسرے پہلوؤں کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''الفوز الکبیر'' میں احکام و تعلیمات اور ارشادات کے اعتبار سے قرآن کو معجزہ قرار دیا ہے۔ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چیلنج محض قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کی ادبی خوبیوں کے لحاظ سے تھا، اعجازِ قرآن پر جس انداز سے بحثیں کی گئی ہیں ان سے یہ غلط فہمی پیدا ہونا کچھ بعید نہیں، لیکن قرآن کا مقام اس سے بلند تر ہے کہ وہ اپنی یکتائی اور بے نظیری کے دعویٰ کی بنیاد محض اپنے لفظی محاسن پر رکھے بلاشبہ قرآن اپنی زبان کے لحاظ سے بھی لاجواب ہے''

علامہ شبلیؒ اپنے مضمون ''اعجاز القرآن'' میں رقم طراز ہیں:

''غور کرو قرآن مجید کی فضیلت کے بیان میں اس کو ناصح، رہنما، بشیر، نذیر اور نورِ حکیم سب کہا، لیکن فصاحت اور بلاغت کا کہیں نام تک نہیں آیا اور وہی چیز چھوڑ دی گئی جو لوگوں کے نزدیک مدارِ اعجاز ہے۔ کیا ہدایت اور حکمت کے لحاظ سے کوئی کتاب قرآن کا جواب ہو سکتی ہے اگر نہیں ہو سکتی ہے تو یہ اوصاف کیوں معجزہ نہ ہوں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ فصاحت اور بلاغت میں قرآن کا جواب ہو سکتا ہے، بے شبہ نہیں ہو سکتا اور قیامت تک نہیں ہو سکتا''

قدیم مفسرین، ادبی اعجاز کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ جاحظ جیسا ادیب اور علوم ِعربیۃ کا ماہر اِسی ادبی اعجاز کا قائل ہے۔ علامہ اِبن حزم ظاہری

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نے ''الفصل فی الملل والنحل'' کی جلد سوم میں یہی موقف اختیار کیا ہے۔ امام رازی نے اپنی ''تفسیر کبیر'' جلد اول میں اسی بات کو اقرب الی الصواب قرار دیا ہے۔ متکلمین، معتزلہ اور اشاعرہ تقریباً یہی موقف رکھتے ہیں، اور یہ بحثیں باقِلانی کی ''اعجاز القرآن'' اور جلال الدین سُیُوطی کی ''الاتقان'' اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ قرآن مجید میں بعینہٖ محاسنِ لفظیہ اور فصاحت و بلاغت کے الفاظ مذکور نہ سہی، لیکن اسی مفہوم پر دلالت کرنے والی آیات موجود ہیں، سورہ نحل میں ہے ''ھذا لسان عربی مبین ''، یعنی یہ ایسی زبان ہے جو عربی مبین ہے اور مبین کے مفہوم میں فصاحت و بلاغت بھی داخل ہے کیوں کہ فصاحت و بلاغت کے بغیر کوئی ''لسان'' پورے طور پر'' مبین'' نہیں ہوسکتی۔ ابانت کو اور بیان و تبیین کو بلند ترین درجہ تک پہنچانے کے لیے اور مدّعا کو پورے طور پر اور مؤثر طریقہ پر واضح کرنے کے لیے لفظی محاسن کی رعایت بھی لازمی ہے۔ قرآن میں یہ دعویٰ بار بار آیا ہے سورہ شعراء میں ہے ''بلسان عربی مبین '' فصاحت و بلاغت اور زبان و بیان کے محاسن کے بغیر نہ تو ایضاح و ابلاغ مکمل ہوتا ہے، اور نہ تسخیر و تاثیر مکمل ہوتی ہے۔ یہ تسلیم، کہ بالکل صراحت اور تعین کے ساتھ لفظِ فصاحت و بلاغت، استعمال نہیں ہوا۔ زبان و بیان اور اسلوب و طرزِ ادا کا تعلق وسیلہ سے ہے، اور جو چیز کہ ذریعہ اور وسیلہ ہو وہ اگر چہ کہ معجزہ ہو اس کے جمال و کمال کا کھلے طور پر بلند آہنگ دعویٰ، حسنِ بلاغت اور حسنِ ادب کے خلاف ہے اور آج تک دنیا میں بڑے سے بڑے ادیب اور انشا پرداز نے بھی اپنی زبان سے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے۔ پھر قرآن ہی سے یہ مطالبہ کیوں کہ وہ صراحت کے ساتھ اس کا دعویٰ کرے اور ڈھنڈھورا پیٹے۔ قرآن نے اپنے بارے میں کہا ہے'' حکمة بالغة ''، یعنی یہ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دلوں کے اندر اتر جانے والی حکمت ودانائی ہے۔ یہاں حکمت کے لئے ''بالغة'' کی صفت استعمال کی گئی ہے اور بلاغت کے بغیر کوئی حکمت ''حکمتِ بالغة'' نہیں بن سکتی ہے۔ گویا قرآن باعتبارِ حکمت بھی معجزہ ہے اور باعتبارِ حکمت بالغہ بھی معجزہ ہے۔ فصاحت و بلاغت کے بغیر تاثیر ممکن نہیں اور قرآن کی قوتِ تاثیر کا حال یہ ہے کہ کفار اسی بناء پر اسے جادو قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ''هذا سحر مبين'' یہ کھلا ہوا جادو ہے۔ اصل یہ کہ قرآن، زبان وادب کے اعتبار سے معجزہ تو ہے لیکن اس کا اعجاز صرف اسی پہلو میں منحصر نہیں۔ ایک مادی جسمانی وجود کو لے لیجئے جو پیکرِ محبوبی اور مجموعۂ خوبی ہو، اور اس کے حسنِ دلنواز اور جمالِ جہاں آرا کا بیان ہو تو ہر شخص اپنے ذوقِ نظر کے مطابق اظہار کرتا ہے۔ ایک شخص کی چشمِ اعتبار میں چشمِ محبوب کے اندر سارا حسن مرتکز ہو جاتا ہے، دوسرے کی نگاہ، زلفِ رسا میں الجھ جاتی ہے، تیسرا قدِ رعنا اور سرو قامتی کا ایسا گرویدہ ہوتا ہے کہ قیامت کے فتنہ کو بھی اس سے ایک قدِ آدم کم دیکھتا ہے۔ الغرض قرآن کے وجوہِ اعجاز بھی ایک سے زیادہ ہیں۔ جو اہلِ علم اعجاز کے دوسرے پہلو بیان کرتے ہیں وہ بھی ادبی اعجاز کے پہلو کا انکار نہیں کرتے ہیں۔ ''لَبِیْد''، جیسے شاعر نے قرآن کے نزول کے بعد شاعری چھوڑ دی تھی اور یہ کہا تھا کہ سورہ بقرہ اور آل عمران کے بعد شاعری زیبا نہیں۔ جب قرآن نے چیلنج دیا تھا اُس وقت قادر الکلام شعراء اور زبان وادب کے جوہری موجود تھے، ان میں کوئی بھی اس چیلنج کا جواب دینے کی ہمت نہیں کر سکا تھا اور نہ بعد کی صدیوں میں کوئی جواب دے سکا، وہ جان گئے کہ قرآن خارقِ عادت کلام ہے یہ ایک معجزہ ہے جو پیغمبر ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔ یہ قرآن نبوت کے لیے برہان ہے۔ یہ پیغمبر کا کلام نہیں، اگر یہ انسانی کلام ہوتا تو وہ اسلام کے دعویٰ صداقت کو پست اور غلط دکھانے کے لیے

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

ضرور کوشش کرتے اور کوئی کلام لا کر دکھاتے ، پیغمبرانہ کلام کے نمونے احادیث میں موجود ہیں ، اس میں بھی بلاغت اور فصاحت موجود ہے ۔ لیکن اس کے اسلوب اور قرآن کے اسلوب میں آسمان اور زمین کا فرق ہے۔

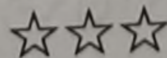
قرآن کے ادبی اور بلاغی اعجاز کے لئے الگ سے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، اس کا کتابِ الٰہی ہونا ہی بطور دلیل کافی ہے۔قرآن کتابِ الٰہی ہے اور کوئی انسان کتابِ الٰہی جیسی کوئی شئ نہیں پیش کر سکتا ہے ۔ یہ بات دوسرے موجود آسمانی صحیفوں کے بارے میں نہیں کہی جاسکتی ، کیوں کہ موجودہ شکل میں ان کی حیثیت انسانی کلام کی ہے۔تحریفات سے قطع نظر بھی کرلیا جائے تو زیادہ سے زیادہ انہیں کلامِ الٰہی کا ترجمہ قرار دیا جاسکتا ہے۔اصل تورات جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی وہ عبرانی زبان میں تھی ،جس کا آج دنیا میں کوئی نسخہ موجود نہیں، کہا جاتا ہے کہ اصل نسخہ ''بُختِ نَصّر'' کی آگ میں جل گیا اور اس نسخہ نے آرامی اور سُریانی زبان کا قالب اختیار کرلیا، کئی سو سال کے بعد حضرت عُزیر علیہ السلام نے پھر اس کو عبرانی زبان میں منتقل کیا۔اور اِنجیل کے متعلق یہ ابھی تک طے نہیں کہ اس کی اصل زبان کیا تھی اور ابتداءً وہ کس زبان میں نازل ہوئی تھی اور تحریری شکل میں آئی تھی یا خطابی شکل میں، اس وقت قدیم ترین انجیل کا نسخہ یونانی زبان میں ہے، لیکن یہ وہ زبان نہیں جو حضرت عیسی علیہ السلام بولتے تھے اور جس میں اہلِ فلسطین سے خطاب کرتے تھے۔اس لیے اب ان کتابوں کے اعجاز کا دعویٰ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید تاریخِ بشریت کا سب سے بڑا معجزہ ہے اور اس میں کہیں کوئی لفظ بے محل استعمال نہیں ہوا ہے، ہر جگہ ایک خاص حسن اور نظم پایا جاتا ہے، ہر جگہ ایک نغمگی کا احساس پیدا ہوتا ہے، ہر موقعہ کے لیے مناسب

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ترین لفظ کا انتخاب کیا گیا ہے، قرآن کی بہت سی سورتوں میں سجع کا انداز ہے اور تلاوت کے وقت محسوس ہوتا ہے کہ فردوس، گوشِ نغمہ ہے جو کانوں کے ذریعہ دل میں اتر رہا ہے۔ یہ سحر سے زیادہ سحر انگیز، اور شعر سے زیادہ مسرت بخش، اور چاند، ستاروں سے زیادہ دلوں کے ظلمت کدہ کے لیے ضیا افروز ہے۔ لیکن ان باتوں کا ادراک کرنے کے لیے عربی زبان وادب کا ذوق اور قرآن میں تدبّر کا شوق درکار ہے۔ اس مقدمہ میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ یہ کتاب اپنے بیش قیمت مباحث کے ساتھ اردو زبان میں باقاعدہ پہلی کتاب ہے اللہ تعالیٰ اسے قبولیت سے بہرہ مند فرمائے اور مصنف کے لیے، ناشر کے لیے، مقدمہ نگار کے لیے اور تمام قارئین کے لیے سعادتِ اخروی کا ذریعہ بنائے۔

محسن عثمانی
شعبۂ عربی سیفل، عثمانیہ یونیورسٹی
حیدرآباد



toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ع

رب یسر و أعن

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ابتدائیہ

قرآن کریم کا احسان ہے کہ عربی زبان کو ایک مستقل فن عطا کیا، عربی زبان کے جملہ علومِ لسانیات، صرف ونحو، بلاغت اور ان میں سے ہر ایک کے اقسام وانواع اور دور دور تک پھیلی ہوئی شاخیں، (مثلاً صرف میں علمِ اشتقاق، صرفِ کبیر وصغیر، تعویض، ابدال، تکثیر وتقصیر۔ نحو میں اعراب، مفاعیلِ خمسہ ضمائر اور ان کے اقسام، مرادف ومشترک، نعمت ووصف اور ان کے انواع، حروف ومتعلقات، فعل، اسم اور حروفِ جر۔ بلاغت میں معانی وبیان اور بدیع وغیرہ، پھر ان میں سے ہر ایک انواع واقسام، شاخ در شاخ عناوین وامثال) جن میں عربی کی ہمسری کوئی دوسری زبان نہیں کرسکتی اور ان سب کا محور قرآن پاک کی پاک زبان ہے، اعجاز ایک اس کا گوشہ ضرور ہے مگر یہ انسانی یافت، ذوق، قوتِ ادراک، اہلِ زبان کی صحبت اور شعر ونثر کے وسیع مطالعہ کا حاصل ہے، یہ سب مل کر ایک مسلمان کے اندر قرآنی زبان کا ایک چسکہ کہئے یا ملکہ ایک ناقابلِ تحدید اور ناقابلِ توصیف سلیقہ پیدا کردیتا ہے۔

مفسرینِ کرام نے جب قرآن کریم کی تحدّی (چیلنج) کا تجزیہ کرنا چاہا اور یہ دیکھنا چاہا کہ قرآن نے قرآن پر ایمان نہ لانے والوں کو جب یہ چیلنج کیا کہ تم اس طرح کا کلام، کم از کم دس سورتیں اور یہ بھی نہ ہوسکے تو صرف ایک ہی سورت بنا کر دکھاؤ تو یہ دعویٰ یا چیلنج کس امر میں تھا، معاندین قرآن نہیں بنا سکتے تو کیا خصوصیات ہیں جن کی نقل نہیں اتار سکتے، حکمت وبصیرت کی باتیں؟ فطرتِ انسانی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کی نقاب کشائی؟ مزاجِ بشریت کی تصویر؟ آخر وہ کون سی خصوصیت ہے جو قرآن میں ہے اور کوئی شخص اس جیسا کلام پیش نہیں کرسکتا؟

علمائے تفسیر نے طویل بحث و مباحثہ کے بعد اس پر اتفاق کیا کہ قرآن کی زبان، اس کے اندر بغیر کسی سحر کے ساحرانہ تاثیر، حکمت و بصیرت کی وہ باتیں جو ایک نبی امی علیہ وسلم ﷺ پر نازل اس طرح ہوئیں جس طرح پتھر سے پانی نکلے، سبز پتوں سے آگ نکلے، سمندروں کے کھولتے ہوئے پانی غبار بن کر اڑیں، ایک انتہائی معمولی دانہ جو انگلیوں میں پس جائے زمین میں ڈال دیا جائے تو مٹی کی تاریکی میں پلنے لگے اور اس سے مضبوط شہتیریں، ہزاروں لاکھوں انسان کے لئے سایہ دار درخت پیدا ہوں، غرض کائنات کی بوالعجبیاں جواب تک کسی حکیم ودانا سے حل نہ ہوئیں، اسی طرح اور ٹھیک اسی طرح ایک نبی امی ﷺ کی زبان سے جو بول نکلے اس کی توجیہ و تاویل قدرتِ انسانی سے وراء اور وراء الوراء ہے، پچھلی صدیوں میں بھی تھی اور آئندہ صدیوں میں بھی رہے گی اور اس وقت رہے گی جب تک آفتاب میں کرن اور کرن میں روشنی ہے، زمین پر کسی ذی روح کے چلنے کی تاب باقی ہے، دن کی روشنی جب تک رات کی تاریکیوں سے بدلتی رہے گی اس وقت تک قرآن بھی آفتاب و ماہتاب، نجوم وکواکب کی طرح ہمارے لئے قابلِ مشاہدہ ہوگا۔

ایک نکتہ کی بات یا یوں کہئے کہ وہ بات جس میں عقلِ انسانی سپر رکھ دیتی ہے، وہ یہ ہے کہ کسی لذت یا اذیت کو تشبیہ دے کر آپ کسی قدر ذہن کے قریب کردیتے ہیں، مگر دوٹوک الفاظ میں اس کی ایسی تعریف نہیں کرسکتے جس کو سن کر ہر شخص اس شی کو سمجھ لے۔ آپ سے کوئی کہے گلاب کا عطر کیسا ہوتا ہے، آپ مجبور ہیں کہ گلاب کا عطر چمبیلی کے عطر کی طرح خوشبو دار ہوتا ہے، اپنے جملہ پر غور کیجئے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

فلاں عطر فلاں کی طرح، یہ جملہ مشبہ اور مشبہ بہ سے مرکب ہوا؟ اگر مطلب یہ ہے کہ جہاں تشبیہ دینے کے لئے کوئی ضمیر نہیں ہے، وہاں ایسا وصف بیان کیجئے جو انسان کی سمجھ میں آجائے، یہ ناممکن ہے، لیکن ہمارے بزرگانِ سلف رحمۃ اللہ علیھم نے یہ کوشش کی کہ قرآن کریم کی ایسی جامع اور مکمل تعریف کریں جو سمجھ میں آجائے، تو پھر یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اعجاز پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں اور ابھی تک لکھی جارہی ہیں اور ان شاء اللہ لکھی جائیں گی جو اس کا ثبوت فراہم کرتی ہیں، اور آئندہ بھی ثبوت فراہم کریں گی کہ سببِ اعجاز کیا ہے؟ اگر سببِ اعجاز بیان و بلاغت ہے جس پر تقریباً اتفاق ہے (سوائے چند معتزلہ اور یہود کے جو صرفہ کے عنوان سے اپنے عجز فہم کا اعلان کرتے رہے ہیں) اس حال میں بلاغت و بدیع کے اقسام کے میدانوں سے لوگوں نے ریت اور بالو کو چھان مارا، لسانیات کے جنگلوں میں پیدا ہونے والے ایک ایک درخت اور پتیوں کو جانچا، فنی غیر فنی، منطقی، غیر منطقی، سادہ، رنگین ہر طرح کی تحریروں کو سامنے لائے اور ان سے قرآنی بلاغت کا مقابلہ کیا، مگر عجز و ناتوانی کا اظہار کرنے پر مجبور ہوئے کہ

تم سا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

عربی زبان سے ایک نہیں متعدد گوشوں سے علمائے بدیع و بلاغت نے اس تہہ تک پہنچنے کے لئے اپنی زندگیاں صرف کردیں، اور الحمد للہ ان کے کارنامے زندہ اور پائیدار ہیں، مگر اردو میں اس محدود نظر رکھنے والے راقم کی نظر سے کوئی کتاب نہیں گذری، وجود سے انکار نہیں اپنی بے بضاعتی کا اقرار ہے۔

پیشِ نظر کتاب اعجازِ قرآنی کے تعارف میں ایک حقیر سا اضافہ ہے، علومِ قرآن تو ایک دریا ہے اور اس کی سینکڑوں فروع ہیں، جن کو علومِ قرآن کے تحت بیان

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کیا جا سکتا ہے، لکھنے والے بھی ہزاروں ہیں، معاصرین کا اقتباس میں نے کم لیا ہے جیسے: سید قطب، مصطفیٰ صادق الرافعی، عائشہ بنت عبد الرحمان وغیرہ۔

اگر اس ناچیز کاوش سے کسی ایک دل میں بھی قرآنِ کریم کی عظمت میں اضافہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے رحم وفضل سے توقع ہے نہ صرف اس عاجز کی بلکہ باپ دادا، اساتذہ، مربین سب کے لئے آخرت میں سرخروئی کا باعث ہوگا۔ جملہ اعزہ واحباب اور اساتذہ وتلامذہ نے ہمت افزائی کی سب کے لئے دعا ہے۔

أن يجعلهم الله في ظله يوم لا ظل إلا ظله

بندۂ فقیر و بے نوا

عبد اللہ عباس ندوی پھلواروی (۱)

مکۃ المکرّمہ

(۱) خاکسار مؤلف اپنے تعارف میں صرف ''ندوی'' لکھا کرتا ہے، مگر ایک اور ندوی ظاہر ہوئے جن کا نام عبد اللہ مع ولدیت (عباس) ہے اور وہ بھی ندوہ میں عالمیت کر چکے ہیں، نیز سعودی عرب میں رہتے ہیں، اس لئے اپنے نام کے آگے وطن کی نسبت بڑھانا پڑی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تمہید وتعارف

قرآنِ کریم ایک معجزہ ہے جو اپنے نزول کے وقت سے لے کر آج تک قائم اور قابلِ مشاہدہ ہے، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''عصا'' اور ''یدِ بیضا'' کا معجزہ دیا گیا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا گیا تھا کہ آپ اللہ کے حکم سے مردہ جسم میں جان ڈالدیا کرتے تھے، اور پیدائشی نابینا اور کوڑھ کے مریض کو بحکم خداوندی تندرست کردیا کرتے تھے، مگر یہ معجزے سب کے سب اسی وقت تک قابل مشاہدہ تھے جب تک یہ پیغمبرانِ برحق اس دنیا میں موجود تھے، آج اگر آپ ایک یہودی سے دریافت کریں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کیا معجزہ تھا، جواب بھی باقی ہو، یا کسی عیسائی سے دریافت کریں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کون سا معجزہ باقی ہے جو انہوں نے اپنی نبوت کی دلیل میں پیش کیا تھا تو وہ ان معجزات کو دکھانے سے قاصر رہے گا، لیکن رسول اللہ ﷺ کو جو معجزہ عنایت ہوا وہ قرآن ہے جو آج بھی ہے اور انشاء اللہ رہتی دنیا تک رہے گا، اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ہر نبی کو ایسا معجزہ دیا گیا جو اس کے عرصۂ نبوت میں کام آسکے اور اسی قدر روئے زمین کا احاطہ کرسکے جس قدر رقبہ کے لئے ان کی بعثت ہوئی تھی، حضرت سیدنا محمد بن عبداللہ رسولِ عربی ﷺ کی بعثت سارے عالم اور ہر زمانہ کے لئے ہوئی اس لئے آپ کو معجزہ بھی ایسا دیا گیا جس کا ہر جگہ اور ہر زمانہ میں مشاہدہ کیا جاسکے اس حقیقت کے بیان میں اللہ کے کسی پیغمبر (علیہ السلام)

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کی خدانخواستہ اہانت نہیں ہے، ہر نبی نے اپنا فرض ادا کیا اس کو جس زمان ومکان کے اعتبار سے مبعوث کیا گیا اس میں وہ کامیاب رہا۔

معجزۂ قرآنی کا اہم ترین پہلو قرآن کی لسانی خوبیاں اور فصاحت وبلاغت ہے، جس کو سن کر بہت سے سچے دل کے انسان ایمان لے آئے، اور جو ایمان نہیں لائے انہوں نے آپ کو ''ساحر'' کہا، قرآن کا دلوں پر جو اثر پڑتا ہے اس کو جادو کہا، یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کو ''مجنوں'' کہا، مگر یہ سب نے تسلیم کیا کہ اس کے اندر ایک طاقت ہے جو سخت سے سخت دل کو پگھلا دے جس کی کسی قدر تفصیل اس کتاب میں آپ مطالعہ فرمائیں گے، قرآن کو خود قرآن نے ایک دو جگہ نہیں بارہا مختلف الفاظ میں معجزہ کہا ہے، جن کی کچھ تفصیل آئندہ اوراق میں آپ کی نظر سے گذرے گی۔

نہ ماننے والوں کو اور شک وشبہ کرنے والوں کو قرآن نے چیلنج کیا ہے کہ تم اس قرآن جیسی ایک سوہ بھی بنا کر نہیں لا سکتے، اس سلسلہ کی پہلی آیت وہ ہے جو سورۂ بنی اسرائیل میں وارد ہوئی ہے۔

قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل : ۸۸)	آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنّات سب اس بات کے لئے جمع ہو جاویں کہ ایسا قرآن بنالاویں تب بھی ایسا نہ لاسکیں گے اگر چہ ایک دوسرے کا مددگار بھی بن جاوے۔

اس کے بعد کا مرحلہ یہ تھا کہ اگر پورا قرآن نہیں پیش کر سکتے تو کم از کم ۱۰ سورتیں ایسی وضع کر کے دکھلاؤ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

أَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

(ھود : ۱۳)

کیا (اس کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ نے اس کو اپنی طرف سے خود بنالیا ہے، تو آپ جواب میں فرمادیجئے کہ (اگر یہ میرا بنایا ہوا ہے) تو اچھا تم بھی اس جیسی دس سورتیں (جو تمہاری بنائی ہوں) لے کر آؤ اور اپنی مدد کے لئے جن جن غیر اللہ کو بلا سکو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

اگر کسی سے یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم ایک ہی سورہ اُسی طرح کی وضع کر کے دکھلائے۔

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآئَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

(البقرہ : ۲۳)

اور اگر تم کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ (خاص) پر تو (اچھا) پھر تم بنالاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلّہ ہو اور بلا لو اپنے ان حمایتیوں کو جو خدا سے الگ (تجویز کر رکھے ہیں) اگر تم سچے ہو۔

اسی طرح قرآن نے کفار و مشرکین کو چیلنج کیا اور کہا کہ پورا قرآن لاؤ پھر کہا اگر پورا قرآن نہیں لا سکتے تو دس آیتیں لا کر دکھلاؤ، اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو ایک ہی سورہ بنا کر دکھلاؤ، اور قرآن کریم نے یہ پیشن گوئی بھی کر دی کہ تم قیامت تک ایک آیت بھی وضع نہیں کر سکتے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اعجازِ قرآن کو ایک مستقل فن کی حیثیت تیسری صدی ہجری میں حاصل ہوئی، عہدِ رسالت، عہدِ خلفائے راشدین اور اموی حکومت کے پورے عرصے میں کسی کو اس فن کی ضرورت ہی نہیں تھی، کیوں کہ جب قرآنِ کریم نازل ہو رہا تھا یا مکمل نازل ہو چکا تھا اس کے مخاطب وہ عرب مسلمان تھے جن کی مادری زبان عربی تھی، کسی کو اپنی مادری زبان کے گرامر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوئی، ہاں جب آدمی کوئی دوسری زبان سیکھتا ہے تو اس زبان کے قواعد پڑھتا ہے یا اہلِ زبان کی نقل کرتا ہے۔ آواز کیوں کر سینے اور حلق سے، تالو اور زبان سے، لبوں اور دانتوں اور مسوڑھوں کی مدد سے نکلتی ہے، اور بولنے والا کسی آواز کو ہلکا اور کسی کو بھرپور کر کے نکالتا ہے (جس کو علم صوتیات یا فنالوجی کہتے ہیں) سیکھتا ہے پھر پورا لفظ کیوں کر بنتا ہے؟ اور اس لفظ سے کتنے الفاظ نکلتے ہیں (علم اشتقاق) اور معانی میں کس طرح تبدیلی ہو جایا کرتی ہے (علمِ صَرف) پھر ان الفاظ کو کس طرح ایک دوسرے لفظ کے ساتھ جوڑتے ہیں کہ اُن الفاظ سے جملہ بن سکے (علمِ نحو) پھر ان الفاظ سے بنے ہوئے جملوں میں دیکھا جائے کہ پہلے کون لفظ رکھا جائے اور بعد میں کون لفظ لایا جائے اور لفظوں کے جوڑنے سے کیا معنی پیدا ہوتے ہیں (علمِ معانی) اور کس لفظ سے کیا کام لیا جائے کسی کی تعریف کرنا مقصود ہے یا طنز و تشنیع کرنا ہے، کسی کی بُرائی بیان کرنا ہے تو الفاظ کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ الفاظ کے مطالب بھی بدل جائیں (علمُ البیان) پھر ان میں حُسن کس طرح پیدا کیا جائے (علمِ بدیع) وغیرہ وغیرہ۔ جب ہم دوسروں کی زبان بولتے ہیں یا لکھتے ہیں تو اہلِ زبان کی نقل کرتے ہیں اور ان قواعد کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور جب اپنی زبان بولتے ہیں تو اس کی ضرورت نہیں ہوتی کہ کوئی ہمیں سکھائے بلکہ ہمارے اپنے بولنے کے طریقہ سے وہ

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

گرامر بنتا ہے۔

قرآنِ کریم جب نازل ہورہا تھا اس کے مخاطب وہ عرب تھے جن کی مادری زبان میں یہ کلام نازل ہوا تھا، وہ کلام کی خوبی اوراس کے حسن کو ایک نظر میں سمجھ لیتے تھے، جیسے برف کی کوئی قاش آپ کی ہتھیلی پر آجائے یا خدانخواستہ کوئی چنگاری جسم کو چھو جائے تو ٹھنڈک اور گرمی کا احساس کسی دلیل کا محتاج نہ ہوگا، یہی حال پیدائشی عربوں کا تھا، قرآن کی ایک آیت اِدھر کان میں پڑی اُدھر دل میں اتری۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ تاریخ وسیرت کی کتابوں میں اِس طرح مذکور ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے تلوار باندھے اس نیت سے نکلے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر حملہ آور ہوں، اُن کے ساتھ چند رفقاء بھی تھے، جو ''صفا'' کے قریب ایک گھر میں جمع ہوئے جہاں تقریباً چالیس مرد وعورت تھے، راستے میں ان کو نُعیم بن عبداللہ ملے، دریافت کیا کدھر کا رُخ ہے؟ انہوں نے اپنا مقصد بتایا نُعیم بن عبداللہ نے حضرت عمرؓ کو خوف دلایا اور اپنے گھر جانے کی نصیحت کی تاکہ دیکھیں کہ اُن کی ہمشیرہ فاطمہ بنتِ خطاب اور اُن کے شوہر سعید بن زید بن عمر اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر اس نئے دین کے پیروکار ہوگئے ہیں۔

حضرت عمرؓ سیدھے اپنی بہن کے مکان میں گئے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کو قتل کردیں، وہاں سُنا کہ خبّاب بن الأرتؓ ان دونوں کو قرآن سنارہے ہیں، حضرت عمرؓ غصہ میں مکان کے اندر داخل ہوگئے (۱) اپنے بہنوئی سعید بن زید کی گردن اپنے ہاتھ میں پکڑ لی اور اپنی بہن کو بھی دھکا دیا اور

(۱) سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وہ کاغذ اپنے ہاتھ میں لیا جس میں قرآن لکھا ہوا تھا اس کاغذ میں سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آیتیں تھیں اُن کو پڑھتے ہی حضرت عمرؓ کا دل نرم پڑ گیا، (۱) اور بولے کہ بہت اچھا اور پاکیزہ کلام ہے یہ کہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی بے اختیار خوشی کا اظہار نعرۂ تکبیر سے کیا جس سے وہاں موجود تمام لوگوں کو اُن کے ایمان لانے کا یقین ہو گیا، امیر المومنین حضرت عمرؓ سورہ طٰہٰ کی چند ابتدائی آیات پڑھ کر اس کلام کے وحی الٰہی ہونے کے قائل ہو گئے، دشمن بن کر آئے تھے اور جاں نثار اور اسلام کے حامی بن کر نکلے، یہ تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ تھا جو سیرتِ ابن ہشام میں اسی تفصیل سے مذکور ہے، اور حضرت عمر فاروقؓ کے واقعہ کے ساتھ ایک سردارِ قریش عتبہ بن ربیعہ کا واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے جس نے اپنے ساتھیوں کے کہنے پر قرآن کی اثر اندازی جاننے اور اسلام اور قرآن سے لوگوں کو دور کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی اور آنحضرت ﷺ نے چند آیات سورہ حٰمٓ السجدہ کی تلاوت فرمائی جس سے اُس کا دل و دماغ متاثر ہو گیا اور اِس کا اعتراف خود اس شخص نے اور اس کے ساتھیوں نے واضح الفاظ میں کیا۔ سیرتِ ابن ہشام اور اس کی شرح الروض الأنف میں یہ واقعہ اس طرح درج ہے۔

ایک دن سردارانِ قریش کی مجلس میں عتبہ بن ربیعہ بیٹھے تھے اور وہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے، دوسری طرف رسول اللہ ﷺ مسجد میں تنہا تشریف فرما تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ نے کہا کہ اے قبیلۂ قریش کے عزیزو اور بزرگو! یہ مناسب ہوگا کہ ہم لوگ محمد ﷺ کے پاس چلیں ان سے گفتگو کریں اور اپنی

(۲) حضرت عمر فاروقؓ ان بڑے صحابہ میں تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

طرف سے جو پیش کش کر سکتے ہیں وہ پیش کش کر کے دیکھیں ہوسکتا ہے کہ وہ خوشی سے قبول کرلیں اوران کی مطلوبہ چیز انہیں اس شرط پر دے دیں کہ وہ ہم سے نہ اُلجھیں، یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جبکہ حضرت حمزہؓ اسلام لا چکے تھے اور اصحابِ رسول ﷺ کی تعداد بڑھ رہی تھی، حاضرینِ مجلس نے کہا اے ابوالولید (۱) آپ پہل کریں، اور گفتگو کریں عتبہ اپنی جگہ سے اٹھے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگے کہ اے میرے برادر زادہ! قبیلہ میں ہماری اور تمہاری جو عزت ہے وہ سب کو معلوم ہے، ہمارا گھرانہ بڑا، نسب عالی، مگر تم نے اپنی قوم کے لئے ایک مصیبت کھڑی کردی، جس سے ان کے لوگ گروہوں میں تقسیم ہوگئے، ان کے عالی دماغ لوگوں کو تم نے بے عقل بتایا اور اس طرح ان کے معبودوں اور مذہب کی عیب جوئی کی اور ان کے باپ دادا جو دنیا سے گذر چکے ہیں ان کی تم نے تکفیر کی، میں اس لئے آیا ہوں کہ چند تجویزیں تمہارے سامنے رکھوں ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی کو تم پسند کرو، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں! ابوالولید کہو میں سن رہا ہوں، عتبہ بن ربیعہ نے کہا: اے میرے بھتیجے! یہ جو ہنگامہ تم نے کھڑا کیا ہے اس سے تمہارا مقصد مال جمع کرنا ہے تو ہم اتنا مال تمہارے لئے جمع کردیں گے کہ تم قبیلہ میں بڑے مالدار کہلاؤ، اور اگر تمہارا مقصد قوم کی لیڈری اور پاسبانی ہے تو ہم تیار ہیں کہ تم کو اپنا سردار بنالیں اور کوئی فیصلہ تمہارے بغیر نہ کریں، اور اگر اس ہنگامہ خیزی کا مقصد بادشاہ بننا ہے تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں کہ تم کو اپنے اوپر بادشاہ تسلیم کرلیں، اور اگر

---

(۱) عتبہ ایک قریشی قبیلہ کے سردار تھے، ان کو مخاطب ان کی کنیت سے کیا جاتا تھا جو ابوالولید تھی، یہ احترام کا خاص قاعدہ تھا، جواب بھی رائج ہے، ''حضرت'' ''شیخ'' اور نام کے بعد ''دام مجدہ'' اور ''مدظلہ'' وغیرہ خالص عجمی طرز احترام ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تمہارے سر پر کوئی جن سوار ہو گیا ہے تو جو بہتر سے بہتر علاج ممکن ہے ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں، اور تمہاری شفایابی کے لئے جتنا خرچ کرنے کی ضرورت ہو گی، اور جو جھاڑ پھونک میں خرچ ہو گا ہم سب اس کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں، عتبہ اس طرح کی باتیں جب کر چکے۔ اور آنحضرت ﷺ کان لگا کر اُن کی باتیں سنتے رہے، ان کا قطع کلام نہیں کیا۔ تو فرمایا: اے ابوالولید! کیا آپ اپنی بات کہہ چکے کہ ابھی کچھ باقی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں جو مجھے کہنا تھا کہہ چکا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اب میں آپ کو جواب دیتا ہوں، ابولولید نے کہا ارشاد فرمایئے، حضور اکرم ﷺ نے ان کے جواب میں یہ آیتیں پڑھیں۔

حٰمٓ ۝ تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ۝ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ۝ وَ قَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡهِ۔

(حٰمٓ السجدة : ۱-۵)

حٰمٓ۔ یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے، یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی زبان میں ہے ایسے لوگوں کے لئے نافع ہے جو دانشمند ہیں، بشارت دینے والا ہے، اور نہ ماننے والوں کے لئے ڈرانے والا ہے، سو اکثر لوگوں نے اس سے روگردانی کی پھر وہ (بوجہ اعراض کے) سُنتے ہی نہیں، اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف آپ ہم کو بلاتے ہیں ہمارے دل اس سے پردوں میں ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

آنحضرت ﷺ نے اس کے آگے کی آیات تلاوت فرمائیں اور وہ لوگ سنتے رہے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ آیتِ سجدہ پر پہونچ گئے اور سجدہ کیا اور فرمایا کہ اے ابوالولید تم نے سُن لیا اب تم جانو تمہارا کام جانے۔ اس کے بعد عتبہ بن ربیعہ آنحضرت ﷺ کے پاس سے اٹھے اور اپنے ساتھیوں کی طرف بڑھ گئے، وہاں پر جو دوسرے لوگ تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ابوالولید جس وقت یہاں سے گئے تھے اور اس وقت ان کے چہرے پر جو آثار تھے وہ اب بدلے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ بہرحال انہوں نے پوچھا کہ ابوالولید کیا لائے ہو انہوں نے جواب میں کہا کہ میں نے ایسی بات سنی ہے جو بخدا زندگی میں پہلے نہیں سنی تھی، بخدا نہ تو یہ شعر ہے اور نہ جادو کے بول ہیں اور نہ کسی کاہن کی آواز ہے، اے اہلِ قریش! میری بات نہ مانو اور خود تجربہ کرلو اور ہمارے اور اس شخص کے درمیان میں جو بات ہوئی ہے اس کو نظر انداز کردو، خود سن کر یا پڑھ کر فیصلہ کرو کیوں کہ میں جو سن کر آرہا ہوں وہ ایک بہت بڑی انقلابی خبر ہے، جو عرب ارادہ کر رہے ہیں وہ پا گئے تو کوئی دوسرا شخص یہ کام اپنے سر اٹھا لے گا، اور اگر وہ عربوں پر غالب آئے تو تمہارا ملک اس کا ملک ہو جائے گا اور تمہاری عزت اس کی عزت ہو جائے گی اور تم لوگوں میں سب سے زیادہ خوشحال ہو جاؤ گے، لوگوں نے کہا اے ابوالولید! تم پر اس شخص نے اپنی زبان سے جادو کر دیا ہے، عتبہ نے کہا جو میری رائے تھی وہ میں نے کہہ دیا اب تم جانو تمہارا کام جانے۔

حاصل یہ کہ اعجازِ قرآنی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ جو سُنتا گرویدہ ہو جاتا، اور کسی فنی موشگافی اور نکتہ رسی کا منتظر نہیں رہتا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے اور عتبہ کے ایمان نہ لانے کا قصہ دونوں قرآنِ کریم کی اس تاثیر کی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دلیل ہے کہ جس نے سنا، وہ سنتے ہی بیتاب ہو گیا۔

بہر حال مذکورہ واقعہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قرآن کریم کی تاثیر پہلے دن سے سننے والوں کے دل ودماغ پر دیکھی گئی جن لوگوں نے سناوہ حیرت زدہ ہوئے، اور جن کی نگاہوں پر پردہ پڑا تھا انہوں نے اس کو جادو اور شاعری کہا، اور قرآن کریم کے ان سننے والوں کے دل ودماغ پر جو اثرات پڑتے تھے، اس کو اپنے معجزانہ زبان میں ایسے الفاظ میں بیان کیا ہے کہ آج بھی عربی زبان کے سمجھنے والے محسوس کرتے ہیں کہ یہ آیتیں وہ ہیں جو دلوں کو ہلا دیں اور زندگی کا رُخ پلٹ دیں ـــــ ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَ قُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ

(الزمر : ۲۳)

اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے بار بار دہرائی گئی ہے، جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم (اور منقاد) ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ قرآنِ کریم کو ایمان لانے والوں اور ایمان نہ لانے والوں دونوں نے ایک بے مثال کلام تجویز کیا، لیکن ہر وہ بات جو سچ ہو اور سمجھ میں آگئی ہو اس کو رسالہ یا مقالہ کی شکل میں ترتیب دینے کا کوئی رواج نہیں تھا، یہ رواج تیسری صدی ہجری کے آخر اور چوتھی صدی کی ابتداء میں شروع ہوا، اعجازِ قرآن کی مستقل تصنیفات کا سلسلہ تیسری صدی ہجری میں شروع ہوا جس کا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اصل سبب اوپر بیان کیا گیا، نیز یہی تیسری صدی ہے جس میں صرف بلاغت یا اعجازِ قرآن کیا بلکہ تمام اسلامی علوم وفنون مرتب ہوئے، صحاحِ ستہ اسی دور میں مدون ہوئیں، چاروں فقہی مذاہب اسی دور کی یادگار ہیں، علمِ کلام (۱) (علم التوحید) کے مسائل پر اسی دور میں کتابیں لکھی گئیں، لہٰذا اگر بلاغت اور اعجاز پر کام اسی دور میں شروع ہوا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

---

(۱) جب سے یونانی فلسفیوں نے اسلام پر اعتراضات شروع کئے اور مسلمانوں کی صفوں میں رخنے ڈالے، اس وقت سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر اعتراضات کرنے لگے اور قرآنِ کریم کے ارشاد کردہ اوصاف کو الفاظ کے الٹ پھیر سے غلط مطلب پہنانے لگے، ان کو مسلمانوں نے جواب دیا انہوں نے پھر اعتراض کئے اور چند دوسرے شوشے چھوڑے، اور چوں کہ یہ سب باتیں اللہ کی ذات سے متعلق تھیں اس لئے اس کو علمِ توحید (خدا کی وحدانیت) کہا گیا، اُن اعتراضات میں یہ فتنہ اٹھایا گیا کہ قرآن اگر اللہ کا کلام ہے تو بولنا اللہ کی ذات میں داخل ہے یا بیرون صفت ہے اس کو علمِ کلام کہا گیا، چنانچہ عربی میں اس فن کو ''توحید'' اور غیر عربی میں اس کو ''علمِ کلام'' کہا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ علم التوحید اور علمِ کلام ایک سکّہ کے دو رُخ ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قرآنِ کریم کا تعارف

قرآنِ کریم کا تعارف قرآن کریم کی زبان سے ان تمام آیات سے واضح ہوتا ہے جو اس کے منجاب اللہ ہونے کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی رحمۃ اللہ علیہ کے محاضرات میں ایک محاضرہ اسی موضوع پر ہے جو حضرت مرحوم نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے درسِ قرآن میں دیئے تھے۔ قرآن کریم کا تعارف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی ہوا ہے، ہم پہلے ان جملوں کو نقل کرتے ہیں، ان میں دو جملے لائق تجزیہ بھی ہیں۔

کتاب الله فيه نبأ ماكان قبلكم ، و خبر مابعدكم و حكم ما بينكم. وهو الفصل ليس بالهزل، من تركه من جبار، قصمه الله و من ابتغى الهدى فى غيره ، أضله الله، و هو حبل الله المتين، و هو الذكر الحكيم وهو الصراط المستقيم، هو الذى لاتزيغ به الأهواء، ولاتلتبس به الألسنة ولا يشبع منه العلماء

اس کتاب عظیم میں تم سے پہلی امتوں کے واقعات ہیں اور اس میں بیان کر دیا گیا ہے کہ تمہارے بعد کیا پیش آنے والا ہے، یہ دو ٹوک اور ٹھوس اور حقائق پر مبنی باتوں کا مجموعہ ہے کوئی دل لگی یا تفریحی بات نہیں ہے، کوئی سرکش اس کو چھوڑ دے تو اللہ اس کی (کمر) توڑ کر رہے گا۔ اور جو اس کو چھوڑ کر کسی اور کتاب میں ہدایت طلب کرے گا اس کو گمراہی میں چھوڑ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ولا يخلق عن كثرة الرد، ولاتنقضى عجائبه ، هو الذى لم تنته الجن اذ سمعته حتى قالوا (اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِیْ اِلَى الرُّشْدِفامنّا بِه) من قال به صدق، و من عَمِلَ به اُجِرَ، و من حكم به عدل، و من دعا اليه هدى الى صراط مستقيم۔

(الترمذی باب ماجاء فی فضل القرآن روایة عن علی بن ابی طالبؓ،و الدارمی فضائل القرآن)

دیا جائے گا، وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے، وہ ذکر حکیم ہے، وہ صراطِ مستقیم ہے، یہ وہی کتاب ہے جس کو خواہشات نہیں چلاتیں اور جس کے پڑھنے سے زبانیں نہیں گڈ مڈ ہوتیں، اور بار بار پڑھنے کے باوجود یہ کلام پُرانا نہیں ہوتا اور نہ اس کے عجائب ختم ہوتے ہیں، اس کی آیات کو سن کر جنات کو کہنا پڑا کہ (ہم نے عجیب وغریب تلاوت سنی ہے ، وہ راہ حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے) ان آیات سے جو استدلال کرے وہ سچا ہے، اور جو ان پر عمل کرے اس کو اجر سے نوازا جائے گا، اور جو ان کے مطابق فیصلہ کرے گا وہ انصاف ور ہوگا۔ اور جو ان کی طرف دعوت دے اس کو سیدھا راستہ دکھا دیا جائے گا۔

یوں تو حدیث نبوی کا ہر لفظ اپنی جگہ صداقت وحق گوئی کا جو ہر گراں مایہ ہے خاص طور پر اس کے دو جملے ایسے ہیں جن کی صداقت پر کوئی اہلِ علم، خواہ وہ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اسلام اور اسلامی تعلیمات کا دشمن کیوں نہ ہو انکار نہیں کر سکتا۔

لَا يَخْلُقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ

قرآن کو جتنی بار دل چاہے پڑھیے اس سے نہ دل اُکتائے گا اور نہ زبان تھکے گی، روزانہ ساری دنیا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں بار تلاوت کی جاتی ہے، کرۂ ارضی کا کونسا حصہ خالی ہے جہاں نماز نہ ہو رہی ہو، جس وقت آپ ظہر کی نماز پڑھتے ہیں کسی ملک میں فجر کی نماز ہو رہی ہوگی، کسی ملک میں عصر کی نماز ہو رہی ہوگی، کہیں مغرب کا وقت داخل ہو چکا ہوگا۔ جس وقت آپ سو رہے ہیں کسی ملک میں عشاء کی نماز کا وقت شروع ہوا ہے، ذرا ایک عالمی نقشہ سامنے رکھ کر دیکھئے اور یہ بھی آپ کو معلوم ہوگا کہ خواہ تعداد میں کم سہی مگر روئے زمین کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو نمازیوں سے خالی ہو۔ سر دست ان تمام وقتوں کو نظر انداز کیجئے صرف ایک سورۂ فاتحہ کو لیجئے دن بھر میں آپ کے ملک میں کتنی بار پڑھی جاتی ہے مگر اس میں پرانا پن نہیں آتا، برخلاف اس کے دوسرے کلام کو دیکھئے، اگر شعر و شاعری کا ذوق رکھتے ہیں اور کوئی اچھوتے قسم کا نیا شعر سنکر آپ پھڑک گئے ہوں اس کو مزہ لے لے کر بار بار پڑھیں گے مگر کتنی بار؟ آخر میں ایک دن دو دن میں آپ کو دہراتے ہوئے برا لگے گا آپ کے اعزہ اور گھر کے افراد کے کان سنتے سنتے پک جائیں گے اور کتنے اچھے اچھے شعر آج کوئی پڑھتے ہوئے جھجک محسوس کرتا ہے، ایک شعر ہے،

سپردم بہ تو مایۂ خویش را　　تو دانی حساب کم و بیش را

مولانا محمد علی جوہرؒ نے علی گڈھ کی کسی کمیٹی میں یہ شعر پڑھا تھا، ''نگار معنی'' میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ یہ فرسودہ اور پرانا شعر سن کر حاضرین پر مایوسی کی ایک لہر چھا گئی، اس طرح کے سینکڑوں شعر اور جملے ہیں جن کو سن کر آدمی محسوس کرتا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کہ یہ پرانا اور فرسودہ کلام ہے، مگر قرآن کو پڑھتے جایئے پڑھتے جایئے ہر مرتبہ ایک نئی لذت، نیا شعور اور نئی امنگ پیدا ہوگی۔

راقم عاجز نے اللہ تعالیٰ کے ایک بندہ کو جنکی عمر اسّی سے متجاوز تھی نفل میں سورۂ فاتحہ کا آخری جزء "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" پڑھتے وقت ان کے آنسو کا بہنا اور جسم میں کپکپی کا پیدا ہونا دیکھا ہے۔

لَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهٗ

دوسرا جملہ "لَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهٗ" ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام کو اس خاص صفت کے ساتھ متصف فرمایا ہے کہ جو شخص اس کا بغور مطالعہ کرے گا اور سمجھ کر تلاوت کرے گا اس کے لئے نئی راہ اور نئے معانی کے انکشافات ہوتے رہیں گے، اور وہ ایک نئی وجدانی کیفیت کی نعمت سے سرفراز ہوتا رہے گا، چنانچہ آپ ہر دور کی تفسیری کُتب کو اٹھا کر دیکھیں ہر مفسر نے اپنی جد و جہد اور غور و خوض کے ذریعہ نئے نئے معانی کی طرف توجہ دلائی ہے، فنِ بلاغت وفصاحت کے ماہرین نے تو ایسے ایسے نکات بیان کئے ہیں کہ وہ قرآن ہی کا حق ہے کہ اس میں مختصر الفاظ میں بڑے بڑے معانی سمودیئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ کی مزید گفتگو اور مثالیں آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

***

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بابِ اوّل

معجزہ کی تعریف اور اس کی مختلف شکلیں

لغوی مفہوم

معجزہ کا لفظ ''عجز'' سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں کسی بات پر قادر نہ ہونا، جیسے گونگا بولنے سے، نابینا دیکھنے سے، بہرا سننے سے عاجز ہے، ''اعجاز'' اسی لفظ کا متعدی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی فطرۃً یا پیدائشی طور پر عاجز تو نہ تھا مگر اس کو عاجز بنا دیا گیا ہے۔ ''معجز'' اس کا اسم فاعل ہے، یعنی ایسی طاقت یا ایسی شئ جو کسی دوسرے کے بس کا نہ ہو، اور وہ کلام اس کو عاجز ثابت کر دے، اس پر ''ۃ'' کا اضافہ مبالغہ کے لئے ہے، یعنی کوئی ایسی انہونی بات جو کوئی دوسرا نہیں پیش کر سکے، اردو میں عجز کا ترجمہ ہارنا بھی ہوسکتا ہے، اس طرح معجز کے معنی ''ہرانے والا'' ہوگا۔

قرآنِ کریم میں معجز کا لفظ اسی معنی میں وارد ہوا ہے۔

وَ مَنْ لَایُجِبْ دَاعِیَ اللّٰہِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَیْسَ لَہٗ مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَاءُ (الاحقاف: ۳۲)	جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا تو وہ زمین میں ہرا نہیں سکتا، اور خدا کے سوا اس کا کوئی حامی بھی نہ ہوگا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں معجزہ اس نشانی کو کہتے ہیں جو ایک پیغمبر اپنی نبوت کی صداقت ثابت کرنے کے لئے اپنی قوم کے سامنے پیش کرتا ہے، اگر عصری تعبیر پسند ہوتو آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کا بھیجا ہوا شخص ایک سفیر کے مانند ہوتا ہے، جن لوگوں کے پاس اس کو بھیجا جاتا ہے ان کو اپنی شناخت کی علامت پیش کرتا ہے، اور اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسی بات دکھاتا ہے جو عقلاً اور عادۃً ناممکن ہو اور سنّت تکوینی کے خلاف ہو، مثلاً اللہ کا بنایا ہوا نظام کائنات یہ ہے کہ ایک نوازئیدہ بچہ بات نہیں کرسکتا، جو شخص ایک مرتبہ مرگیا وہ دوبارہ اس دنیا میں زندہ نہیں ہوسکتا، اس قانونِ فطرت (جس کو قانون تکوینی یا سنت تکوینی کہا جاتا ہے) کے خلاف کوئی کام دکھانا اس فطری قانون کو توڑ دینا ہے، اس ''توڑنے'' کو عربی میں ''نقض'' کہتے ہیں، اور ''خرق'' (پھاڑنا) بھی یہی مفہوم رکھتا ہے، ''عادت'' کے معنی نظامِ فطرت کے ہیں، لہٰذا ناممکن کو ممکن بنا دینا ''انہونی'' کو ''ہونی'' بنا دینا معجزہ ہے، کیوں کہ اس کے آگے سارے انسان ہار جاتے ہیں کہ وہ اس طرح کی بات نہیں کرسکتے۔ لیکن ''معجزہ'' اس خاص مفہوم میں قرآن کریم میں وارد نہیں ہوا ہے، یہ لفظ دوسری صدی کے آخر اور تیسری صدی ہجری کے ابتداء میں علمائے نحو و بلاغت نے اختیار کیا، (۱) قرآنِ کریم میں اس کی جگہ لفظ ''آیۃ'' نازل ہوا ہے۔

(۱) خاص طور پر شیخ المعتزلہ واصل ابن عطاء متوفی ۱۳۱ھ کا نام اس سلسلہ میں نمایاں ہے اور علمائے اہلِ سنت میں کسی نے اس پر نکیر نہیں کی ہے کیوں کہ دوسرے الفاظ جو اس مفہوم کے لئے قرآن کریم میں آئے ہیں سب مشترک لفظی ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ جَآءَ تۡهُمۡ اٰيَةٌ لَّيُؤۡمِنُنَّ بِهَا قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰيٰتُ عِنۡدَ اللّٰهِ وَ مَايُشۡعِرُكُمۡ اَنَّهَا اِذَا جَائَتۡ لَايُؤۡمِنُوۡنَ ٥

(الانعام : ۱۰۹)

اوران منکرلوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگران کے (یعنی ہمارے) پاس کوئی نشانی آجاوے تو وہ (یعنی ہم) ضرور ہی اس پر ایمان لے آویں گے آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ سب نشانیاں خداتعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور تم کو اس کی کیا خبر (بلکہ ہم کو اس کی خبر ہے) کہ وہ نشانیاں جس وقت آجاویں گی یہ لوگ جب بھی ایمان نہ لاویں گے۔

قرآن کریم نے کہیں اس کی جگہ لفظ ''البیّنة'' استعمال کیا ہے۔

قَدۡجَاءَ تۡكُمۡ بَيِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمۡ اٰيَةً ٥

(الاعراف : ۷۳)

تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی ہے، یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے۔

لفظ ''البیّنة'' حسّی اور عقلی دونوں قسموں کے دلائل کے لئے بولا جاتا ہے۔ کبھی ''آیة'' اور ''البیّنة'' کے بجائے ''بُرھان'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

فَذَانِكَ بُرۡهَانٰنِ مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ٥

(القصص : ۳۲)

سو یہ (تمہاری نبوت کی) دوسندیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس جانے کے واسطے (جس کا تم کو

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

حکم کیا جاتا ہے) کیوں کہ وہ بڑے
نافرمان لوگ ہیں۔

ایک مقام پر لفظ ''سلطان'' سے بھی اس مفہوم کو بیان فرمایا گیا ہے۔

تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ○
(ابراھیم : ۱۰)

تم یوں چاہتے ہو کہ ہمارے آباء و اجداد جس چیز کی عبادت کرتے تھے (یعنی بت) اس سے ہم کو روک دو، سو کوئی صاف معجزہ دکھاؤ۔

لیکن یہ تمام الفاظ دوسرے معانی میں بھی استعمال ہوئے ہیں، اور خود قرآن نے ان کو دوسرے مفہوم میں بھی بیان کیا ہے۔

لفظ ''آیۃ'' جس کی جمع ''آیات'' ہے، اس کے بنیادی معنی نشانی اور علامت ہے، یہ نشانیاں کئی طرح کی ہوتی ہیں۔

(۱) کسی انسان کی بنا کردہ عمارت جو اس کی جاہ و منزلت کو باور کرائے جیسے:

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ○
(الشعراء : ۱۲۸)

کیا تم ہر اونچے مقام پر یادگار کے طور پر جس کو محض فضول (بلا ضرورت) بناتے ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی تخلیق و ایجادات جس کے مقابلہ میں کوئی بشر، کوئی مخلوق اپنی قدرت کا نمونہ پیش نہیں کر سکتی، جیسے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا ○
(یوسف : ۱۰۵)

اور بہت سی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمینوں میں جن پر ان کا گذر ہوتا رہتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

(۳) قرآن کریم کا ہر مکمل جملہ، جیسے:

تِلْكَ اٰيَاتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ — یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ کر سناتے ہیں۔

(البقرة : ۲۵۲)

اسی طرح دوسرے الفاظ "سلطان"، "بينة" اور "بُرهان" دوسرے معانی میں بھی قرآنِ کریم میں وارد ہوئے ہیں، لہٰذا اشتراکِ لفظی (اختلاف معنوی) سے بچنے کے لئے علمائے بلاغت نے (جن میں زیادہ تر معتزلہ تھے) لفظ "اعجاز" و "معجز" کو اس خاص مفہوم کے لئے پسند کیا، کیوں کہ ان میں اشتراکِ معنوی نہیں ہے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ مسلم (۱) اپنے مجموعۂ محاضرات "مباحث فی اعجاز القرآن" میں لکھتے ہیں:

"علوم قرآنی کے مباحث میں معجزے کی بحث شیخ المعتزلہ واصل بن عطاء متوفی ۱۳۱ھ نے اٹھائی اور انہوں نے ہی بلاغت کی اس قسمِ خاص کا نام "اعجاز القرآن" رکھا، اور اس فن کو آگے بڑھانے میں النظام متوفی ۲۳۱ھ نے حصہ لیا اور یہ وہی معتزلہ مصنف ہیں جنہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن کریم ذاتی طور پر معجزہ نہیں ہے، بلکہ اس لحاظ سے معجزہ ہے کہ اس کو پڑھ کر لوگوں کی ہمت نہیں ہوئی کہ اس کی نقل کریں۔"

اصطلاح میں اس کو "صرفہ" کہتے ہیں۔

بہرِ حال لفظ معجزہ اُسی دور کی پیداوار ہے ہم اس کی تفصیل اس کتاب کے

(۱) صحیح بخاری۔ باب بدأ الوحی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دوسرے باب میں پیش کریں گے۔

واضح رہے کہ ان معجزات کا لازمی اثر یہ نہیں ہوتا کہ ان کو دیکھ کر ایمان لے ہی آئیں، بلکہ اس کے بالکل برخلاف معاندین ان کا انکار بھی کر دیتے ہیں۔

وَ اِنۡ یَّرَوۡا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡا بِهَا — اور اگر تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لاویں۔

(الاعراف : ۱۴۶)

اور زیادہ ڈھٹائی اور عناد کا بھی اظہار کرتے ہیں۔

کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوۡبِهِمۡ ؕ — انہوں نے ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلایا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر دارو گیر فرمائی ان کے گناہوں کے سبب۔

(آل عمران : ۱۱)

اور جن کو ایمان لانا تھا ان کے لئے پیغمبر وقت کی سیرت، راست گوئی، معاملات میں صداقت شعاری، اپنی جگہ پر خود ایک بڑی دلیل اور بُرھان تھی، سابقین اولین جو ایمان لائے، وہ صرف آپؐ کی سیرت کو دیکھ کر ایمان لائے تھے، جب آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ اس پہلے تجربہ سے گذرے تو آپؐ پر لرزہ طاری تھا، اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کو جن الفاظ میں دلاسا دیا اُس سے ظاہر ہے کہ آپؐ کی سیرت خود ایک مجسم معجزہ تھی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا "لقد خشیت علی نفسی" یعنی مجھے اپنی جان کا خطرہ معلوم ہوتا ہے۔ اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا:

کلا، وَالله مایخزیك الله أبداء، انك لتصل الرحم، و — ہرگز نہیں۔ (آپ کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا) اللہ کی قسم اللہ

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

تحمل الكل ، وتكسب المعدوم، و تقری الضيف، وتعین علی نوائب الحق (۱)	آپ کو کبھی ناکام نہیں کرے گا، آپ قرابت مندوں کا حق ادا کرتے ہیں، لوگوں کا بوجھ خود اپنے سر لے لیتے ہیں، نادار کی دادرسی کرتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں، اور جب کسی پر واقعی افتاد پڑتی ہے تو آپ اس کی مدد فرماتے ہیں۔

سیرت نبویؐ کے یہ نمایاں پہلو آپ کا بہترین معجزہ تھے، جن کا اعتراف شب وروز کی رفاقت کرنے والی دیدہ ور خاتونِ عرب نے کیا تھا اور انہی باتوں نے اُم المومنینؓ کو ایمان باللہ اور ایمان بالرسول پر مائل کیا۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی قدس اللہ سرہ نے سیرۃ النبیؐ کی تیسری جلد ''مشتمل بر دلائل و معجزات'' مرتب فرمائی ہے جو اپنے علمی و تحقیقی اسلوب اور جامعیت کے لحاظ سے ایک بیش بہا تحفہ ہے، مذکورہ بالا مضمون کے سلسلہ میں آپ کی تحریر کی چند سطریں تبرکاً اور استناداً نقل کرتا ہوں:

''گو پیغمبر کا اصلی معجزہ اور اس کے منجانب اللہ ہونے کی کھلی نشانی خود اس کا سرتاپا وجود ہوتا ہے، دیکھنے والوں کے لئے اس کی چشم و ابرو میں، اور سننے والوں کے لئے اس کے لب و لہجے میں، اور سمجھنے والوں کے لئے اس کے پیام و دعوت میں اعجاز ہوتا ہے، لیکن جو لوگ احساس حقیقت میں فروتر ہوتے ہیں ان کو اس سے تسکین نہیں ہوتی، اور وہ مادی اور محسوس نشانیوں کے

---

(۱) صحیح بخاری، باب بدأ الوحی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

طلبگار ہوتے ہیں، جو بالآخران کو دی جاتی ہیں، لیکن انبیاء کے متبعین میں سے سابقین اولین اور صدیقین وصالحین نے اپنے پیغمبروں سے معجزہ طلب نہیں کیا، حضرت ہارونؑ و یوشعؑ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کران کو پیغمبر نہیں تسلیم کیا تھا بلکہ ان کی سیرت اور کردار کا اثر قبول کیا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان کا معجزہ دیکھ کر آسمانی دولت کا حصہ نہیں پایا تھا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے آنحضرت ﷺ پر ایمان لائیں، مگر چاند کے دوٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھ کر نہیں بلکہ یہ جان کر کہ آپ غریبوں کے دستِ بازو ہیں، قرضداروں کی تسکین وسہارا ہیں، مسافروں کے ملجاو ماویٰ ہیں (۱)، حضرت ابوبکرؓ عمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ اور دیگر اصحابِ کبار رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی آپؐ کی صداقت اور راستی کی حقیقت کو ظاہری آیات ومعجزات کی روشنی میں تلاش نہیں کیا، ان کے لئے آپؐ کا سرتاپا وجود، نفس دعوتِ حق اور پیامِ اخلاق ہی معجزہ تھا، انہوں نے اُسی کو دیکھا اور اُسی سے ایمان کی دولت پائی'' (۲)

قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی تائید اور رسول اللہ ﷺ کی تصنیف ہونے کی تردید میں قرآن کریم نے ایک دوجگہ نہیں بلکہ مکرر اور سہ کرر متعدد

---

(۱) صحیح بخاری، باب بدأ الوحی۔

(۲) سیرت النبی جلد ۳، صفحہ ۴، ۵۔ اس جلد میں معجزات پر علمی بحث، سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں ان کی صداقت پر مولانا عبدالباری ندویؒ سابق استاذ فلسفہ جدید جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے قلم سے ہے، جو علحدہ بھی ایک کتابچہ کی شکل میں شائع ہو چکی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

آیات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اُن آیاتِ کریمہ کو پڑھنے کے بعد ایک سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ قرآن کریم کو بار بار یہ جتلانے کی کیا ضرورت تھی کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے تصنیف نہیں کیا ہے، نہ اُن آیات کے نزول میں آپ کی خواہش کا دخل ہے، اور قرآن کا ایک ایک حرف اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے، رسول اللہ ﷺ صرف ذریعہ اور واسطہ ہیں، آپؑ نے جبرئیل امین علیہ السلام سے سُنا اور آپ سے انسانوں کو یہ نعمت ملی۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى

(النجم : ۳،۴)

اور نہ آپؑ اپنی خواہشِ نفسانی سے باتیں بناتے ہیں، اُن کا ارشادِ گرامی وحی ہے جو اُن پر بھیجی جاتی ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قرآن پر ایمان نہ لانے والے قرآن کے جیسی ایک سورہ بھی نہیں بنا سکے، مگر اپنی کدورت، قرآن سے بغض، اسلامی دعوت کے پھیلنے سے دہشت اور خوف ان پر طاری رہا اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف اپنے غم وغصہ کو چُھپانے میں کامیاب نہیں ہوسکے، اور طرح طرح سے بدگوئی، مسخرہ پن، طنز وطعن کے زہر میں بجھے ہوئے الفاظ سے سب وشتم کے تیر برساتے رہے، وہ قرآن کا جواب تو نہ دے سکے مگر اپنی دریدہ دہنی اور بے ہودگی سے اپنے غم وغصہ کا اظہار کرتے رہے جس کی وجہ سے بہت سے سادہ دل عرب قرآن سننے اور پڑھنے کی طرف مائل نہیں ہورہے تھے، لہٰذا ضرورت تھی کہ سب سے پہلے اسی پہلو پر زور دیا جائے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے چنانچہ آپ نے دیکھا کہ قرآن کریم کی چھبیس سورتوں میں جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں اُسی پر زور دیا گیا ہے اور آیات تحدّی کے علاوہ بھی متعدد مقامات پر قرآن کی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔ مثلاً:

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ وَ سَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ٥
(الزخرف : ۴۴)

اور قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے بے شک بڑے شرف کی چیز ہے اور عنقریب تم سب پوچھے جاؤ گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِىْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ٥
(الحجر : ۸۷)

اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو (نماز میں) مکرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآنِ عظیم دیا۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ
(الزمر : ۲۳)

اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے، جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے، بار بار دہرائی گئی ہے، جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم (اور منقاد) ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

اور ان آیات کے علاوہ متعدد مقامات پر اس طرح کے اشارے موجود ہیں، اس تحدّی اور تاکید پر کفار قریش نے کیا کہا وہ بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔

لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ

اگر ہم ارادہ کریں تو اس کے برابر

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ٥ ہم بھی کہہ لاویں، یہ تو کچھ بھی نہیں،
(الانفال : ٣١) صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں
سے منقول چلی آرہی ہیں۔

وَقَالُوْا يٰاَيُّهَا الَّذِىْ نُزِّلَ عَلَيْهِ اور ان کفار (مکہ) نے یوں کہا کہ
الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ٥ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا
(الحجر : ٦) گیا ہے تم مجنوں ہو۔

قرآن پر ایمان لانے والوں سے کہا کرتے تھے۔

اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ٥ تو کیا تم پھر بھی جادو کی بات سننے
(ان کے پاس) جاؤ گے، حالانکہ تم
(الأنبياء : ٣) سوجھ بوجھ رکھتے ہو۔

أَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ٥ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانہ
کی وجہ سے چھوڑ دیں گے؟
(الصافات : ٣٦)

خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ قرآنِ کریم جب نازل ہوا تو اس کے مخاطب دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو سُن کر ایمان لائے، جیسے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ، جن کے ایمان لانے کا واقعہ اس کتاب کی تمہید میں نقل کیا جا چکا، دوسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے قرآنِ کریم کو کاہنوں کے کلام کی نقل کہا، یا شاعری سمجھی، یا مجنونانہ بات کہی۔ اُن کے الزامات اور ملحدانہ اتہامات سے بھی ایک بات کھل کر سامنے آئی کہ انہوں نے قرآن کو خواہ منزّل من اللہ تسلیم نہ کیا ہو مگر اس کو ایک پُر تاثیر کلام

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مانا جو دل کے تار ہلا دے اور ذہن و وجدان کو جھنجھوڑ دے۔

کفار کے پروپیگنڈوں میں سب سے زیادہ طاقت کے ساتھ ایک بات کہی گئی اور جس کو وہ بار بار دہراتے رہے اور جس کو بہانہ بنا کر دوسرے قبائل کو اسلام سے روکتے رہے، وہ سحر بیانی کا الزام ہے، اس لئے ہم پہلے اُسی بات کی وضاحت کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ سحر اور وحی میں کیا فرق ہے۔

معجزہ اور سحر میں فرق

کچھ لوگوں نے قرآنِ کریم کو وحی نہیں مانا اور رسول اللہ ﷺ کی من گڑھت بات بھی نہیں مانی، کیوں کہ آنحضرت ﷺ اُمّی تھے اور آپ کے اُمّی ہونے کو کسی نے چھپایا بھی نہیں قرآن نے خود آپ ﷺ کو اس لقب سے یاد کیا۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ۔	جو لوگ کہ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

(الأعراف : ۱۵۷)

اور جہاں حضرت موسیٰ کے بعض معجزات کو یاد دلایا ہے اسی ضمن میں آپ کا اُمّی ہونا بھی مذکور ہے، لہٰذا ایک اُمی کی زبان سے زمین و آسمان کے حقائق بتانا، حلال و حرام کے احکام سے مطلع کرنا، اپنی جگہ خود ایک معجزہ ہے اور معجزوں کی بنیاد ہے۔ چنانچہ کفار نے قرآن کا انکار کیا اور بار بار اس کو سحر (جادو) سے تعبیر کیا۔ اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ سحر اور وحی کے درمیان فرق کو واضح

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کیا جائے، سحر (جادو) اور وحی میں فرق یہ ہے کہ جادو میں کوئی شئی بدلتی نہیں ہے بلکہ دیکھنے والوں کی نگاہ بدل جاتی ہے سحر میں ایک مردہ کو جادو کے زور پر زندہ دکھایا جاتا ہے، مگر وہ درحقیقت زندہ نہیں ہوتا بلکہ دیکھنے والوں کی نظر بندی ہوجاتی ہے، وہ اس کو زندہ دیکھتے ہیں حالانکہ وہ زندہ نہیں ہوتا۔

حضرت موسیٰ کے واقعہ میں یہ مذکور ہے کہ جب فرعون کے بلائے ہوئے ساحر گاؤں گاؤں سے آکر اکٹھا ہوئے اور حضرت موسیٰ کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں آئے تو انہوں نے اپنی رسیاں ڈالیں اور لوگوں کی ''نظر بندی'' کردی، اور دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوا کہ یہ رسیاں نہیں، سانپ ہیں۔

قَالَ أَلۡقُوۡا ، فَلَمَّا أَلۡقَوۡا سَحَرُوۡا أَعۡيُنَ النَّاسِ وَاسۡتَرۡهَبُوۡهُمۡ وَجَآءُوۡا بِسِحۡرٍ عَظِيۡمٍO (الاعراف: ۱۱۶)

(حضرت موسیٰ نے) فرمایا کہ (پہلے) تم ہی ڈالو، جب انہوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کردی اور ان پر ہیبت غالب کردی اور ایک (طرح کا) بڑا جادو دکھلایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ''جادو'' نظر بندی کا نام ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ جادو کے ذریعہ کوئی رسّی یا ڈنڈا سچ مچ کا سانپ بن جائے اور ہمیشہ سانپ رہے، یا کوئی مردہ زندہ ہوجائے اور ہمیشہ زندہ رہے، جادو ایک وقتی عمل ہوتا ہے، ایک کرتب اور تماشہ ہے مگر ''معجزہ'' میں حقیقت اشیاء بدل جاتی ہے آپ اُسی واقعہ میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے، جادو اور معجزہ کا فرق دیکھ سکتے ہیں۔

جادوگروں نے جب اپنا کرتب دکھالیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ڈنڈا (عصا) میدان میں پھینکا، وہ اژدہا بن گیا، تو واقعی اژدہا بن گیا اور جادو

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

گروں کی رسیوں کو نگلنے لگا، یہ دیکھ کر جادوگر ایمان لائے اور سمجھ گئے کہ یہ نظر بندی اور جادو نہیں ہے کیوں کہ وہ ساحر جیسے بھی رہے ہوں مگر ”صاحبِ فن“ تھے، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ سحر نہیں، اور یقین کر لیا کہ یہ معجزہ ہے، اور جس طرح فرعون کی طرف سے بڑا بڑا لالچ دیئے جانے پر حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں آئے تھے، آخر میں فرعون کی طرف سے بڑی سے بڑی دھمکیوں کے باوجود ایمان پر قائم رہے۔ یہ عبرت ناک واقعہ قرآنِ کریم میں پڑھئے۔

وَ اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ، فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَايَأْفِكُوْنَ ، فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ، فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ، وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ، قَالُوْآ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ० قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ، اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ، لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ० قَالُوْآ

اور ہم نے موسیٰ کو (وحی کے ذریعہ) حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے (سو عصا کا ڈالنا تھا اس نے اچانک (اژدھا بن کر) ان کے سارے بنے بنائے کھیل کو نگلنا شروع کیا، پس اس وقت حق (کا حق ہونا) ظاہر ہو گیا، اور انہوں نے جو کچھ بنایا تھا، سب آتا جاتا رہا پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہوئے۔ اور جو ساحر تھے سجدہ میں گر گئے (اور پکار پکار کر) کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا بھی رب ہے۔ فرعون کہنے لگا: کہ ہاں تم اس پر (یعنی موسیٰ پر)

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ،

(الاعراف : ۱۱۷-۱۲۵)

ایمان لائے ہو، بدون اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں ، بیشک یہ ایک کاروائی تھی جس پر تمہارا عمل درآمد ہوا ہے، اس شہر میں تاکہ تم سب اس (شہر) کے رہنے والوں کو اس سے باہر نکال دو، سو (بہتر ہے) اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا ، پھر تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا ، انہوں نے جواب دیا (کچھ پرواہ نہیں) ہم مرکر اپنے مالک ہی کے پاس جائیں گے۔

معجزہ کی عمر اور اس کا دائرۂ کار

انبیاء کرام کو جو معجزے دیئے گئے اُن کی متعدد شکلیں ہیں، اور ہر شکل میں اللہ کی بہت سی مصلحتیں پوشیدہ ہیں، جس پیغمبر سے جتنا کام لینا تھا اور جتنے عرصہ کے لئے کام لینا تھا ویسا ہی اس کو معجزہ دیا گیا۔

معجزہ کی ایک شکل یہ تھی کہ کوئی انہونی یا محیر العقل چیز پہلے سے نہیں دی گئی بلکہ پیغمبر کو حکم دیا گیا کہ بستی یا اپنی برادری کے لوگوں کو اللہ کے حکم سے آگاہ کر دے، طاعت کے اجر اور معصیت کی سزا سے باخبر کر دے، اگر وہ مان جائیں تو

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ان پر سے عذاب ٹل جائے گا ورنہ سب یکبارگی ہلاک کر دیئے جائیں گے، حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے اُن کی بات مان لی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو عذاب سے بچالیا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ	تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان
فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ	لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا،
يُوْنُسَ ۝ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا	ہاں یونسؑ کی قوم ایمان لائی تو ہم نے
عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِى الْحَيٰوةِ	دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب
الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝	دور کر دیا اور ایک مدت تک (فوائد
(یونس: ۹۸)	دنیاوی سے) ان کو بہرہ مند رکھا۔

مگر حضرت صالح، حضرت شعیب، حضرت لوط علیہم السلام کی قوموں نے اپنے پیغمبروں کی بات نہیں سنی بلکہ ڈھٹائی پر اتر آئے اور الٹے نبی ہی کو چیلنج کرنے لگے۔

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ	تم اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں
الصّٰدِقِيْنَ ۝	ڈراتے ہو اسے لے آؤ۔
(الاعراف: ۷۰)	

ان اقوام پر پیغمبروں کی صداقت اس طرح ثابت ہوگئی کہ ان کو کفر و معصیت کی سزا مل گئی اور وہ ہلاک کر دی گئیں، اور ہلاکت کا ذریعہ ایسے عذاب کو بنایا گیا جس کی طرف ان کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ ایک کو زلزلہ کے ذریعہ تو دوسرے کو پتھراؤ (پتھروں کی بارش) کر کے اور کسی کو سیلاب اور طوفان کے ذریعہ ہلاک کیا گیا۔

اس قسم کے معجزوں سے فائدہ ان بستی والوں کو ہوا جو عذاب سے محفوظ تھے، ان کے لئے یہ عبرت کی بات ہوئی اور نظر آ گیا کہ اگر اللہ کے نبی کی بات نہ سنی تو یہی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نتیجہ سامنے آئے گا، دوسری نوعیت یہ ہے کہ وہ قومیں جن میں خدا کا خوف تو تھا ہی نہیں، اس کے ساتھ ان کے اندر بعض معصیتیں بھی جڑ پکڑ چکی تھیں کہ ان کا علاج یہی تھا کہ ان کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کے عدل وحکمت کا یہ بھی تقاضا تھا کہ ان کو ایک مہلت دے دی جائے اور اتمامِ حجّت کے لئے پیغمبر مبعوث کئے جائیں اگر وہ اصلاحِ حال پر راضی ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہی سے بچالیا کیوں کہ

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ — اور تمہارا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

(حٰمٓ السجدة : ۴۶)

اور اگر اپنی ضد اور عناد پر اڑے رہے تو اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے کہ وہ ایک قوم کو تباہ کر کے اس کی جگہ دوسری قوم کو بسا دیتا ہے جو تباہ ہونے والوں کے جیسے بے دین نہیں ہوتے۔

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ أَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ، وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ، ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْآ اَمْثَالَكُمْ٥ — اور خدا بے نیاز ہے اور تم محتاج، اور اگر تم منہ پھیرو گے تو تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا، اور وہ تمہاری طرح (معصیت اور نافرمانی پر مصر) نہیں ہوں گے۔

(محمّد : ۳۸)

لہٰذا ان قوموں کے لئے پیغمبر کا معجزہ پیغمبر کی صداقت کا اظہار ہے، اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ ان انبیائے کرام علیہم السلام کا دائرہ کار مختصر تھا، صرف ایک بستی یا ایک قبیلہ کے لوگ ان کی امّتِ دعوت تھے۔ اور عرصۂ کار بھی طویل نہیں تھا، چند برسوں کے اندر سب کچھ دنیا دیکھ لیتی تھی، پیغمبر نے دعوت دی اگر قوم نے قبول کر لیا تو عافیت دنیا ملی اور عاقبت کے بخیر ہونے کی خوش

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئیا بـ CamScanner

خبری مل گئی اور اگر انکار کیا تو اس کی پاداش میں ان کو ہلاک کر دیا گیا، البتہ حضرت نوح علیہ السلام کی امت کو دعوت کا زیادہ عرصہ ملا یعنی ساڑھے نو سو برس تک وہ زندہ رہے اور دعوت بھی ہر طرح سے اور ہر اسلوب سے دی گئی جس کا ذکر سورۂ نوح میں ہے، لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے بعد یہ پہلے پیغمبر تھے اور انسان حجری دور (Stone age) سے اس وقت تک باہر نہیں نکلا تھا، لیکن ان پیغمبروں کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور آتا ہے، ان کے دو بڑے معجزوں (عصا کے اژدھا بن جانے اور کفِ دست کا ایک شفاف آئینہ کی طرح چمکنے) کا ذکر تو بار بار آیا ہے، اس کے علاوہ بھی سات معجزے عطا ہوئے تھے جن کا مجموعہ نو (۹) ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ — اور بلا شبہ ہم نے موسیٰ کو نو (۹) واضح نشانیاں دیں۔

(الاسراء: ۱۰۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآنِ کریم میں دوسرے پیغمبروں کی بہ نسبت زیادہ آیا ہے۔ کیوں کہ ان کا مقابلہ وقت کے سب سے بڑے حکمراں سے تھا جو اپنے تئیں خود خدا ہونے کا دعویدار تھا۔

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى — تو اس نے کہا میں تمہارا سب سے بڑا مالک ہوں۔

(النازعات: ۲۴)

دوسرا مقابلہ وقت کے سب سے بڑے سرمایہ دار سے تھا، عصرِ حاضر کی تعبیر میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں اس وقت کے سب سے بڑے نظامِ سرمایہ داری کو بھی انجام کار کی خرابی سے آگاہ کرنا تھا کیوں کہ انجام سے بے خبر عوام دولت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ٥

(قصص : ۷۹)

تو ایک روز قارون (بڑی) آرائش (اور ٹھاٹھ) سے اپنی قوم کے سامنے نکلا، جو لوگ دنیا کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا (مال ومتاع) قارون کو ملا ہے کاش ایسا (ہی) ہمیں بھی ملے وہ تو بڑا صاحبِ نصیب ہے۔

ان سب مقابلوں سے بڑا سخت مرحلہ بنی اسرائیل کو پستی سے ابھارنا تھا، وہ سب فرعونی طاقت کے آگے بے بس غلام تھے اور غلامی کے اس درجہ خوگر ہو چکے تھے کہ ماں باپ کے سامنے ایک نوزائیدہ بچہ کو فرعونی سپاہی چیر کر دریا میں پھینک دیتا اور وہ اُف نہیں کر سکتے تھے پانچ برس کے بچے سے لے کر اسّی سالہ بوڑھے تک مزدوری کرنے پر مجبور کیے جاتے تھے۔

پھر ان کے اندر اخلاقی انارکی، کام چوری، شر پسندی، آپس کے اختلافات، علماء کی طرف سے ان کی جہالت کا استحصال بھی عام تھا، ایسی قوم کو اٹھانا، اور صدیوں کا بگاڑ دور کرنا آسان کام نہ تھا، عراق کے بالائی حصے (جسکو Mesopotamia کہا جاتا ہے) سے لے کر بیت المقدس تک ان کی کار کردگی کا میدان تھا اس لئے ان کو معجزات بھی اسی طرح کے دیئے گئے، اور ایک کے بعد دوسرا معجزہ دکھایا گیا، ''عصا'' اور ''ید بیضاء'' یہ دونوں معجزے تو اسی لمحہ عطا کئے گئے جس لمحہ ان کو نبوت و رسالت سے سرفراز کیا گیا، اور یہی دو معجزے تھے جسے لے کر وہ فرعونِ وقت (۱) کے ایوانِ شاہی میں گئے اور اس کی آنکھوں میں

(۱) ''فرعون'' کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں تھا بلکہ مصر کے قبطیوں میں جو بادشاہ ہوتا اس کا لقب فرعون ہوتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں جو ''فرعون'' تخت نشیں تھا اس کا نام رمسیس ثانی Ramsis II تھا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

آنکھیں ڈال کر پوری قوت وشجاعت کے ساتھ اس کو ایمان کی دعوت دی، فرعون نے اس معجزہ کو سحر سمجھا، ان دو معجزوں کے علاوہ جو معجزات دیئے گئے ان کی نوعیت تکلیف پہونچا کر چونکانے کی تھی، ان کے ذریعہ فرعون کی اتباع کرنے والوں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی گئی، ہوتا یہ تھا کہ جب کوئی مصیبت ان کے سر آجاتی تو بلبلا نے لگتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے عذاب ٹلنے لگتا تو پھر اپنی ڈھٹائی پر اتر آتے، اور صاف انکار کر دیتے۔

ان کو قحط کی مصیبت میں گرفتار کیا گیا وہ اس طرح کہ نیل کا پانی خشک ہوگیا یا اتنا کم ہوگیا کہ ان کی کھیتیاں جل کر خاک ہوگئیں اور غلہ کی پیداوار نہیں ہوئی تو قحط پڑ گیا، چونکہ قحط کا سال یاد رکھا جاتا ہے اور اس کو تاریخ کا موڑ سمجھا جاتا ہے اور لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ واقعہ قحط کے سال ہوا تھا یا فلاں شخص قحط کے دو سال بعد پیدا ہوا، اس لئے قحط کا نام سنون رسنین پڑ گیا۔ (سنۃ کی جمع) اس قحط کے نتیجے میں پیداوار کم ہوئی، مال میں کمی آئی، لوگ بھوکوں مرنے لگے جس کی وجہ سے ان کی تعداد کم ہوگئی۔ ان تینوں کو علیٰحدہ علیٰحدہ بھی بتایا گیا ہے، اس لئے مفسّرین نے ان کو تین معجزے قرار دیا ہے (قحط، نقصِ مال، نقصِ ثمرات)

فرعون والوں پر ایک عذاب ''طوفان'' کی شکل میں مسلط کیا گیا، مفسّرین نے اس کی متعین تاریخ اور نوعیت کا ذکر نہیں کیا ہے، البتہ قاضی بیضاوی نے ایک اسرائیلی روایت کو تسلیم کیا ہے کہ یہ بھی نیل ہی کی طغیانی کی وجہ سے آیا تھا، اور جب کھیتوں کو پانی کی ضرورت تھی اس وقت نیل خشک ہو جاتا، اور جب کسی طرح کھیتی تیار ہوتی تو سیلاب اور طوفان سے اس کو تباہ کر دیا جاتا۔

تیسرا عذاب یہ آیا کہ ٹڈی دل (الجراد) اتنے بڑھ گئے کہ درختوں

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کے سارے پھل اور میوے برباد ہو گئے۔

چوتھا عذاب یہ آیا کہ کھٹمل (القُمّل) لاتعداد پیدا ہونے لگے۔ تفسیر خازن نے قُمّل کا ترجمہ "بستر میں پیدا ہونے والے کیڑے" کیا ہے، مگر ابن جریر اور آلوسی نے اس کا ترجمہ غلہ میں پیدا ہونے والے گھن سے کیا ہے یہ زیادہ قرینِ قیاس ہے۔

پانچواں عذاب یہ آیا کہ مینڈک کثرت سے پیدا ہونے لگے، زمین سے گویا ابل رہے تھے، روٹی کے تنور بناتے تو اس میں مینڈک، راستہ چلتے تو پیروں کے نیچے اور پیروں کے اوپر مینڈک، جہاں غلّہ رکھتے وہاں مینڈک پیروں میں جیسے چڑھے جا رہے ہیں، وہاں سے ان کو ہٹایا تو ایسا لگا کہ گردن پر کلبلا رہے ہیں، وہاں ہاتھ رکھا تو جیسے کانوں میں گھسے جا رہے ہیں۔

چھٹا عذاب دریائے نیل کا خون سے رنگین ہو جانا تھا، اب پانی کے بجائے ان کو خون مل رہا تھا، خون پئیں، خون سے طہارت کریں، خون سے آٹا گوندھیں۔

ساتواں معجزہ دریائے نیل کو حضرت موسیٰ کے لئے پھاڑ کر راستہ دینا۔

لہٰذا عصا اور یدِ بیضا کو ملا کر اس طرح یہ نو معجزے ہوئے۔ قرآنِ کریم میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ	اور ہم نے فرعون والوں کو مبتلا کیا
بِالسِّنِيْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ	قحط سالی میں اور پھلوں کی کم پیداواری
الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ، فَاِذَا	میں تاکہ وہ (حق بات کو) سمجھ
جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا	جاویں سو جب ان پر خوشحالی آجاتی
هٰذِهٖ، وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ	تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہونا ہی
يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ	چاہئے اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ، وَ قَالُوْا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ، فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ٥

(الاعراف : ۱۳۰-۱۳۳)

تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے یاد رکھو، کہ ان کی نحوست اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے تھے۔ اور (یوں) کہتے تھے (خواہ) کیسی ہی عجیب بات ہمارے سامنے لاؤ، کہ اس کے ذریعہ سے ہم پر جادو چلاؤ (جب بھی) ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔ پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں، اور گھن کا کیڑا، اور مینڈک اور خون، کہ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے، سو وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ کچھ تھے ہی جرائم پیشہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر سورہ اعراف کے علاوہ سورہ اسراء (آیت:۱۰۱) سورہ طٰہٰ (آیت:۵۶) سورہ نمل (آیت:۱۳،۱۴) سورہ قصص (آیت ۳۶،۳۷) سورہ زخرف (آیت ۴۸،۵۰) سورہ قمر (۴۱،۴۲) سورہ نازعات (۲۰،۲۱) میں مذکور ہے۔

چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو معجزات کثرت سے دیئے گئے اور ان کا سابقہ بھی ایسی ہی قوم سے تھا کہ جب تک عذاب ان کے سر مسلط رہتا ٹھیک رہتے اور جیسے ہی عذاب ٹلتا ''اذاھم ینکثون''(۱) یکبارگی ایسا پلٹ جاتے جیسے کبھی ان پر مصیبت پڑی ہی نہ تھی۔

(۱) ''ینکثون'' کے لفظی معنی ہیں کسی عہد کو توڑ کر پھر اپنی جگہ واپس آجانا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اسی طرح حضرت عُزیر علیہ السلام کو اور ان کے ذریعہ ان کی امت کو بعث بعد الموت کا ہلکا سا مشاہدہ کرانے کے لئے ایک نقضِ عادت کا مشاہدہ کرایا گیا کہ ایک سو سال پہلے کے مرے ہوئے آدمی کو اس طرح زندہ دکھایا گیا کہ اس کا کھانا پانی بھی باسی نہیں ہوا تھا، اس کی سواری (حمار) بھی اسی طرح تھی، جس طرح سو سال پہلے تھی۔

ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا گیا کہ چار پرند کو ذبح کر کے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرو اور ہر ایک کا ٹکڑا پہاڑوں پر پھینک دو پھر ان کو آواز دو وہ پرند دوڑتے چلے آئیں گے لیکن اس کی محاکات جس طرح پیش کی گئی ہے اس کا مقصد ان کی قوم کو دوبارہ زندگی کا قائل کرنا تھا اور ان کا دائرۂ کار بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دائرہ کار سے اور عرصہ نبوت ان کے عرصہ ٔ نبوت سے بڑھا ہوا تھا حاصلِ کلام یہ کہ معجزات کو سامنے رکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ جس نبی سے جتنا کام لینا تھا اسی وزن اور اہمیت کا معجزہ دیا گیا۔

جن معجزات کا اوپر ذکر ہوا اور جو انبیاء کرام سلام اللہ علیہم کو اس لئے عطا کئے گئے کہ وہ اپنی قوم کے سامنے اپنے رسولِ صادق ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کریں۔ان کے اندر ایک مشترک بات یہ ہے کہ نبوت جتنے عرصہ کے لئے دی گئی اور جتنے مکانی وزمانی حصوں پر محیط رہی معجزے بھی اس دائرہ زمانی ومکانی کو اپنے احاطہ میں لئے رہے۔رسول اللہ ﷺ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا قلم رو، اتنا وسیع تھا کہ ان کو نو قسم کے معجزے دیئے گئے اور بعض انبیاء کا عرصۂ نبوت مختصر تھا انہوں نے اپنی زندگی میں معجزہ اور اس کے اثرات دونوں دیکھ لئے۔

وہ معجزے جو وقوع پذیر ہونے سے پہلے انبیاء کی بات پر تسلیم کر لئے گئے اور قوم آزمائش سے محفوظ رہی۔ جیسے حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو آگاہ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کیا کہ اگر تم نے پیغامِ حق کو قبول نہیں کیا تو تم پر عذاب آئے گا، ان کی قوم نے اپنے پیغمبر کی بات پر یقین کر لیا اور عذاب سے محفوظ رہی، یہ بھی ایک معجزہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ۔

(یونس۔ ۹۸)

چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا اس کو نافع ہوتا ہاں مگر یونس (علیہ السلام) کی قوم جب وہ ایمان لائے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر سے ٹال دیا، اور ان کو ایک وقت خاص (یعنی موت) تک (خیر و خوبی کے ساتھ) عیش دیا۔

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معجزے دیئے گئے ان میں ایک حصہ ان معجزات کا ہے جو آپ کی حیاتِ طیّبہ میں دکھلائے گئے جیسے معجزہ ''شق القمر'' ''تکثیر طعام'' ''ایسی جگہ سے پانی کا برآمد ہونا جہاں پانی ہونے کی کوئی امید نہ ہو'' ''کنکریوں کا دست مبارک میں آ کر ذکر کرنا''۔

یہ سب معجزات اس وقت تک کے لئے قابلِ حُجت تھے جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں رہنا تھا۔ معجزے کی دوسری نوعیت جو اہم اور اس کتاب کا موضوع ہے وہ قرآن کریم کا معجزہ ہے جو نزول کے وقت سے ابتک قائم ہے، اور تا قیامت رہے گا، چونکہ آپ کا عرصۂ نبوت قیامت تک کے لئے اور دنیا کے ہر خطے کے لئے ہے اور ان تمام لوگوں کے لئے ہے جو خواہ کوئی زبان بولتے ہوں، اس لئے قرآن کا معجزہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا جو سدا بہار، ہر لحظہ پائیدار اور جس کے فضائل اور لسانی و معنوی خوبیاں انمٹ اور ہمیشہ یکساں باقی رہنے والی ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

معجزاتِ قرآن، ماضی کی خبریں، پیشین گوئیاں

قرآن کریم کی بلاغت اور اس کا حسنِ بیان اور اسلوب کا نا قابلِ تقلید جمال وجلال سب سے بڑا معجزہ قرار دیا گیا ہے، اس کے علاوہ قرآنی پیشین گوئیاں، ماضی کے قصے اور واقعات بیان کرنا بھی معجزہ ہے، قرآن نے ماضی اور مستقبل دونوں میں پیش آنے والے حالات کی صحیح تصویر بندوں کو دکھادی، اور جہاں تک ''حال'' کا تعلق ہے اس سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے، اور تینوں زمانے قرآن کریم کی نگاہ میں یکساں ہیں اگرچہ بعض معترضین نے جن میں خود معتزلہ بھی ہیں یہ کہتے ہیں کہ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات جب سامنے آگئے تو معجزہ بنے لیکن ان کے پیش آنے سے پہلے ان کو معجزہ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے ہاں ان کو قرآن کی عظمت ظاہر کرنے کا ایک ذریعہ کہہ سکتے ہیں، واضح رہے کہ قرآن نے پیش آنے والے واقعات کو جو پہلے کسی زمانے میں پیش آچکے ان کو ''غیب'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے بہر حال غیب کا علم ازروئے قرآن ''معجزہ'' ہے۔

قرآن نے پہلے تو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا اور اس درجہ طاقتور انداز میں متوجہ کیا کہ یہ چیلنج بن گیا، اس کے بعد متفرق انداز میں ماضی میں جو واقعات پیش آچکے ہیں ان کی صحیح تصویر پیش کی جو قرآن سے پہلے کسی آسمانی کتاب میں اس درجہ جچے تلے الفاظ میں بیان نہیں کئے گئے تھے، ضرورت سے نہ ایک لفظ کم اور نہ زیادہ، اور نہ غیر متعلق بات جس سے ہدایت وارشاد اور عبرت بخشی کا کام نہ لیا جاسکتا ہو۔

• ہر شخص اتنا تو جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے، آپؐ نے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا، کسی مدرسہ میں داخل نہیں ہوئے تھے اور نہ کسی کے آگے زانوئے تلمذ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تہ کیا تھا، لیکن آپؐ پر جو کتاب نازل کی گئی اس میں ان لوگوں کے واقعات ہیں جو نہ آپؐ نے دیکھے تھے، اور نہ سنے تھے قرآن کریم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَ مَاكُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ يَمْكُرُوْنَ○ (یوسف : ۱۰۲)	(اے محمدؐ) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کے ذریعہ آپ کو بتلاتے ہیں اور آپ ان (برادران یوسف) کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جبکہ انہوں نے اپنا پختہ ارادہ کر لیا تھا اور وہ تدبیریں کررہے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیغمبر سے جو سلوک کیا اس کو بیان کرنے کے بعد فرمایا۔

تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَاكُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (ھود : ۴۹)	یہ قصہ منجملہ اخبار غیب کے ہے جس کو ہم وحی کے ذریعہ سے آپ کو پہنچاتے ہیں اس کے قبل نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، پس صبر کیجئے انجام کار کی خوبیاں صرف پرہیزگاروں کے لئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن کریم میں متعدد سورتوں میں بیان کیا گیا ہے اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا ہے۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ	اور آپ (طور کی) مغربی جانب میں

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَ مَاكُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ o
(القصص : ۴۴)

موجود نہ تھے جب کہ ہم نے موسیٰؑ کو احکام دیئے اور (وہاں خاص تو کیا موجود ہوتے) آپ (تو) ان لوگوں میں سے (بھی) نہ تھے جو (اس زمانہ میں) موجود تھے۔

اس معجزہ کو ہر زمانہ میں اور ہر جگہ کے لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن کریم میں پچھلی قوموں کے جو واقعات بیان کئے ہیں وہ آپ ﷺ کی زبان سے اس طرح بیان کرائے گئے جیسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں، اور جن لوگوں کا مطالعہ وسیع ہے اور جنھوں نے تورات وانجیل میں یہ واقعات پڑھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ آسمانی کتابوں میں جو تحریف شدہ ہیں، اور جن میں تفسیری اقوال اصل متن سے مل گئے ہیں ان میں یہ واقعات ایک طولانی کہانیوں کی طرح بیان کئے گئے ہیں۔ اور اسی تفصیلات میں جن کی کوئی ضرورت نہ تھی جن میں نہ عبرت کا سامان ہے، اور نہ اللہ کی سنت تکوینی کا بیان ہے، اور نہ دعوت کی روح ہے۔ اور قرآن کریم میں ان واقعات کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ایک لفظ ضرورت سے زیادہ نہیں ہے، اور واقعہ کی تصویر اپنی جگہ قائم ہے اور ان قصوں میں عبرت کا سامان ہے، پیغمبرِ وقت کی دعوت سے منھ موڑنے والوں کے انجام کا ذکر ہے، تاکہ لوگ ان کے طریق کار کا اعادہ نہ کریں، قرآن کریم نے اس حقیقت کو معجزہ قرار دیا ہے (۱)

اسی طرح قرآن کی پیشین گوئیاں ہیں، جو حرف بحرف ثابت ہوئیں جیسے۔:

الف۔ روم اہلِ فارس پر غالب آجائیں گے:

(۱) قرآن کریم میں جو قصے انبیائے سابقین علیہم السلام کے ذکر کئے گئے ہیں اور دوسری آسمانی کتابوں میں یہی قصے بیان کئے گئے ہیں دونوں میں جو فرق ہے اس کو مولانا عبدالماجد دریابادیؒ مفسرِ قرآن نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ۝ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ۝ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ ۝

(الروم: ۱-۳)

اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب (تین سال سے لے کر نو سال کے اندر) غالب آجائیں گے۔

اور تاریخ سے ثابت ہے کہ اس آیت کے نزول سے ٹھیک ساتویں سال روم اہل فارس پر غالب آ گئے۔

ب۔ تمام اہلِ ایمان جو مکہ مکرمہ سے معذوری کی حالت میں اور کفار کے جبر و قہر سے تنگ آ کر گھر سے بے گھر ہو گئے تھے وہ پھر امن و سلامتی کی سرزمین میں واپس آئیں گے:

اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ

(القصص: ۸۵)

جس خدا نے آپ پر قرآن (احکام پر عمل اور اس کی تبلیغ) کو فرض کیا ہے وہ آپ کو (آپ کے) اصلی وطن (یعنی مکہ) میں پھر پہنچائے گا۔

ج: فتح مکہ کی بشارت:

لَقَدۡ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوۡلَہُ الرُّءۡیَا بِالۡحَقِّ، لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیۡنَ مُحَلِّقِیۡنَ رُءُوۡسَکُمۡ وَ مُقَصِّرِیۡنَ لَا تَخَافُوۡنَ

(الفتح: ۲۷)

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا، جو مطابق واقعہ کے ہے، کہ تم لوگ مسجد حرام (یعنی مکہ) میں انشاء اللہ ضرور جاؤ گے امن و امان کے ساتھ، تم میں کوئی سر مونڈتا ہوگا کوئی بال کترواتا ہوگا تم کو کسی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

طرح کا اندیشہ نہ ہوگا۔

فتح مکہ کے روز یہ پیشین گوئی حرف بحرف صادق آئی اب کوئی اسلام کا بڑا سے بڑا معاند اور سخت سے سخت دشمن بھی ہو تو وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا، قرآن کریم کا یہ معجزہ ہر زمانہ کے لئے اور ہر خطہ میں رہنے والے کے لئے قابلِ مشاہدہ ہے۔

ماضی کے واقعات کا ایک آدمی کے زبان سے ادا ہونا ایسا معجزہ ہے جس کا ترجمہ پڑھ کر بھی ہر انسان عقلاً مجبور ہو کر اس کو معجزہ مانے گا، معجزہ کے علاوہ کسی اور لفظ سے اس کا تعارف نہیں کرایا جا سکتا، اسی طرح قرآن کی دوسری پیشین گوئیاں جو کہ آخرت سے متعلق ہیں وہ بھی حرف بحرف صادق آئیں گی۔

مذکورہ بالا آیات میں قرآن کریم کے اعجازِ بیانی کا پہلو نمایاں کیا گیا ہے کہ پچھلی امتوں اور ان کے انبیاء وصالحین کے ساتھ جو پیش آیا اس کو قرآن نے حرف بحرف بتا دیا، حالاں کہ نبی کریم ﷺ ''امّی'' تھے، ان واقعات کو کہیں پڑھ کر نہیں معلوم کیا تھا، جن لوگوں سے سُن سکتے تھے وہ خود ناواقف اور سُنی سنائی باتوں پر یقین رکھنے والے، یا ایسے عالم جن کا آخری وقت تھا، جیسے: حضرت ورقہ بن نوفل یا بحیرہ راہب، اور آپ ﷺ کی عمر شریف بھی ان تاریخی اور علمی باتوں کو گرفت میں لینے کی نہیں تھی اور ملاقاتیں بھی مختصر ترین ساعت کے لئے ہوئی تھیں ان چند لمحات میں سارے جہاں کا قصہ کہہ دینا تمام دنیا و آخرت کے راز سمجھا دینا، ہدایت اور رہنمائی کے اصول دل و دماغ میں اتار دینا انسانی بس کی بات نہ تھی، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا مظہر تھا اور رسول ﷺ کے اندر جو روحِ نبوت ودیعت فرمائی گئی تھی اس کا کرشمہ تھا۔

بعض یہود اور منافقوں نے یہ مشہور کیا کہ قرآن میں جو واقعات بتائے گئے

CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ
toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں وہ سب سنے سنائے افسانے ہیں، مکہ مکرمہ میں ایک شخص جو نسلاً یہودی تھا اس طرح کے قصے سنایا کرتا تھا، اس کو محمد ﷺ نے اخذ کیا اور وحی کہہ کر لوگوں کو دھوکہ میں ڈالا۔

سوال یہ ہے کہ اگر اس افواہ کی کوئی ذرہ برابر بھی حقیقت تھی تو اہل مکہ نے کیوں نہیں دوسروں سے بیان کیا، معاندینِ اسلام نے بتایا ہوتا کہ یہ واقعہ فلاں نے اس طرح بیان کیا ہے، مگر یہاں تو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ایک فرد بھی ایسے شخص کا تعین نہیں کرتا، نہ اس کی مجلسوں کا ذکر کرتا نہ اس کی قصہ گوئی کی بات بیان کرتا، اتنی بڑی بڑی جنگیں ہوئیں، اس وقت اہلِ مکہ نے بہت کوشش بھی کی کہ قرآن کی تردید کریں، کتنا آسان تھا قرآن کے چیلنج کا جواب دینا اور دوسرے گواہ پیش کر دینا جو دعویٰ کرتا کہ اس نے یہ قصے فلاں سے ان الفاظ میں سنے تھے۔ اور بحیرہ راہب نے جس وقت آپ ﷺ کو دیکھا اور پیشین گوئی کی کہ یہ لڑکا دنیا کی عظیم شخصیت بننے والا ہے اس وقت بڑی عمر والوں سے وہ مخاطب تھا، ایک کمسن نوجوان سے نہیں اور وہ بھی چند ساعت کے لئے مخاطب تھا!!

معجزات کے عام مشاہدات

ذیل میں معجزۂ قرآن کے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے جن کو ہر شخص ہر زمانے میں سمجھ سکتا ہے اور یہی میری کتاب کا موضوع ہے:

۱۔ نفسیاتِ انسانی کا مکمل جائزہ اور اس کی اندرونی کیفیات کا ذکر مثلاً ارشاد ہے۔

CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ
toobaa-elibrary.blogspot.com

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ○ (العادیات : ۸) انسان مال کی بے پناہ محبت اپنے اندر رکھتا ہے۔

اس آیت میں لفظ ''خیر'' کا مفہوم مختصراً مال لیا ہے، یوں اس لفظ میں عیش وآسودگی کے تمام ذرائع داخل ہیں خواہ دولت ووجاہت کی شکل میں ہوں یا عیش ومسرّت کے مسائل ہوں، یہ دنیا میں آج ہی نہیں بلکہ ابتدائے آفرینش سے آپس کے جھگڑے اور فتنہ وفساد کی بنیاد رہا ہے، کہ ہر شخص وسائل عیش پر قبضہ چاہتا ہے، اس ازلی وابدی انسانی سرشت کی نقاب کشائی ایک امّی کی زبان سے معجزہ ہے، جس کو اس مختصر اور سادہ انداز بیان میں اس سے پہلے کسی حکیم، دانا، ماہر علوم سماویہ نے نہیں کیا اور جو بات علم النفس کے ماہرین آج کئی جلدوں میں لکھ کر شائع نہ کر سکے وہ دو بول میں قرآن نے بتا دیا۔

یہ آیت جس کا اوپر ذکر ہوا کہ انسان مال کی محبت میں دیوانہ ہوتا ہے تو اس میں قرآنی لفظ ہے ''شدید'' کا، یعنی اس کے اندر وسائل راحت کی طلب بہت سخت ہوتی ہے، یہ آیت جس سورہ کا جز ہے وہ چھوٹی سی سورۃ ''والعادیات'' ہے، اس کے اندر انسان کو شرم دلائی گئی ہے کہ تم اپنے خالق اور پروردگار کے اس درجہ بھی شکر گذار نہیں ہو جس قدر کہ ایک گھوڑا اپنے پرورش کرنے والے کا وفادار ہوتا ہے، حالانکہ وہ گھوڑے کا مالک اس کا خالق نہیں ہوتا، گھوڑے کو جو چارہ دیا جاتا ہے وہ بھی اللہ کے حکم سے زمین سے اگتا ہے، مگر صرف اتنی سی بات کہ وہ اس کی دیکھ بھال کرتا ہے، چارہ اس کے سامنے لاکر رکھ دیتا ہے، اس کی پیٹھ ملتا ہے، اس کے لئے پانی فراہم کرتا ہے، اسی بنا پر ایک گھوڑا اپنے مالک کا اس درجہ فرماں بردار ہوتا ہے کہ اس کو دوڑائیے تو ہانپتا ہوا دوڑتا رہے گا، یا پتھریلی زمین پر لے جائیے تو چلا جائے گا، خواہ اس کے نعل پتھر سے لگ کر آگ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئیا بـ CamScanner

(چقماق) دینے لگیں، اور دشمنوں کے مجمع میں گھس جائے، اور جہاں تلواریں چل رہی ہیں، جنگ ہو رہی ہے، اس کے بیچوں بیچ آ کر کھڑا ہو جاتا ہے، مگر انسان ہے جو خالق و رازق کا ناشکرا ہے، اور اس کو صرف اپنے وسائلِ آسائش کی شدید طلب ہے، اور اس کو یہ پتہ نہیں کہ ایک وقت آئے گا جب وہ قبر سے اٹھایا جائے گا، اور اس کے سارے اعمال، اس کی دلی کیفیات، سب کھل کر سامنے آ جائیں گی، اور اس روز اس کی حقیقت کو جاننے والا صرف خدا ہوگا، آپ یہ پوری سورہ پڑھیے جس سے قرآن کریم کی معجز بیانی آشکارا ہو جائے گی کہ نفسیات انسانی کا اتنا گہرا مطالعہ اور اس کی طبعی کیفیات کا اس درجہ جچا تلا جائزہ کس کے بس میں تھا جو بیان کر سکے! صرف خدائی کلام کے اندر آپ اس معجزہ کو دیکھ سکتے ہیں جو آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے ایک امّی کی زبان سے خالق دو جہاں نے کہلایا:

وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا، فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا، فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا، فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا، فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا، اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُوْدٌ، وَ اِنَّهُ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ، وَّ اِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ، اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَافِى الْقُبُوْرِ، وَ حُصِّلَ مَافِى الصُّدُوْرِ، اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌo

(العادیات)

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر (پتھر پر) ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں، پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں، پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں، پھر اس وقت (دشمنوں کی) جماعت میں جا گھستے ہیں، بیشک (کافر) آدمی اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ اور اس کو خود بھی اس کی خبر ہے، (کبھی اول وہلہ میں کبھی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بعد تامل) اور وہ مال کی محبت میں
بڑا مضبوط ہے، کیا اس کو اس وقت
معلوم نہیں جب زندہ کئے جاویں گے
جتنے مردے قبروں میں ہیں، اور آشکارا
ہو جائے گا جو کچھ دلوں میں ہے،
بے شک ان کا پروردگار ان کے
حال سے اس روز پورا آگاہ ہے۔

آپ نے دیکھا کہ یہ آیت جس میں کہا گیا ہے کہ گھوڑا میدانِ کارزار کے وسط میں آکر کھڑا ہو جاتا ہے، اور اس کے معاً بعد یہ فرمایا گیا کہ انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے، بظاہر دونوں باتیں بے جوڑ معلوم ہوتی ہیں کہ کہاں گھوڑے کا ذکر کہاں انسان کے ناشکرا ہونے کی بات، لیکن اس کی ایک ہلکی سی تفسیر سن کر آپ کے ذہن میں پورا نقشہ آ گیا ہوگا اور قرآن کریم کے معجزانہ طرز بیان کو ہر اردو داں بھی سمجھ سکتا ہے، یہی طرز بیان ''معجزہ'' ہے، جس کی مثال پیش کرنے سے عرب و عجم قاصر رہے اور اب تک قاصر ہیں۔

اور اسی طرح یہ آیت کریمہ:

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ آيَةً تَعْبَثُوْنَ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ٥

(الشعراء: ۱۲۸-۱۲۹)

کیا تم ہر اونچے مقام پر ایک یادگار
(کے طور پر عمارت) بناتے ہو جس
کو محض فضول (بلا ضرورت) بناتے
ہو اور بڑے بڑے محل بناتے ہو
جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے۔

بتایئے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ پاک میں کہاں بے ضرورت یادگاری عمارتیں

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تھیں؟ دولت مندوں کی عیاشیاں اور کھلنڈرے پن کی حرکتیں اس وقت کہاں تھیں؟ انسان پر جب مال مستی سوار ہوتی ہے تو کیا کیا کرتا ہے۔ اس کو ایک امّی کی زبانِ پاک سے اس طرح ادا کیا گیا ہے جس کی موجودہ دور کا نقشہ عجائبات ''اہرام'' و ''تاج محل'' دیکھنے والے اور زندگی کی حقیقت سے آشنا دردمند تصدیق کرسکتے ہیں۔

۲۔ انسان طبعاً عجلت پسند اور کچے دل کا ہے، ذراسی سہولت مل جائے تو اس پر مارے خوشی کے نشہ کی سی کیفیت چھا جاتی ہے اور ذراسی تکلیف ہو تو گھبرا اٹھتا ہے، سردی ہو تو گرمی کی تمنا کرنے لگتا ہے گرمی ہوتی ہے تو ٹھنڈک کا طالب ہوتا ہے، جتنا اس کو ملتا جاتا ہے اس سے زیادہ کی خواہش رکھتا ہے اور دوسروں کو اپنی عشرت میں شریک نہیں کرنا چاہتا ہے ان رجحانات کی تصویر اس آیت میں ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا، اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا، وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا o (المعارج: ۱۹-۲۱)	انسان فطرتاً کچے دل کا پیدا ہوا ہے جب اس کو تکلیف پہونچتی ہے تو (ضرورت سے زیادہ) گھبرا اٹھتا ہے اور جب فارغ البالی ہوتی ہے تو (حد سے زیادہ) بخل کرنے لگتا ہے۔

۳۔ انسانی نفسیات اور اس کی کشمکش کو قرآن کریم نے جس طرح بیان کیا ہے وہ علم النفس کے بڑے سے بڑے ماہرین نہیں بتا سکتے، ایکسرے کی مشینوں سے ہڈیوں اور آنتوں کے باریک سے باریک اجزاء نظر آجاتے ہیں، مگر فطرت کی تصویر کھینچنا کس کے بس میں ہے؟ آدمی مغرور ہے یا متواضع، اس کی خصلت وعادت کیا ہے؟ اس کے اندر کس درجہ تلون مزاجی ہے اگر اس کی منھ مانگی مراد مل جائے تو کس کس طرح اکڑتا ہے، اپنے کارنامے بیان کرتا ہے اپنی جدوجہد پر ناز کرتا ہے؛

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اور کہتا ہے یہ جو کچھ ہمارا اثاثہ ہے، دولت یا عزت ہے یہ سب میرے خون پسینہ کی کمائی ہے، عقل وذہانت سے ہم نے حاصل کیا ہے، لیکن اگر مصیبت میں گرفتار ہو گیا، کسی حادثہ کا شکار ہو گیا تو بلبلانے لگتا ہے، اور جزع فزع کرنے لگتا ہے، قسمت کو خراب بتاتا ہے، اور خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے بزرگوں اور اہل اللہ سے التماس کرتا ہے کہ وہ دعاء کریں اور پھر جیسے ہی مصیبت سے نجات پاتا ہے اس وقت بھول جاتا ہے کہ اس پر کبھی کوئی افتاد پڑی تھی، اس حقیقت کو قرآن پاک نے انتہائی سادگی اور روزمرہ کی حقیقت کی طرح بیان کیا ہے۔ اس بیان میں قرآن پاک کا اعجازی پہلو صاف نظر آتا ہے کہ اس درجہ باریک بینی کے ساتھ فطرت انسانی کی نقاب کشائی وہی کرسکتا ہے جو فطرت کا خالق ہے، ارشاد ہوتا ہے:

لَا يَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ	آدمی ترقی کی خواہش سے اس کا جی
الْخَيْرِ، وَ اِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ	نہیں بھرتا اور اگر اس کو کوئی تکلیف
فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ، وَّ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ	پہونچتی ہے تو ناامید ہراساں
رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ	ہو جاتا ہے، اور اگر ہم اس کو کسی
مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِیْ وَ مَآ	تکلیف کے بعد جو کہ اس پر واقع
أَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ	ہوئی تھی اپنی مہربانی کا مزہ چکھا
رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّیْٓ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ	دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرے لئے
لَلْحُسْنٰى، فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ	ہونا ہی چاہئے، اور میں قیامت کو
كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا، وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ	آنیوالا نہیں خیال کرتا اور اگر میں
مِنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ، وَّ اِذَآ	اپنے رب کے پاس پہونچایا بھی گیا
اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ	تو میرے لئے اس کے پاس بھی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وَ نَابِجَانِبِهٖ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْدُعَآءٍ عَرِيْضٍ ٥ (حٰمٓ السجدة : ۴۹-۵۱)	بہتری ہے سو ہم ان منکروں کو ان کے (یہ) سب کردار ضرور بتلادیں گے اور ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھادیں گے اور جب ہم آدمی کو نعمت عطا کرتے ہیں تو (ہم سے اور ہمارے احکام سے) منہ موڑ لیتا ہے اور کروٹ پھیر لیتا ہے، اور جب اس کو تکلیف پہونچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے۔

۴۔ زندگی سے انسان کا تعلق، انسانی خواہشات میں تدریجی ارتقاء اور انجام کار کی باریک بینی کی تصویر اس آیت میں ملتی ہے جس پر پوری کائنات کا نظام گردش کر رہا ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ، كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا، وَ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ وَّ مَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ	تم خوب جان لو کہ (آخرت کے مقابلہ میں) دنیوی حیات محض لہو ولعب اور (ایک ظاہری) زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال اور اولاد میں ایک دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے، جیسے مینھ (برستا) ہے کہ اس کی پیداوار (کھیتی) کا شتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

الْغُرُوْرِ ٥ (الحدید: ۲۰)

سو اس کو تو زرد دیکھتا ہے، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت (کی کیفیت یہ ہے کہ اس) میں عذاب شدید ہے، اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے، اور دنیوی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے۔

ان آیات میں بلاغت، زور بیان اور آیات ربّانی کا جاہ و جلال تو ایسا ہے جس کو جاننے اور سمجھنے کے لئے برسہا برس کی عرق ریزی سے زبان پر قدرت رکھنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں، لیکن صرف ترجمہ بھی سن کر اتنا تو اندازہ ہر شخص کر لے گا کہ یہ کسی امّی کی بات نہیں ہوسکتی جو پوری حیات کا آئینہ دکھا دے کہ اے انسان! تیری زندگی کا ابتدائی دور کھیل کود، بے مصرف اور بے مطلب تفریحات میں گذرتا ہے، جوانی آتی ہے تو فیشن کرنے اور اپنے آپ کو حسین و دیدہ زیب بنانے کی فکر ہوتی ہے، اپنے ہم چشموں میں ممتاز ہونے اور اپنی برادری کے نوجوانوں میں اپنے آپ کو زیادہ حسین، خوش مزاج، کامیاب دکھانے کی خواہش ہوتی ہے اور جب جوانی ختم ہوتی ہے تو پھر وجاہت اور مالداری اور اپنے افرادِ خاندان اور افراد کنبہ پر فخر کرنے کا زمانہ آتا ہے، ٹھیک اسی طرح جیسے بارش ہوئی، لہلہاتے ہوئے پودوں نے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور بخشا پھر آخر میں پتیاں زرد ہونے لگیں، ڈالیاں خشک ہوگئیں اور آخر میں ڈنٹھل رہ گیا، ایک پورے انسان کی زندگی کو اس خوبصورتی کے ساتھ اور اس سے زیادہ حسین پیرائے میں اور کم سے کم الفاظ میں کوئی دنیا کی زبان میں ادا کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔

لہلہائے ہوئے پودوں کی طرح بچپن، پھول بن کر شگفتہ ہونے والی جوانی،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اور ڈنٹھل کی شکل میں نمایاں ہونے والا بڑھاپا، اور انجام کار بھی وہی جو ایک کسان کا ہوسکتا ہے یا تو ناکامی اور حسرت، محنتوں کا برباد جانا، اور مستقبل کا خوف کہ کل کیا کھائیں گے، اسی طرح آخرت کا عذاب ہے اور دوسرا رخ یہ ہے کہ کھیتی کامیاب ہوگئی، پھل پھول سے دامن بھر گئے اور نگاہوں کے سامنے ہریالی دلوں کو لبھانے لگی یہ ہے مثال آخرت کی نعمتوں کی۔

انسانی زندگی کی ایک ایسی صاف وشفاف تصویر، ابتداء سے لے کر انتہا تک، مثال بھی ایسی جیسے آفتاب کے سامنے آئینہ رکھ دیا جائے، بغیر عربی جانے ہوئے بھی، بغیر اصول بلاغت سے واقفیت کے، صنائع بدائع کی باریکیوں سے قطعاً بے بہرہ شخص بھی جب اس آیت کا سادہ ترجمہ سنتا ہے تو اس کی انسانی حس سر جھکا دیتی ہے اور ضمیر بشری سجدہ ریز ہو جاتا ہے کہ ''مَاھٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ'' یہ ''انسانی کلام نہیں ہے'' شاید اسی لئے کفار عرب کے دانشوروں نے کہہ ڈالا ''اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ'' یہ ''تو جادو ہے'' جادو! جو دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لئے جاتا ہے۔

۵۔ احکام شریعت کا بیان دیکھئے اور اس کے اس معجزہ کو دیکھئے جہاں عقل انسانی اور قوت بیانی دونوں سپر رکھ دیں، بیان ہوتا ہے اس بات کا کہ مردار، بہتا ہوا خون اور خنزیر حرام ہے، لیکن اگر کوئی مصیبت میں پڑ جائے اور بغیر اس کے زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو کھا سکتا ہے مگر کتنا کھائے پیٹ بھر کر کھائے، آدھا پیٹ کھائے، کوئی مقرر وزن تک اس کو رخصت ہے، اس کو بیان کرنے کے لئے سوچئے، کیا پیمانہ مقرر کیا جائے کہ شراب کی اجازت تو ہے مگر کتنی مقدار میں یا ایک مقررہ مقدار میں استعمال کی اجازت ہے؟ فطرت انسانی یا عادت بد کا تقاضہ تو یہ ہوگا کہ چھوٹ مل ہی گئی ہے ''آج منھ لب ساغر سے لگا دے میرا'' اگر وزن بتایا جائے ایک رطل،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دو رطل، چمچہ، دو چمچے تو پہلے وزن میں ہی اختلاف ہوتا، چمچہ کتنا بڑا ہو، ضروری نہیں کہ جو چمچہ یہاں ہے وہی ہر جگہ دستیاب ہو۔ کوئی کہتا اس زمانہ کا رطل آج کا ایک کیلو ہے، کوئی کہتا چمچہ سے چائے کا چمچہ مراد ہے، کوئی کہتا چمچہ جب بولا جاتا ہے تو اس سے ہمیشہ کھانے کا چمچہ مراد ہوتا ہے، اب چین کا چمچہ یورپ میں اور امریکہ کے چمچے ہندوستان میں مختلف ہوتے، کوئی کہتا چمچہ کا لفظ اتنے وزن کے لئے آتا ہے یا فلاں پیمانے کے ناپ پر آتا ہے، غرض ہوس جو راہ دکھاتی اسی راہ پر چلنے والے چلتے، اب قرآن کا اعجاز دیکھئے ایک معیار بتایا جاتا ہے اس سے زیادہ موزوں و مقرر حد کوئی فقہی قانون تجویز نہیں کر سکتا اور ایسا پیمانہ جو ہر ملک میں، ہر جگہ اور ہر زمانہ میں دستیاب ہو، بوڑھے کو کتنا دیا جائے، جوان کس قدر استعمال کر سکتا ہے، بچے کو اس کی حاجت کے لئے کس قدر دیا جائے، خوراک کی مکمل مقدار جس میں کبھی جھول محسوس نہ ہو اور کسی نفس کو آزادی نہ ملے اور ضرورت بھی اٹکی نہ رہے فرمایا گیا ''غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ'' صرف دو لفظوں میں مقدار مقرر بتا دی گئی، جس میں کسی زمانہ میں اور کسی مقام پر اختلاف نہیں ہو سکتا فرمایا گیا حرام شئے بے تابی اور مجبوری میں استعمال کر سکتے ہو مگر جتنی ضرورت ہے اس سے قطعاً تجاوز نہ ہو اور اپنی خواہش کا دخل نہ ہو مطلب یہ کہ اگر ایک چمچہ شراب سے جان بچ سکتی ہے تو اس کے بعد ایک بوند بھی لیا تو حرام ہے، اور اضطرار یا بے تابی کی ضرورت رفع کرنے کے بجائے اپنی خواہش کا دخل نہ ہونے پائے، ایسے دو لفظ میں ایک قابل فہم، قابل عمل قانون بتا دینا کسی امی کا کام ہو سکتا تھا؟ یہ تو ہزاروں دانشور اور لاکھوں حساب داں بیٹھ کر مشورہ کرتے تب بھی اتنا جچا تلا پیمانہ نہیں دے سکتے تھے۔

۶۔ ایک اور مثال لیجئے یہ قرآن میں ہے۔ جس میں سب سے پہلی بار

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بتایا گیا ہے کہ علم کی کوئی حد نہیں ہے، علم کی لامحدودیت اور عقل کے لئے بے پایاں وسعت بیان کرنے کے لئے کوئی پیمانہ کوئی مثال سوچئے، کہئے علم سمندروں کی وسعت سے زیادہ وسیع ہے، آسمان وزمین سے زیادہ وسیع ہے، جنگل کے درختوں اور درختوں کے پتوں سے زیادہ پھیلنے کی گنجائش رکھتا ہے جو بھی کہئے اور جس قدر سوچ سکتے ہیں سوچئے آخر میں قرآن کا ایک بول سن لیجئے اور جائزہ لیجئے کہ وسعت بیان کرنے کے لئے اس سے بہتر کیا تعبیر ممکن تھی فرمایا گیا ''فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ'' (یوسف:۷۶) ہر جاننے والے سے اوپر ایک زیادہ جاننے والا ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ جنگل کے درختوں اور درختوں کے پتوں کا کسی کو علم ہے ان کی تعداد کوئی بتا سکتا ہے تو قرآنی آیات بتائے گی کہ اس سے بڑھ کر اس سے اوپر بھی کوئی انسان ہے جو زیادہ جانتا ہے، اگر کہے سمندر کے قطروں، آسمان کے ستاروں میں سے ایک ایک ستارے کا کسی کو علم ہے تو قرآن کہے گا، ٹھہرو! اس کے اوپر بھی کوئی جاننے والا ہے، محدود کرنا تو آسان ہے لامحدود کے لئے مناسب ترین لفظ ہو جو بتا دے اور ہر جگہ اور ہر زمانہ میں وہ اپنا مطلب بتا دے، اور معجزہ اسی کو کہتے ہیں!

علم کے لامحدود ہونے کے سلسلہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ''عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ'' سے بڑی خوبی کے ساتھ اور جوش خطابت اور حقیقت بیانی کے ساتھ استدلال کیا ہے، اس تحریر کے چند جملے ملاحظہ ہوں

"عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ" (العلق : ۵)

.....اور پھر ایک بہت بڑی انقلاب انگیز اور لافانی حقیقت بیان کی کہ علم کی کوئی انتہا نہیں ''عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ'' سائنس کیا ہے؟ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ، ٹکنالوجی کیا ہے؟ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ، انسان چاند پر جا رہا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہ کیوں؟ عَلَّمَ الاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ، یہ جو خلا کو ہم نے طے کرلیا ہے اور ہم نے دنیا کی وسعتیں سمیٹ لی ہیں اور دنیا کی طنابیں کھینچ لی ہیں اور سورج کی شعاعوں کو بقول اقبال کے گرفتار کرلیا ہے اور ستاروں کے درمیان اپنی رہ گذر پیدا کی ہے، کیا ہے؟ عَلَّمَ الاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ کا کرشمہ نہیں تو اور کیا ہے؟

۷۔ اسی طرح کسی شئی کی وسعتِ مکانی کو بیان کرنے کے لئے بے شمار تعبیریں ہوسکتی ہیں، مثلاً کسی حاکم کے قلم رو کی وسعت بیان کرنے کے لئے ایک تعبیر وہ ہے جو عباسی خلیفہ مامون الرشید نے بادل کو دیکھ کر کہا تھا کہ خواہ تو کسی بھی خطۂ زمین پر برس مگر تجھ سے جو پیداوار ہوگی اس کا خراج ہمارے یہاں آئے گا، گویا اس نے اپنی سلطنت وحکومت کی وسعت کو انتہائی بلاغت کے ساتھ بیان کیا بلاشبہ یہ ایک حسین تعبیر ہے۔ وہ جو ایک زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ برطانیہ کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا، یہ بھی وسعت بیان کرنے کی اعلیٰ ترین بلیغ تعبیر ہے، اب قرآن پاک کی ایک آیت لیجئے جس میں جہنم کی وسعت بیان کی گئی ہے۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ٥	اس دن کو دھیان میں رکھو جبکہ ہم جہنم سے پوچھیں گے کہ تو بھر گئی (یعنی تیری مکانی گنجائش ختم ہوگئی)
(سورۃ قٓ: ۳۰)	تو وہ کہے گی کچھ اور بھی ہے؟

یعنی جس قدر دوزخیوں سے اس کا پیٹ بھرا جائے گا، اس کی طلب مزید باقی رہے گی، یہاں بھی ایک لامحدودیت بیان کی جارہی ہے، اب آپ خود موازنہ کرلیجئے کہ انسانی کلام میں جو زیادہ سے زیادہ بلاغت کے ساتھ اور اچھی سے اچھی تعبیر ہوسکتی ہے، اس کی مثالیں بھی آپ کے سامنے ہیں، آپ خود جو

CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ
toobaa-elibrary.blogspot.com

سوچ سکتے ہوں وہ بھی سامنے رکھئے اس کے بعد قرآن کریم کی اس تعبیر کو دیکھئے تو قرآن پاک کا اعجازی پہلو نظر آئے گا۔

٨۔ ایک مثال اور لیجئے، یہ بات تمام سیرت نگاروں کے مطالعہ میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحری سفر نہیں کیا تھا، اور غوطہ لگانے کا تو آپ کی زندگی میں کوئی سوال ہی نہیں تھا، وہ پورا علاقہ پہاڑوں سے گھری ہوئی وادیوں سے بھرا ہے مگر قرآن نے تاریکی کی نوعیت بتانے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ، ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ، اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰاهَا، وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَالَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝

(سورة النور : ٤٠)

یا وہ ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر میں اندرونی اندھیرے، کہ اس کو ایک بڑی لہر نے ڈھانک لیا ہو اس (لہر) کے اوپر دوسری لہر اس کے اوپر بادل ہے (غرض) اوپر تلے بہت سے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہیں، کہ (اگر کوئی ایسی حالت میں) اپنا ہاتھ نکالے (اور دیکھنا چاہے) تو دیکھنے کا احتمال بھی نہیں اور جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اس کو (کہیں سے بھی) نور میسر نہیں ہوسکتا۔

نبی امی ؐ کی زبان مبارک سے اس قدر گہرائی کے ساتھ سمندروں اور دریاؤں کی تہ کی تاریکی بیان کرنا قرآن پاک کے معجزہ ہونے کی دلیل ہے، اسی طرح کائنات کی دوسری مخلوقات جن میں آسمان میں اڑنے والے چھوٹے اور بڑے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پرند اور زمین کے اوپر دو پاؤں سے چلنے والے انسان، اور چار پاؤں سے چلنے والے اور بے شمار پاؤں سے چلنے والے جانوروں کا منظر دکھا دینا اور سب کے وجود کو پانی سے منسوب کرنا آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے ایک امّی کے لئے جس نے سوائے اونٹوں اور بھیڑوں کے دوسرے جانوروں کو دیکھا بھی نہ ہو اور یہ بتا دینا کہ سب کا مادۂ تخلیق پانی ہے۔ قرآن کا معجزہ ہے، ارشاد فرمایا گیا۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ، فَمِنْهُمْ مَنْ يَّمْشِي عَلٰى بَطْنِهٖ ، وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ، وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِي عَلٰٓى اَرْبَعٍ ، يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ، اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥

(النور: ۴۵)

اور اللہ تعالیٰ (ہی) نے ہر چلنے والے جاندار کو (برّی ہو یا بحری) پانی سے پیدا کیا ہے، پھر ان میں بعضے تو وہ (جانور) ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں، اور بعضے ان میں وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں، اور بعضے ان میں وہ ہیں جو چار (پیروں) پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بناتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۹۔ جسم کے اعضاء خواہ وہ انسان کے ہوں یا حیوان کے، کس طرح کام کرتے ہیں یہ ایک بڑا علم ہے جس کے واقف کار ماہرین علم تشریح سمجھے جاتے ہیں، نبی کریم ﷺ تو ایک امّی تھے، آپ ﷺ کے عہد پاک میں جو دانشور معروف تھے، وہ بھی جس حقیقت کو پا نہ سکے اور قرآن کریم نے اس کو بیان کر دیا، ایک ایسا معجزہ ہے جس کا عربی جاننے والوں اور نہ جاننے والوں دونوں کو ادراک ہو سکتا ہے، قرآن کریم نے بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سے خون اور گوبر کے درمیان سے دودھ کی دھار نکالتا ہے جس کو انسان بھی رضا ورغبت کے ساتھ پیتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

وَ اِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِلشّٰرِبِيْنَ
(النحل: ٦٦)

اور تمہارے لئے مواشی میں بھی غور درکار ہے (دیکھو) ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون کا مادہ ہے اس کے درمیان میں سے صاف اور گلے میں آسانی سے اترنے والا دودھ ہم تم کو پینے کو دیتے ہیں۔

قدرت کی جلوہ گری اور اس کی عطاء وبخشش کا ہر ذکر، ناواقف انسان کے لئے ایک انکشاف ہے اللہ تعالیٰ اسی ضمن میں فرماتا ہے:

(الف) وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ٥
(النحل: ٦٧)

اور کھجور اور انگوروں کے پھلوں سے تم لوگ نشہ کی چیز اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو عقل رکھتے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا:

(ب) وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ، ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں میں گھر بنالے اور درختوں میں، اور جو لوگ عمارتیں بناتے ہیں ان میں،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا، يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ، اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ، وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْ لَایَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝

(النحل : ٦٨-٧٠)

پھر ہر قسم کے پھلوں سے چوستی پھر، پھر اپنے رب کے راستوں پر چل جو آسان ہے، اس کے پیٹ میں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں کہ اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو سوچتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری جان قبض کرتا ہے، اور بعضے تم میں وہ ہیں جو ناکارہ عمر تک پہونچائے جاتے ہیں (جس کا اثر یہ ہوتا ہے) کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی قدرت والے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ۶۳ سال کی ہوئی آپ نے اپنے عہدِ پاک میں ایسے لوگوں کو نہیں دیکھا جو بڑھاپے کی وجہ سے اسقدر معذور ہو گئے ہوں کہ سب کچھ جاننے کے بعد ہر چیز سے بیگانہ ہو گئے ہوں، اس حقیقت کو قرآن کریم نے کتنے اچھوتے انداز میں مختصر سے مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے جس سے بہتر انداز میں دنیا کی کسی زبان میں اس جیتی جاگتی حقیقت کو بیان نہیں کیا گیا جس کا جاننا امیوں کے لئے نایاب بات تھی اور اب بھی ہے یہ قرآن کا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مزاجِ بشریت کی تصویر

اللہ تعالیٰ نے انسانی سرشت کی تخلیق جس طرح کی ہے اس کو سمجھنے کے لئے عمریں ناکافی ہیں اور جو کچھ انسانی قوتِ فہم میں ہے اس کو بیان کرنے کے لئے سینکڑوں جلدیں ناکافی ہیں مگر اس کو جب قرآنِ کریم میں بیان کیا گیا تو چند لفظوں میں پوری داستانِ کائنات آگئی، اور کروڑوں برس سے آباد دنیا اس کی گواہ ہے کہ اس میں کبھی کسی زمانہ میں کسی مقام پر تخلف نہیں ہوا۔

سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات میں ملائکہ کا حق تعالیٰ سے ایک مکالمہ نقل کیا گیا ہے، یہ عربی کا انداز کلام ہے کہ بات کو سمجھانے کے لئے مکالمہ کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے۔

ابتدائے آفرینش میں انسانی سرشت کو اس طرح بیان کیا گیا جیسے ملائکہ سے مکالمہ ہو رہا ہے، اسی مکالمہ میں فرمایا گیا۔

قَالُوٓا اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَ يَسۡفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ (البقرة :۳۰)

(فرشتے) کہنے لگے کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اور خونریزیاں کریں گے، اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ اور تقدیس کرتے رہتے ہیں آپ کی۔

اس معجزانہ اسلوب کے ساتھ دو لفظوں میں انسانی نفسیات اور مزاج بشریت کی تصویر آگئی، اور جس کا تجربہ انسان اپنی تاریخ کے ہر دور میں کرتا رہا ہے، اور جہاں جہاں وہ آباد ہے اس کا مشاہدہ کرتا رہا ہے کہ انسان کے اندر مالک اور خدا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بننے کی ہوس ہمیشہ رہتی ہے اسی وجہ سے وہ بنی ہوئی چیز کو بگاڑنے اور خون بہانے کا عادی رہا ہے، فساد اور سفکِ دماء سے پوری داستانِ حیات بھری پڑی ہے تاریخ کا کوئی لمحہ تلاش کر کے بتائیے جب خون کا بہانا کم ہوا ہو، اور لوگوں نے بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔

انسان کے ہاتھوں انسان کے قتل کئے جانے کا واقعہ قابیل سے شروع ہوا جس نے ہابیل کا خون بہایا، اس کے بعد سے کوئی روز بلکہ کوئی لمحہ ایسا خالی نہیں گیا ہے جس میں کسی نہ کسی انسان کا قتل نہیں ہوا ہو، بے دردی کے ساتھ خون نہیں بہایا گیا ہو۔ میری نظر سے ہلاکو خاں اور چنگیز خاں کی غارتگری کی چند مثالیں گذری ہیں۔ خیال ہوا کہ اپنے موضوع کی وضاحت کے لئے چند صفحات نقل کردوں، مگر یہ نظر آیا کہ شکست وریخت اور اجتماعی قتل اور برسات کے پانی کی طرح انسانی خون کے بہائے جانے کی داستانیں کیا اپنے ملک میں کچھ کم ہیں، ہمیں ایران، توران جانے کی کیا ضرورت ہے؟ کونسا ملک اور کب "سفک دماء" کے حوادث سے خالی رہا ہے؟ اگر مثال کے طور پر چند واقعات بیان کروں تو ایسا ہوگا کہ آفتاب کی کرنوں کا اثر ایک بند کمرہ میں دیکھ کر ہم لوگوں کو دکھانا چاہیں کہ سورج کی تپش بس اتنی ہی ہے۔ اسی طرح کس دور کی تاریخ خالی رہی ہے جس میں انسان کے خون کو انسان نے بہایا نہ ہو؟ دیکھنے کی بات صرف یہ ہے کہ اس عالم گیر حقیقت کو ایک امّی کی زبان سے صرف دو جملوں میں ادا کرایا جاتا ہے، اور مزاجِ بشریت کی تصویر اس طرح کھینچی جاتی ہے جس کی حقیقت بیانی سے کوئی انکار نہیں کرسکتا اور نہ بیان کرنے کی معجز بیانی سے انکار ممکن ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

انعام وعذاب کی انتہائی شکل

۱۳۔ دنیا میں کوئی حکمراں، صاحبِ طاقت، یا مالدار شخص کسی پر مہربان ہوجائے تو جواس کے پاس ہے سب دے سکتا ہے، دولت، جائیداد، بڑے سے بڑا منصب وعہدہ، اسی طرح اگر کوئی طاقتور کسی کمزور دشمن پر قابو پا جائے تو اس کے جسم کی کھال ادھیڑ سکتا ہے۔اور ہزاروں دردناک واقعات سننے میں آئے ہیں، کسی نے اپنے مخالف کی تالو سے زبان کھینچ لی، مجازاً نہیں بلکہ حقیقتِ واقعہ ہے، اسی طرح فلسطین، کشمیر، گجرات اور ہندوستان کے بعض دوسرے صوبوں میں ہورہا ہے، بیٹے نے باپ کی آنکھوں میں سلاخ ڈال کر اس کو اندھا کیا ہے، پھر بے رحمی کے ساتھ قتل کیا ہے، نازیوں نے جسمانی وروحانی ایذا پہونچانے کے لئے طرح طرح کی سزائیں تجویز کی ہیں اور اس پر ریسرچ کیا گیا کہ کس طرح دشمن کو ایذا پہونچائی جائے کہ اس کو موت بھی نہ آئے اور درد وعذاب جھیلتا رہے، جرمنی کا ایک تربیت یافتہ گروہ ایک عرب ملک میں لایا گیا تھا جو اپنے دشمنوں کو سزائیں دیا کرتا تھا اور سرِ شام ان مظلوموں کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر لے جایا جاتا اور رات بھر ایذا پہونچا کر صبح جیل خانہ کی تنگ وتاریک کوٹھریوں میں ڈال دیا جاتا، جہاں ایک زخموں سے چور، پیاسے مریض کے لئے کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہیں ہوتی، (۱) مگر یہ عذاب جتنے بھی سخت گذرے ہوں ان کی ایک عمر تھی جو پھانسی پر ختم ہوجاتی، مگر آخرت کے انعام وعذاب کا جہاں جہاں قرآن میں ذکر آیا ہے وہاں ہے "خٰلِدِیْنَ فِیْهَا" (اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے) "هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ" (جہاں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے) دنیا کی ہر نعمت اس وقت ہیچ نظر آنے لگتی ہے جب نعمت سے لطف اٹھانے والا مر جاتا ہے یا بوڑھا اور کمزور

(۱) فی غیاھب السجون المصریة۔ استاذہ زینب الغزالی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہوجاتا ہے، مگر آخرت میں ہمیشہ یکساں، جوان اور تازہ دم ہر نعمت سے لطف حاصل کرنے والا ہوگا، ان دونوں (ثواب وعقاب) کی آخری حد جو قرآن نے بتائی ہے، وہاں تک عقل انسانی کی رسائی ناممکن ہے۔

وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ (حٰم السجدة : ۳۱)

اور تمہارے لئے اس (جنت) میں، جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگوں گے موجود ہے۔

اور جہاں عذاب کی آخری حد بتائی گئی ہے وہ ایک محیر العقول طرزِ تعبیر ہے اس درجہ سادہ دو لفظوں میں جس کی ہیبت کا اندازہ کرنا انسان کے لئے ممکن نہیں۔

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ۝ (المزمل: ۱۷)

سو اگر تم (بھی بعد پہنچنے رسول کے نافرمانی اور) کفر کروگے تو اس دن سے کیسے بچوگے جو بچوں کو بوڑھا کردیگا۔

وہ دن بچوں کو بوڑھا کردیگا! اللہ اکبر! کوئی تصور کرسکتا ہے اس کی ہیبت ناکی کا، دہشت وخوف، اور عذاب کو زندہ مجسم شکل میں دکھایا ہے جنت کی نعمتوں اور جہنم کے عذاب اور ان کے اقسام قرآن کریم میں تفصیل سے بھی آئے ہیں جیسے سورۂ واقعہ، سورۂ النبأ، میں اور کہیں ایجاز کے ساتھ پوری داستان کو دو لفظوں میں سمیٹ دیا گیا ہے دونوں مقامات پر ایجابی طرز بیان ہے دو تین لفظوں میں وہ مناظر بتادیئے گئے ہیں کہ آدمی سوچتا رہے اور خود اس کی عقل حیرت زدہ رہ جائے، قرآن کریم کا یہ معجزہ ہر اس شخص کی سمجھ میں آسکتا ہے جو براہ راست یا ترجمہ کے ذریعہ قرآن پڑھتا ہے۔ قرآن کریم کی بلاغت جو معمولی سے معمولی صلاحیت رکھنے والا انسان سمجھ سکے، اور دنیا کی کسی زبان میں بھی اس کا ترجمہ کردیجئے، تو

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اس کے معجزہ ہونے کا یقین پیدا ہو جائے ان میں ایک آیت یہ بھی ہے۔

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○	ان لوگوں کو ان (کے اعمال) کا ثواب ملے گا ان کے پروردگار کے پاس، اور نہ ان پر کوئی خطرہ ہوگا اور نہ یہ مغموم ہوں گے۔
(البقرة : ۲۶۲)	

خوف مستقبل کا ہوتا ہے، اور غم ماضی کا، کسی کا کوئی عزیز مر گیا، یا مال تلف ہو گیا، یا تجارت نا کام رہی اور مالی نقصان ہوا، اس کا غم طبیعتِ انسان کا خاصہ ہے، اور اس کا تعلق ماضی سے ہے، اور آئندہ کیا ہوگا، اگر تجارت نا کام رہی تو کتنا خسارہ ہوگا؟ الیکشن ہار گئے تو کتنی شرمندگی ہوگی، اور مال چلا جائے گا، یا یہ بیمار کہیں مر گیا تو پھر ہم کیسے رہیں گے؟ وغیرہ وغیرہ، ان سب کا تعلق مستقبل سے ہے اور آدمی دنیا میں انہی دونوں (ماضی اور مستقبل) کے درمیان رہتا ہے۔ مگر وہ جو اللہ کو راضی رکھتا ہے اور اس کی عطا و بخشش پر ایمان رکھتا ہے اور اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جو ہوا اللہ کے حکم سے ہوا اور جو ہوگا اللہ کے حکم سے ہوگا وہ مطمئن رہتا ہے۔ مطمئن ہی نہیں رہتا بلکہ تندرست رہتا ہے، اس کو دلی مسرت حاصل رہتی ہے، ان دو لفظوں کی آیت میں جو ایجابی الفاظ پر مشتمل ہے، کائنات کی کتنی بڑی حقیقت آ گئی جو بڑے سے بڑے حکیم و دانا کے بس میں نہیں تھا کہ اتنی بڑی حقیقت اس درجہ مختصر الفاظ میں کہہ دے۔ اس آیت کو زبان سے ادا کیجئے، بار بار پڑھئے کہیں آپ زبان پر گرانی محسوس نہیں کریں گے۔ کوئی ثقالت، پیچیدگی نہیں محسوس ہوگی، جیسے عبرانی نصیحت کا ایک لفظ ہے "سقن شراب تخلبون "(۱) اور کہاں "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○"

(۱) "لغات سامیہ کے رسم الخط"، پروفیسر بنیار بوٹ۔ یونیورسٹی آف شکاگو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کوئی شخص آپ سے پوچھے کہ ایک مسلمان کو دنیا میں کیا دولت ملتی ہے، جبکہ وہ چوری نہیں کرتا، جوا نہیں کھیلتا، کسی کا ناجائز مال نہیں کھاتا اس کا جواب یہی ہے کہ مال ووجاہت کا حاصل صرف دنیا کی زندگی میں اطمینان اور مسرت کا حصول ہے اور مسرت ایک مردمومن کو بغیر کسی کا حق مارے صرف اپنے فرائض انجام دینے کے عوض مل جاتی ہے، ایک شخص جائز یا ناجائز طریقہ پر دولت حاصل کرتا ہے یا کسی منصب کو پالیتا ہے، سواری کے لئے عمدہ سے عمدہ گاڑیاں رکھتا ہے اور ان کے حصول میں اس نے اپنی زندگی لگادی ہو، جائز اور ناجائز، حلال اور حرام کی تمیز نہ کی ہو، کسی کے دل ٹوٹنے، اور مصیبت میں مبتلا ہونے کی پرواہ نہ کی ہو، اور یہ سمجھتا رہا ہو کہ ان چیزوں سے جو اس نے حاصل کی ہیں اطمینان قلب حاصل ہوگا۔ جبکہ بعد میں اس کو پتہ چلتا ہے کہ جن چیزوں کو وہ آرام وآرائش کا ذریعہ سمجھ رہا تھا، وہ درحقیقت عذاب ہے دوسرے لوگ جن کو کوٹھیاں، موٹریں، بینک بیلنس، اور جائدادیں حاصل نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اس شخص نے دنیا کی ساری نعمتیں سمیٹ لیں، مگر جس شخص نے یہ نعمتیں سمیٹ لی ہیں اس کے دل ودماغ سے پوچھئے کہ وہ آگ کے انگارے پر اپنے آپ کو لوٹتا ہوا محسوس کرتا ہے، خطرات سے گھرا ہوا ہوتا ہے، طرح طرح کی سازشیں اس کا پیچھا کرتی ہیں، اور ایک لمحہ کے لئے بھی مستقبل کے خوف اور ماضی کے غم سے نجات نہیں پاتا، تو بتایئے کہ جس کو اللہ کی طاعت اور رسول کی فرمانبرداری سے یہ نعمت مل جائے وہ کتنا کامیاب ہوگا، یہ تمام باتیں قرآن کریم کی مذکورہ آیت سے سمجھی جاسکتی ہیں۔

"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ" کسی کو جان سے مارنے کی سزا یہ ہے کہ اس کو بھی قتل کردیا جائے، اگر ایسا کیا گیا تو پھر دوسروں کو ہمت نہیں پڑے گی کہ کسی کے قتل کا ارتکاب کریں، قاتلوں کی ہمت پست ہوجائیگی، اور یہ جرم ختم

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہوجائیگا، یہی زندگی ہے، لہذا اسلامی طریقہ پر سزا دینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہزاروں کی زندگیاں شر سے محفوظ رہیں گی، قرآن کریم نے ایک امی کی زبان سے اتنی بڑی حقیقت کس درجہ سادہ، اور ایجابی لفظ میں ادا کردی، صرف لفظ ''القصاص حیاۃ'' کے مقابلہ میں عربوں کے قدیم فارمولے مثلاً ''القتل انفی للقتل'' میں اس کے عشر عشیر بھی بلاغت نہیں ہے، ایک تو قتل قتل، ایک لفظ کو ایک جملہ میں دومرتبہ دہرانا جملہ میں ثقالتپیدا کرتا ہے، جملہ کی موزونیت جس کو آجکل کی اصطلاح میں موسیقیت کہتے ہیں، اس عربی فارمولے سے بعید ہے، اور قرآنی آیت میں لفظ ''حیاۃ'' ہے یعنی زندگی، اس کو سن کر انسان کشش محسوس کرتا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ''کتاب النکت فی اعجاز القرآن للرُمّانی''، آئندہ صفحات میں الرُمّانی کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم دوبارہ اس لفظ پر بحث کریں گے۔

اسی طرح قیامت کے روز عذاب کا نقشہ صرف ایک آیت میں قرآن کریم نے پیش کیا ہے جس سے زیادہ پر معنی اور واضح نقشہ آئینوں میں بھی نظر نہیں آسکتا، فرمایا گیا:

لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰ (سورۃ اعلیٰ: ١٣)

نہ وہ اس میں مرے گا اور نہ (آرام کی زندگی) جیئے گا۔

آدمی مصائب میں مبتلا ہو کر ایسی بے چینی اور گھٹن محسوس کرتا ہے کہ موت کی تمنا کرنے لگتا ہے، بہت سے مصائب میں افراد خودکشی کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔ کینسر کے مریض جب آپریشن پر آپریشن کرانے پر مجبور ہوتے ہیں، اوران کے جسم کے حصے کاٹ کر علیحدہ کردیئے جاتے ہیں اس وقت ڈاکٹر بھی مریض کے تیمارداروں سے کہتے ہیں کہ تم اپنے مذہب کے مطابق اپنی عبادت گاہ میں جاکر اپنے خدا کو پکارو اور فریاد کرو کہ اس مریض کو دنیا سے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اٹھالے، جتنا جلد وہ دنیاوی عذاب سے نجات پائے گا اس کو راحت ہوگی، اب تو مریض کو تکلیف سے نجات کا راستہ یہ ہے کہ اس کو ہلاک کرنے کا انجکشن دے کر اس پر رحم کیا جائے، لہٰذا عذاب جو ٹلنے والا نہ ہو اور جس کی انتہا بھی نہ ہو اس سے زیادہ عذاب کا تصور ناممکن ہے۔

خلود کی شرط

اعمالِ خیر کی جزا اور بداعمالیوں کی سزا تمام آسمانی کتابوں میں مذکور ہے، لیکن قرآن کریم نے جزا اور سزا کے ساتھ "خلود" کی قید لگادی ہے، دنیاوی انعام، عیش وعشرت کی بہتات، حکومت اور ریاست بہت دیکھی گئی ہیں اور ہر زمانہ میں ان کا مظاہرہ ہوتا رہا ہے لیکن ان سب کے لئے سب سے زیادہ عبرت کی بات یہ ہے کہ یہ پہر دو پہر کی عیش وکامرانی ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی، بقول شاعر

کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیسؔ
عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

اس کی دو شکلیں ہیں اور دونوں کا سامنے آنا یقینی ہے، ایک تو لذت اندوزی کی عمر محدود ہوتی ہے دوسرے وہ شے جس سے لذت حاصل کی جاتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے، مثال کے طور پر یہ دیکھا جائے کہ جوانی میں افزائش نسل کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے اندر جنس کی طلب رکھی ہے جو ایک زمانے میں جنون کی طرح بڑھ جاتی ہے، کبھی کثرتِ استعمال سے یہ طلب وطاقت ختم ہو جاتی ہے اور کبھی عمر کی زیادتی سے، دوسری جانب جس ذریعہ سے اس لذت کا حصول معمول ہے وہ بھی باقی نہیں رہتی۔

قرآنِ کریم کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کیا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اور بتایا کہ یہ دن جو خواہ کتنا ہی روشن ہو اور یہ راتیں جس قدر بھی جگمگا رہی ہوں ان کی روشنی اور جگمگاہٹ ختم ہو کر رہے گی، یہ حقائق ہیں مگر ان میں پائیداری نہیں ہے، آفتاب کی روشنی سے کون انکار کر سکتا ہے مگر غروب کے بعد کی تاریکی سے کوئی روگرداں نہیں ہو سکتا، قرآن کریم نے ایسے تمام مواقع پر "خالدین فیھا" اور "ھم فیھا خالدون" کی تکرار اسی لئے کر دی ہے کہ عیش پرستوں کے دماغ پر ٹھوکر لگتی رہے، دوسری طرف مصائب جھیلنے والے افراد بھی یہ سمجھ لیں کہ جس طرح عیش کے دن نہیں رہے اسی طرح کرب کی ساعت بھی ہمیشہ نہیں رہے گی، جو آج ہے وہ کل نہیں مگر آخرت میں جو ملے گا وہ پائیدار ہوگا، دنیا میں ہم وقت کا تعین آفتاب کے طلوع اور غروب سے کرتے ہیں، آفتاب طلوع ہوا دن آیا، ادھر ڈوبا تاریکی آگئی، دنوں سے ہفتے، ہفتوں سے مہینے اور برسوں کا یقین کرنے پر ہم مجبور ہیں۔

"خلود" کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ: "اکتا دینے والا موسم" ہمیشہ یکساں طور پر چھایا رہے گا بلکہ ہر دن نئی تابناکی ہوگی اور ہر رات نئی دل آویزی اور ان نعمتوں کے ساتھ ہوگی جن کا خلاصہ قرآن کریم میں موجود ہے:

وَ لَکُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَ لَکُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ (حٰمٓ السجدة : ۳۱)	اور تمہارے لئے اس (جنت) میں، جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگوں گے موجود ہے۔

دنیاوی نعمتیں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا چند لمحات کی مہمان ہوتی ہیں، قرآن کریم میں اس اضافہ کے بعد جس نعمت کی تصویر کشی کی گئی ہے اس کی مثال نہیں دی جا سکتی اور یہ قرآن کریم کا ایک معجزہ ہے۔ مفسرین میں امام رازی،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بقائی اور راغب اصفہانی نے احقاب اور قرون کا تعین اسّی اور سو سال کی مدتوں سے کیا ہے لیکن قرآن سے کہیں اس کی تائید نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ لذت واذیت کی مدت دنیاوی زندگی کے ساتھ خاص ہے اور آخرت کے لئے خلود ہے، لہٰذا یہ بات بھی ذہن نشیں رکھنی چاہئے کہ خلود کا مفہوم کیا ہے۔

انسان کی تخلیق

انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات پر فوقیت دی ہے، اور اسے کچھ خصوصیات سے نوازا ہے۔ عقل، دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا سلیقہ، اور خیر وشر میں سے کسی شی کو کرنے یا چھوڑنے کا ایک محدود درجہ میں اختیار، ان خصوصیات نے اس کے لئے آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب کو مسخر کر دیا ہے مسخر کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے قابو میں دے دیا ہے، اور ان پر تصرف کرنے کی ہزار محدود سہی قوت عطا فرمائی ہے۔ اس انسان کی تخلیق کس طرح کی؟ کیا تدریجی مراحل پیش آئے؟ اس کو ابتدا سے انتہا تک قرآن کریم میں واضح کر دیا ہے ان آیات کریمہ میں معجزاتی پہلو یہ ہے کہ آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے ایک نبی امی کی زبان مبارک سے جو کہلایا اس پر سینکڑوں برس طبی تحقیق نہ اضافہ کر سکی اور نہ کسی کمی کی نشاندہی کر سکی ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ، خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ، يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ○ (الطارق: ۵-۷)

تو انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور سینہ (یعنی تمام بدن کے درمیان سے) نکلتا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

امام ابن قیّم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ذرا اس قطرہ کی حیثیت دیکھو اور پھر اس سے جو تعمیر ہوئی ہے وہ انسانی عمارت دیکھو اگر انسان و جن سب مل کر اپنی ساری دماغی، جسمانی اور عقلی طاقتیں صرف کرنے کے بعد چاہتے کہ ایک قطرۂ حقیر سے سننے کی قوت، دیکھنے کی صلاحیت، سوچنے سمجھنے والی عقل، علم و مقدرت اور روح پیدا کرسکیں تو کامیاب ہو سکتے تھے؟ سب کو چھوڑو ایک چھوٹی سے چھوٹی ہڈی بلکہ ایک باریک سے باریک رگ بلکہ ایک بال بھی پیدا کرنا چاہتے تو عاجز رہتے۔"

حقیقت صرف اتنی ہے کہ وہ ذات بے ہمتا، وہ صاحبِ قوت و حکمت، جو آسمانوں اور اس کے طبقات، زمین اور اس کی تہوں کو بنانے والا اور سب کو ایک نظام میں ڈھالنے والا ہے وہ ایک قطرہ سے سب کچھ پیدا کرسکتا ہے۔ ایک جیتا جاگتا انسان، جو سوتا ہے اور جاگتا ہے، سوچتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے، کبھی سیدھا چلتا ہے اور کبھی لڑکھڑا کر گرتا ہے، کبھی اکڑتا ہے اور تکبر کرتا ہے اور کبھی اپنی حقیقت کو پہچان کر سرِ بندگی اللہ کے آگے خم کرتا ہے۔ جو ذات ایک نجس قطرہ سے اولیاء، انبیاء، صالحین اور ان کے ساتھ معاندین و متکبرین کو پیدا کرسکتی ہے وہ چاہے تو آسمانوں اور زمینوں کی عظیم مخلوقات کو کس کس طرح بدل سکتی ہے، آفتاب و ماہتاب کی گردش، چاند تارے، روشنی تاریکی، کیا کچھ پیدا نہیں کرسکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ، ثُمَّ جَعَلْنَاهُ	اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی غذا) سے بنایا، پھر ہم نے

CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ
toobaa-elibrary.blogspot.com

نُطۡفَةً فِیۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ○

(المومنون : ۱۲۔۱۳)

اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اَلَمۡ نَخۡلُقۡكُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ، فَجَعَلۡنٰهُ فِیۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ، اِلٰى قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ، فَقَدَرۡنَا فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ○

(المرسلات : ۲۰۔۲۳)

کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی (یعنی نطفہ) سے نہیں بنایا پھر ہم نے اس کو ایک وقت مقررہ تک ایک محفوظ جگہ یعنی عورت کے رحم میں رکھا غرض ہم نے ان تصرفات کا ایک اندازہ ٹھہرایا سو ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھہرانے والے ہیں

اور دوسری سورہ میں ارشاد ہوا:

يَخۡلُقُكُمۡ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ خَلۡقًا مِّنۡۢ بَعۡدِ خَلۡقٍ فِیۡ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ

(الزمر : ٦)

وہ تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا ہے تین تاریکیوں میں۔

علم تشریح کے علماء اور جسمانی ساخت اور جسم کے ہر عضو کے حدودِ عمل پر بحث کرنے والے دانشوروں نے اب جا کر وہ بات سمجھی ہے اور کہی ہے جو صدیوں پہلے اللہ نے اپنے نبی برحق کی زبان سے کہلا دیا تھا، قرآن کریم کا ایک ایک نقطہ اور شوشہ معجزہ ہے۔ انسان کی پیدائش کے مراحل جو قران کریم نے بیان کئے ہیں ان کی فلسفیانہ تشریح اور عصر حاضر کی تفہیم پر ہم آگے دوسرے ابواب میں بحث

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کریں گے اس باب میں صرف ایک پہلو دکھانا تھا، کہ قرآن کے مضامین اور اس کے مندرجات اپنی جگہ ایسے معجزات ہیں جن کو قرآن کی بلاغتِ لسانی سے ناواقف بھی جان سکتے اور سمجھ سکتے ہیں، اسی طرح انسان کی موت سے متعلق دیکھئے اس عظیم معجزانہ کتاب نے کیا نقشہ کھینچا ہے۔

انسان کا دنیا سے فنا ہونا

جس طرح انسان تین تاریکیوں سے نکل کر زندگی کی روشنی دیکھتا ہے یعنی پیٹ، پیٹ کے اندر رحم (بچہ دانی) اور اس کے اندر وہ تھیلی جس میں ایک قطرہ جما ہوا خون بنتا ہے پھر لوتھڑا اور لوتھڑے کو ہڈیوں کا ڈھانچہ پہنا کر جسمانی وجود سامنے آتا ہے، اس طرح یہ جسم جب اپنا پورا کام کر لیتا ہے اور اس کو فنا کرنا مقصود ہوتا ہے جو کہ نظام فطرت ہے تو پہلے موت کی غشی دل و دماغ کو ماؤف کرتی ہے، پھر آنکھیں ٹنگ جاتی ہیں، اور سکرات کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اس کے بعد یہ پوری مشین بند کر دی جاتی ہے، قرآن کریم کی زبانی اس مرحلہ کی تدریجی کیفیت سنئے۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ، وَ اَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ، وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّاتُبْصِرُوْنَ ۝
(الواقعة ۸۳-۸۵)

روح جس وقت حلق تک آپہونچتی ہے اور تم اس وقت تکا کرتے ہو اور ہم اس مرنے والے سے، تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَ قِيْلَ مَنْ رَاقٍ، وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ، وَ

ہرگز ایسا نہیں جب جان ہنسلی تک پہونچ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اَلۡتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ، اِلٰی رَبِّكَ يَوۡمَئِذِ نِ الۡمَسَاقُ ۝
(القیامۃ:۲۶-۳۰)

کوئی جھاڑنے والا ہے اور اس وقت وہ (مردہ) یقین کرلیتا ہے کہ یہ مفارقت دنیا کا وقت ہے (اور شدت سکراتِ موت سے) ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے اس روز تیرے رب کی طرف جانا ہوتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ فٰلِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰی يُخۡرِجُ الۡحَيَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَ مُخۡرِجُ الۡمَيِّتِ مِنَ الۡحَيِّ
(الانعام:۹۵)

بیشک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گٹھلیوں کو، وہ جاندار (چیز) کو بے جان (چیز) سے نکال لاتا ہے (جیسے نطفہ سے آدمی پیدا ہوتا ہے) اور وہ بے جان (چیز) کو جاندار (چیز) سے نکالنے والا ہے۔ (جیسے آدمی سے نطفہ نکلتا ہے)

جب جان جسم کا ساتھ چھوڑتی ہے اور جسم میں اتنی قوت نہیں رہ جاتی کہ روح کو برداشت کرے اس وقت بدن کی یہ کیفیت ہوتی ہے جس کو کسی نے یوں بتایا ہے کہ ''بوتل کے تنگ دہانہ میں کوئی چڑیا نکلنے کے لئے پھڑ پھڑا رہی ہو'' وہ کیفیت اپنے عزیزوں اور قریب ترین افراد خاندان یہاں تک کہ فرزندوں اور بیٹوں سے دیکھی نہیں جاتی، اس کی نوعیت قرآن کریم کی معجزانہ زبان میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔ ایک طرف انسان کی بے چارگی کی مکمل تصویر ایک جملہ میں

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ا ی ہے۔

"فلو لا اذا بلغت الحلقوم" جب روح حلق تک پہنچ جاتی ہے
(جیسے کوئی پرند باہر نکلنے کے لئے
پھڑ پھڑا رہا ہو)

و انتم حینئذ تنظرون اور تم اس وقت بس دیکھا کرتے ہو،

سوچئے! اور اگر آپ نے کسی کی جاں کنی کا منظر دیکھا ہے کہ انسان جس کی روح نکل رہی ہوتی ہے وہ کیا کرتا ہے اور کیا کر سکتا ہے نہ بول سکتا ہے نہ سن سکتا ہے نہ ایک پل کے لئے سکون پاتا ہے ارد گرد اپنے گھر والوں کو دیکھ رہا ہے، تک رہا ہے، موت کی سنگین ساعت اور انسان کی بے بسی کی تصویر اور صرف ظاہری نہیں بلکہ اندرونی بے چینی کا نقشہ دو جملوں میں بغیر کسی مبالغہ آرائی کے، بغیر کسی صنائع و بدائع کا سہارا لئے، استعارہ کی زبان سے دور کسی زبان میں ممکن تھا۔؟ ہم اسی کو معجزہ کہتے ہیں۔

دوسری آیت ملاحظہ ہو موت کی ساعت آچکی ہے روح سینے سے نکلنے کے لئے بے تاب ہے دنیاوی زندگی میں دوا، دعا، جھاڑ پھونک پر اعتبار کرنے والے اپنی بے چارگی کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کوئی جھاڑ پھونک والے کام نہیں آرہے ہیں، اس کو تمثیلی جملوں میں فرمایا جاتا ہے، "وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ"؟ اور کوئی پوچھنے والا پوچھ رہا ہے ہے کوئی جھاڑنے پھونکنے والا؟ اگر زندگی بھر بزرگوں، درویشوں اور فقیروں کے دروں کی خاک چھانتے رہے اب وقت آگیا ہے کہ جان لو کہ صاحبِ قدرت صرف ایک اللہ تھا اور ہے، یہ ہے توحید خالص کی دعوت۔ اور ایسے وقت میں مرنے والے کو دیکھ کر زندہ رہنے والے انسانوں کے لئے قابل عبرت ہے، زندہ رہنے والا تو صرف اللہ ہے،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہاں ''زندہ رہنے والوں'' سے اشارہ ہے ان لوگوں کی طرف جو ابھی حکم الٰہی سے زندہ ہیں اور موت کے منتظر ہیں۔

تیسری آیت ''اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى'' بتا رہی ہے کہ وہ ذات احدیت جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اس کے نزدیک زندگی کا عطا کرنا اور زندگی کو فنا کرنا دونوں آسان ہیں۔ جو ایک بیج سے تناور درخت پیدا کر سکتا ہے اور بے جان (نطفہ) سے جاندار (روح رکھنے والی مخلوق) نکالتا ہے اور زندہ مخلوق کو پھر مٹی میں ڈال کر بے جان کرنے والا ہے، سب اس کے دست قدرت کا کرشمہ ہے۔

حیات وممات کے یہ حقائق انسان سے پوشیدہ نہیں ہیں مگر ان کی تفصیل وحقیقت آج ایکسرے، الٹرا ساؤنڈ، اور سقطرہ (ANGIOGRAPHY) کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے ان کو قرآن نے آج سے پندرہ سو برس پہلے ایک امّی کی زبان سے بتا دیا تھا یہی معجزہ ہے۔

قرآن اللہ کا کلام ہے

قرآن کریم ہمارے اور عالمی انصاف وصداقت کے پیمانہ پر ایک اہم ترین معجزہ ہے مگر دشمنانِ اسلام روزِ اول سے اس کے در پئے آزار رہے اور اس کو کسی طرح رسول اللہ ﷺ کا من گڑھت ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے، قرآن کریم نے اس کے جواب میں بار بار اور متنوع انداز میں اعادہ کیا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

اسی طرح قرآنِ کریم کی وہ سورتیں جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں ان کی ابتدا میں یہ بیان ہے کہ قرآنِ کریم وحیِ الٰہی اور منزل من اللہ ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو:

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

(۱) سورة البقرة :

الٓمّٓ ٥ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَارَيْبَ فِيْهِ

(آیت : ۱،۲)

الٓمّٓ ۔ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔

(۲)سورة آل عمران :

الٓمّٓ ٥ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ، نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ٥

(آیت : ۱۔۳)

اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی قابل، معبود بنانے کے نہیں، اور وہ زندہ (جاوید) ہیں، سب چیزوں کے سنبھالنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس قرآن بھیجا ہے واقعیت کے ساتھ۔

(۳) سورة الاعراف :

الٓمّٓصٓ ٥ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَبِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ٥

(آیت : ۱۔۲)

الٓمّٓصٓ یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے ڈرائیں، سو آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہونی چاہئے اور یہ نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے۔

(۴)سورة یونس :

الٓرٰ تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ

(آیت :۱)

الٓرٰ۔ یہ پُر حکمت کتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

(۵)سورۃ ھود:

الۤرٰ۝ کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍ

(آیت:۱)

(الٓرٰ کے معنی تو اللہ کو معلوم)، یہ (قرآن) ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں (دلائل سے) محکم کی گئی ہیں، (پھر اس کے ساتھ) صاف صاف (بھی) بیان کی گئی ہیں (وہ کتاب ایسی ہے کہ) ایک حکیم باخبر (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہے۔

(۶)سورۃ یوسف:

الۤرٰ، تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتَابِ الۡمُبِیۡنِ، اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ۝

(آیت: ۱-۲)

الر، یہ آیتیں ہیں ایک کتاب واضح کی، ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی (زبان کا) تاکہ تم سمجھو۔

(۷)سورۃ الرعد:

الۤمّۤرٰ ۝ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ وَالَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ الۡحَقُّ

(آیت:۱)

الۤمّۤرٰ، یہ (جو آپ سن رہے ہیں) آیتیں ہیں (ایک بڑی) کتاب (یعنی قرآن) کی اور جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے بالکل سچ ہے۔

(۸) سورۃ ابراھیم:

الۤرٰ ۝ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَیۡکَ

الر، یہ (قرآن) کتاب ہے جس کو

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (آیت:۱)	ہم نے آپ پر نازل فرمایا ہے تاکہ آپ تمام لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔

(۹) سورۃ الحجر :

الٓرٰ ٥ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ٥ (آیت : ۱۔۲)	الرٰ ، یہ آیتیں ہیں ایک (کامل) کتاب اور قرآن واضح کی۔

(۱۰) سورۃ مریم :

كٓهٰيٰعٓصٓ ٥ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ٥ (آیت : ۱۔۲)	کٓھٰیٰعٓصٓ ، یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کے مہربانی فرمانے کا اپنے بندہ زکریا پر۔

(۱۱) سورۃ طٰهٰ :

طٰهٰ ٥ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۔ (آیت : ۱۔۲)	طٰہٰ (کے معنی تو اللہ کو معلوم ہیں) ہم نے آپ پر قرآن (مجید) اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں۔

(۱۲) سورہ الشعراء :

طٰسٓمٓ ٥ تِلْكَ آيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ٥ (آیت : ۱۔۲)	طٰسٓمٓ ، یہ (مضامین جو آپ پر نازل ہوتے ہیں) کتاب واضح (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

(۱۳)سورة النمل :

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْآنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ٥

(آیت : ۱)

طٰسٓ، یہ (آیتیں جو آپ پر نازل کی جاتی ہیں) آیتیں ہیں قرآن کی اور ایک واضح کتاب کی۔

(۱۴)سورة القصص :

طٰسٓمٓ ٥ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتَابِ الْمُبِيْنِ٥

(آیت : ۱۔۲)

طٰسٓمٓ، یہ (مضامین جو آپ پر وحی کئے جاتے ہیں) کتاب واضح (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں۔

(۱۵)سو رة لقمان :

الٓمٓ ٥ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتَابِ الْحَكِيْمِ

(آیت : ۱۔۲)

الٓمٓ، یہ آیتیں ایک پُر حکمت کتاب کی ہیں۔

(۱۶)سورة السجدة :

الٓمٓ ٥ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ لَارَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ٥

(آیت : ۱۔۲)

الٓمٓ، یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اس میں کچھ شبہ نہیں یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

(۱۷)سورة يٰسٓ:

يٰسٓ ٥ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيْمِ ٥ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ٥

(آیت : ۱۔۳)

یٰسٓ، قسم ہے قرآنِ باحکمت کی کہ بیشک آپ منجملہ پیغمبروں کے ہیں۔

(۱۸)سورة صٓ :

صٓ وَالْقُرْآنِ ذِی الذِّكْرِ ٥

(آیت :۱)

صٓ، قسم ہے قرآن کی جو نصیحت سے پُر ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

(۱۹)سورۃ المؤمن:

حٰمٓ ۝ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ۝

(آیت: ۱-۲)

حٰمٓ، (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ کتاب اُتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

(۲۰)سورۃ حٰمٓ السجدۃ:

حٰمٓ ، تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝

(آیت: ۱-۲-۳)

حٰمٓ، یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے، یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی زبان میں ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے (نافع) ہے جو دانشمند ہیں۔

(۲۱)سورۃ الشوریٰ:

حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ كَذٰلِكَ يُوۡحِىۡۤ اِلَيۡكَ وَاِلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝

(آیت: ۱-۲-۳)

حٰمٓ، عٓسٓقٓ، اسی طرح آپ پر اور جو (پیغمبر) آپ سے پہلے ہو چکے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے جو زبردست حکمت والا ہے (دوسری سورتوں اور کتابوں کی) وحی بھیجتا رہا ہے۔

(۲۲)سورۃ الزخرف:

حٰمٓ ۝ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۝ اِنَّا

حٰمٓ قسم ہے اس کتاب واضح کی، کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جَعَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ٥ (آیت : ۱-۳)	ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا، تاکہ (اے عرب) تم (آسانی سے) سمجھ لو۔

(۲۳) سورۃ الدخان :

حٰمٓ ٥ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ٥ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ ٥ (آیت : ۱-۳)	حٰمٓ، قسم ہے اس کتاب واضح کی، کہ ہم نے اس کو (لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر) ایک بڑی برکت والی رات (یعنی شب قدر) میں اتارا ہے، ہم آگاہ کرنے والے تھے

(۲۴) سورۃ الجاثیۃ :

حٰمٓ ٥ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ٥ (آیت : ۱-۲)	حٰمٓ، یہ نازل ہوئی کتاب ہے اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے

(۲۵) سورۃ الاحقاف :

حٰمٓ ٥ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ٥ (آیت : ۱-۲)	حٰمٓ، یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے بھیجی گئی ہے

(۲۶) سورۃ قٓ :

قٓ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِيۡدِ ٥ (آیت : ۱)	قٓ، قسم ہے قرآن مجید کی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

معاندین کے شبہات اور ان کا جائزہ

معاندینِ قرآن نے چند شبہات کا اظہار کیا ہے، ان میں ایک یہ ہے کہ عرب کے ماہرینِ ادب اور شعراء نے اس چیلنج کو قابلِ اہمیت ہی نہ سمجھا ہوگا کہ جواب دیتے۔

دوسرا شبہ یہ ظاہر کیا گیا کہ ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کے خوف سے انہوں نے ایسا نہ کیا ہو۔

تیسرا شبہ یہ کہ ممکن ہے عربوں نے اس کا جواب دیا ہو مگر مسلمانوں نے اس کو چُھپا دیا ہو یا ضائع کر دیا ہو،

یہ شبہات وہ ہیں جن کا اظہار مختلف پیرایوں میں مستشرقین نے کیا ہے۔

پہلا شبہ یہ کہ عربوں نے اسے قابلِ اہمیت ہی نہ سمجھا ہو اس لئے باطل ہے کہ کفارِ عرب نے پہلے دن ہی سے اسلام، مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت شروع کر دی تھی رسول اللہ ﷺ پر ان کا الزام تھا کہ آپ ﷺ نے ان کے آبا واجداد کے مذہب کو باطل قرار دیا، ان کے بتوں اور دیوتاؤں کو حقیر پتھر کے ٹکڑے کہا، ان کی وجہ سے ان کے سماجی ڈھانچہ کو نقصان پہونچا، ان کفار نے ہر مورچے پر آپ ﷺ کا مقابلہ کیا، جب تک ان کا بس چلا ہر طرح سے دعوتِ دین کو روکنے کی کوشش کی، آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے، پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھ لا کر ڈالدی، آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کا معاشرتی مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ) کیا، آپ کو قتل کرنے والے کے لئے سو اونٹ کا انعام مقرر کیا، جنگ ہوئی، اس میں اپنے ہونہار سپوتوں کو قربان کیا، ان کے لئے یہ بہت آسان راستہ تھا، کہ ایک ''سورۃ'' ایسی بنا لیتے اور دنیا کو دکھا دیتے کہ قرآن کوئی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اللہ کی نازل کردہ کتاب نہیں ہے۔ بلکہ محمد ﷺ کی تصنیف کردہ عبارتیں ہیں، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم بھی ایسا کلام پیش کر سکتے ہیں، اس طرح پہلے ہی مرحلہ میں وہ نبوتِ محمدیہ کو ختم کر سکتے تھے، اور جنگ وجدال، مکروسازش اور رات دن کی کوفت سے محفوظ ہو جاتے، اگر وہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کو نا قابلِ اعتنا سمجھتے اور قرآن کے چیلنج کو ایک بادِ ہوائی گردانتے تو پھر اس کی کوشش کیوں کرتے کہ کوئی شخص آپ ﷺ سے ملنے نہ پائے اور حج کے موقع پر قبائلِ عرب کے آئے ہوئے وفود قرآن سننے نہ پائیں۔

ابن مغیرہ کا واقعہ مشہور ہے کہ سردارانِ قریش اس کے پاس گئے اور کہا کہ حج کا زمانہ آرہا ہے، لوگ اطراف واکناف سے آئیں گے اور اس شخص (یعنی رسول اللہ ﷺ) کی دعوت کا قصہ ہر جگہ پہونچ چکا ہے، وہ لوگ اس کے بارے میں ہماری رائے معلوم کرنا چاہیں گے لہٰذا ابھی سے طے کر لینا چاہئے کہ ان قبائلی عربوں کو کیا جواب دیں گے؟

سرداروں میں سے ایک نے کہا کہ آسان جواب ہے ہم کہدیں گے کہ ہمارے خاندان کا ایک فرد ہے جو پاگل ہو گیا ہے، اپنی جان اپنے ہاتھوں ضائع کر رہا ہے، ابن المغیرہ نے کہا کہ لوگ صرف ہماری باتوں پر یقین نہیں کریں گے۔ اس شخص (یعنی رسول اللہ ﷺ) سے ضرور ملیں گے، اور اس کی (آپ ﷺ کی) صاف ستھری، بے لچک باتیں سنیں گے تو وہ سب ہمیں کو جھوٹا پائیں گے، لوگوں نے کہا تو اچھا ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے، ابن المغیرہ نے کہا کہ جس سے یہ بات کہی جائے گی وہ بھی تو عرب نژاد ہوں گے، شاعری سے واقف ہوں گے، ان میں خود کئی شاعر ہوں گے، وہ قرآن سُن کر اس کو کس طرح شعر مانیں گے، ہمیں کو جھوٹا تسلیم کریں گے۔ لوگوں نے کہا کہ تو پھر ہم یہ کہیں گے کہ یہ "کاہن"

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہے، ابن المغیرہ نے کہا کہ یہ اور بُرا ہوگا کاہنوں کے وہ اقوال جن میں مقفع عبارت میں کوئی پیشین گوئی ہوتی ہے، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام (یعنی قرآن) دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے، ایسی بات کرو جو کوئی مان سکے یہ کہہ کر ابن المغیرہ اپنے گھر واپس گئے، ادھر سردارانِ قریش نے یہ کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے میاں خود بے دین ہو گئے ہیں۔ اس لئے کہ جو تجویز بھی ہم لوگوں نے پیش کی وہ اس کی مخالفت کرتے رہے، اور بغیر کسی فیصلہ کے گھر واپس گئے، یہ بات جب ابن المغیرہ کے برادر زادہ ابو جہل بن ہشام بن المغیرہ نے سُنی تو کہا ٹھہرو، میں تمہاری طرف سے اس کو (یعنی اپنے چچا ابن المغیرہ کو) سمجھ لوں گا، روایت ہے کہ ابو جہل مغموم ومحزون شکل بنائے ابن المغیرہ کے پاس گئے، اس نے پوچھا اے چچا! آپ کو کیا ہوا، کیا آپ کو مال ودولت طلب ہے، قریش نے طے کیا ہے کہ آپس میں چندہ جمع کر کے آپ کو ایک رقم صدقہ کے طور پر دیں کہ آپ اپنے بڑھاپے میں کسی اور کے محتاج نہ ہوں۔

ابن المغیرہ نے کہا، کیا میں قریش میں سب سے زیادہ مالدار نہیں ہوں؟ ابو جہل نے کہا: ہاں ضرور مگر ان لوگوں کا خیال ہے کہ تم دین کی راہ سے اس لئے پھر گئے ہو تا کہ محمد اور ان کے دستر خوان سے تم کو کچھ ٹکڑے مل جائیں، ابن المغیرہ نے کہا! یہ بھی خوب رہی ان بے چاروں کے پاس اتنا بھی نہیں کہ اپنا پیٹ بھر سکیں، ان کے پاس اتنا کہاں سے آیا کہ ان کے کھانے سے کچھ بچے، ابن المغیرہ پھر قریش کے سرداروں کے پاس گئے، اور کہا کہ تم سمجھتے ہو کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذہب اختیار کر لیا ہے اور اپنے آبائی مذہب سے نکل گیا ہوں، بخدا ایسا نہیں ہے، تم لوگوں نے کہا کہ اس کے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے) متعلق کہو گے کہ وہ مجنون ہے، یہ بات کون مانیگا، میرے سامنے کا بچہ ہے، بچپن سے دیکھتا آرہا ہوں اس سے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کب جنون کی حرکت سرزد ہوئی ہے؟ تم کہتے ہو کہ وہ شاعر ہے حالانکہ خود تم میں سے کئی شاعر ہیں بتاؤ کہ محمد (ﷺ) جو (قرآن) سناتے ہیں اس میں کوئی شعر ہے، بات ایسی کرو جو عقل میں آئے اور لوگ تسلیم کر سکیں، تم کہتے ہو کہ مشہور کر دیں گے کہ وہ کاہن ہے، کاہن بے تکی پیشین گوئی کرتے ہیں اور محمد (ﷺ) نے جب بھی کوئی بات مستقبل سے متعلق کہی تو انشاء اللہ کہا، تم نے کسی کاہن کو انشاء اللہ کہتے سنا ہے؟ لوگوں نے کہا! اچھا آپ ہی بتائیں ہم اس (یعنی محمد ﷺ) کے متعلق کیا کہیں؟

ابن المغیرہ نے کہا ایک ہی بات چل سکتی ہے، مشہور کریں کہ یہ "ساحر" ہے جس کی وجہ سے ہمارے خاندانوں میں اختلاف ہو گئے ہیں۔ باپ بیٹے میں لڑائی ہو گئی ہے، بیٹا بے دین (صابی) ہو گیا، بیوی بے دین ہو گئی اور اس گھرانے میں بھائی بھائی سے جدا ہو گیا یہ اس سحر کا کارنامہ ہے جس کو وہ پڑھا کرتا ہے، یہی تجویز بالآخر پاس ہو گئی، اس روایت کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر سردارانِ قریش اور ادبائے عرب اور اس علاقے کے شعراء میں سے کوئی چند آیتیں قرآن کے مانند بنا سکتا تو کس لئے اتنا خلجان مول لیتا، سیدھے سیدھے کہہ دیتا کہ یہ شخص (رسول اللہ ﷺ) دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے، اور اس جیسا کلام کوئی پیش نہیں کر سکتا اور یہ سنو! ہم نے بالکل اسی رنگ میں اور اسی انداز میں نثر و نظم لکھی ہے مگر ایسا نہیں ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ قرآن کا چیلنج قبول کرنے سے عاجز و قاصر تھے۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ عرب قرآن کے جیسا کلام گڑھ سکتے تھے مگر مسلمانوں کے خوف سے انہوں نے ایسا نہیں کیا، یہ بات جرمن مستشرق نولدیکے نے بڑے وثوق سے کہی ہے مگر یہ بات اس لئے غلط ہے کہ یہ تمام آیتیں جن میں چیلنج ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئیا بـ CamScanner

سب مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اور مکی زندگی میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے آل واصحاب انتہائی کسمپرسی اور بے چارگی کے عالم میں تھے۔ سردارانِ قریش آپ سے کیا ڈرتے آپ کا تو سوشل بائیکاٹ کر دیا تھا تمام عرب قبائل کو آپ کی دشمنی پر کمر بستہ کر لیا تھا، وہ کیوں ڈرتے بلکہ خود آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے اصحاب کو ان کفار کی سازشوں اور دشمنی کا ڈر تھا۔

تیسرا شبہ یہ ہے کہ عربوں نے قرآن کے مقابلہ میں اس طرح کا کلام بنایا ہو گا مگر مسلمانوں نے ان کو پھیلنے نہیں دیا ہو گا۔

یہ بات سراسر غلط ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ کفارِ قریش نے جو کچھ بھی اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف کہا اور کیا وہ سب احادیث میں موجود ہے، بلکہ خود قرآن میں موجود ہے مثلاً جب آپ ﷺ نے کوہِ صفا سے اپنی دعوت کا آغاز کیا اور تمام برادری والوں کو بلا کر آخرت کا خوف دلایا، جو مشہور واقعہ ہے تو اس موقع پر ابولہب نے کہا تھا "تباً لك الهٰذا دعوتَنا" تو ہلاک ہو، اسی بات کے کہنے کے لئے تم نے ہم کو جمع کیا تھا جس کے جواب میں قرآن نے کہا "تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ"

قرآن میں ہے کفار نے آپ کو ساحر کہا، مجنون کہا، شاعر کہا، کاذب کہا، قرآن کو من گھڑت بات کہا یہاں تک کہ آپ کی تلاوت کے وقت ایک شیطانی آواز قرآن میں خلط ملط کرنے کے لئے اٹھی۔ تلك الغرانيق العلى، ان شفاعتهن لترتجىٰ۔ وہ بھی تفسیر کی کتابوں میں محفوظ ہے، لہٰذا اگر وہ کوئی کلام قرآن کے مقابلہ میں کہتے تو وہ بھی محفوظ رہتا بلکہ خود اس کی شہرت قرآن سے زیادہ ہوتی، کیوں کہ ہجو اور تردید میں جو بات کہی جاتی ہے وہ جلد پھیلتی ہے۔

مجھے بیسوں شعر ایسے یاد ہیں جو کسی شاعر نے کسی دوسرے شاعر کی ہجو یا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تردید میں کہے، جب اس طرح کے اشعار کوئی نہ بھلا سکا تو اتنے بڑے تاریخی معرکہ کی بات کب فراموش کی جاتی اور اگر مسلمان اس کو چھپانا چاہتے تو مدینہ منورہ کے منافق اور کفار تو یاد رکھتے۔ آخر کعب بن زہیرؓ نے جو پہلے آنحضرت ﷺ کی ہجو کی تھی وہ کتابوں میں محفوظ ہے یا نہیں؟ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان کا واقعہ لوگوں نے مشہور کیا تھا وہ کس نے چھپانے کی کوشش کی؟ کفار آنحضرت ﷺ کے حضور میں بد زبانی کر بیٹھتے تھے، آپ کی گفتگو ہوتی تو درمیان میں بظاہر یہ کہتے کہ دوبارہ فرمایئے یا ذرا ٹھہر ٹھہر کر کہئے میری رعایت کیجئے، مگر ''رَاعِنَا'' (میری رعایت کیجئے) کے بجائے ''رَاعِيْنَا'' کہتے یعنی اے میرے چرواہے، یہ بھی قرآن کریم میں مذکور ہے دوسری روایت کے بموجب یہودی آپ کو ''راعنا'' کے لفظ سے مخاطب کرتے جس کے معنی عبرانی زبان میں بہت بُرے ہیں، اسی پر یہ آیت نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا (البقرة : ۱۰۴)

اے ایمان والو تم (لفظ) راعنا مت کہا کرو اور انظرنا کہدیا کرو اور (اسکو اچھی طرح) سُن لو۔

لہٰذا یہ کیوں کر کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کے اولین مخاطب عربوں میں ایسے ہوں گے جنہوں نے جواب دیا ہوگا مگر مسلمانوں نے ان کو پھیلنے اور مشہور ہونے نہیں دیا ہوگا اور اس بے بنیاد شبہ کا اظہار کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف بے شمار باتیں ایسی کہتے رہتے ہیں جس کی سند اور دلیل نہیں ملتی اور یہ ناممکن ہے کہ کسی نے قرآن کا جواب تیار کیا ہو اور وہ پوشیدہ رہا ہو؟

یہ تو ایک جرمن مستشرق کے شبہات کا جواب ہوا، اب ایک دوسرا شوشہ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بھی سُن لیجئے جو غیروں نے نہیں لکھا ہے بلکہ ایسے شخص نے لکھا ہے جس کا آبائی تعلق اسلام سے ہے اور اس کا نام مسلمانوں جیسا ہے۔

وہ شوشہ یہ ہے کہ عربی زبان وادب کی اصل شان وشوکت اس وقت نکھر کر سامنے آئی جب عربوں کو جنگ وجدال یا غزوہ وجہاد سے فرصت ملی اور ان کی پائیدار حکومت قائم ہوئی جو امویوں کے آخری دور سے لے کر عباسی سلطنت کے چوتھے دور تک کا زمانہ ہے، اسی عرصہ میں عربی نثر کا حسن کھل کر سامنے آیا، لہٰذا اگر نزولِ قرآن کے زمانہ میں یا اس کے معاً بعد چند برسوں میں کوئی قرآن کا مقابلہ نہ کر سکا تو بعد کی صدیوں میں ایسے اہلِ قلم گذرے ہیں جو اگر قرآن کی طرح سورتیں اور آیتیں لکھنا چاہتے تو لکھ سکتے تھے جیسے عبد الحمید الکاتب، القاضی الفاضل، بدیع الزماں، حریری، جاحظ، اور ابو بکر خوارزمی وغیرہ مگر وہ لوگ اسلامی حکومتوں سے اس درجہ خوفزدہ تھے کہ اگر ایسا کرتے تو ان کو اپنی جان کا خطرہ تھا، پھر بھی ''جاحظ'' کے متعلق ابن عساکر وغیرہ نے لکھا ہے جو سراسر غلط ہے کہ اس نے قرآن کا معارضہ کیا تھا مگر کسی وجہ سے اس کی تحریر سامنے نہیں آئی تھی، اور ابن المقفع کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے بھی یہ کاوش کی تھی، مگر جب وہ اس آیت پر پہونچا۔

وَ قِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَ غِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (ھود : ۴۴)	اور حکم ہو گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا، اور اے آسمان تھم جا، اور پانی گھٹ گیا، اور قصہ ختم ہوا، اور کشتی جودی پر آٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ کافر لوگ رحمت سے دور کر دیئے گئے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تو اس نے قلم رکھدیا اور اپنے عجز کا اعتراف کرلیا، اور اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے معارضہ کی ہمت کی تھی۔(۱) مگر اس کو چھپادیا یہ بھی مضحکہ خیز بات ہے، اس کی وہ تحریریں جو اس نے اپنی طبیعت کی ''آمد'' سے لکھی ہیں اور جن میں اس کا فن تمام کمالات کے ساتھ جلوہ گر ہے، ان کو دیکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ کس رتبہ کی ہیں، ابن المقفع کی نثر کا تجزیہ کر کے نقد کرنے والوں نے لکھا ہے کہ ایک بات کوکئی فقروں میں تقسیم کرنا اور حروف جر کے تنوع سے عبارت میں رنگینی پیدا کرنا اس کا کمال ہے اور باوجود اس کے کہ ایک ہی بات کئی جملوں میں دہراتا ہے مگر ایسا لگتا ہے کہ ہر جملہ میں کوئی نئی بات کہہ رہا ہے، جب اس کی وہ تحریریں جو اس کے فن کا اعلیٰ نمونہ ہیں وہ سب مل کر قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی سورہ کا مقابلہ نہیں کرسکتیں تو پھر ایسی تحریر جو طبیعت پر زور دے کر (جس کو ''آورد'' کہتے ہیں) مصنوعی انداز میں لکھتا اس میں کہاں سے زور ہوتا، یہ سب بات مفروضہ پر کہی جارہی ہے اگر مستشرقین کی بات تسلیم کرلی جائے کہ اس نے قرآن کے معارضہ کی کوشش کی تھی مگر مسلمانوں کے خوف سے اس کو برسرِ عام پیش نہ کرسکا تو لطف یہ ہے کہ اس ضمن میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے بھی جب آیت "والصُّبح اِذا تَنفّسَ" (۲) پڑھی تو ہمت ہار بیٹھا، یہ بات سراسر غلط ہے کہ جاحظ کو قرآن کا معاند اور اس کے مقابلہ کی کوشش کرنے والا بتایا جائے، اس کے برعکس وہ وحی کا حامی اور مومن تھا، اور شیعہ ومعتزلہ کا سب سے زیادہ طاقت ور مقابلہ اسی نے کیا ہے، لہٰذا قرآن کریم کے لسانی اعجاز کا جہاں تک تعلق ہے شروع سے لے کر آج تک کوئی ایسا پیدا نہیں ہوا جو قرآن

(۱) مرحوم مصطفیٰ صادق الرافعی نے نولدیکے کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے

(۲) "والصُّبح اِذا تَنفّسَ" بیانی معجزہ ضرور ہے جس نے معاندین کی ہمت پست کردی مگر اس کی نسبت ابن المقفع کی طرف سراسر غلط ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کی اس پیشین گوئی کی تردید کرتا۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ لَنۡ تَفۡعَلُوۡا (البقرۃ : ۲۴) اگر تم ایسا نہ کر سکے اور قیامت تک ایسا نہیں کر سکو گے۔

نیز یہ بات سب جانتے ہیں کہ اسلام سے دلی عداوت اور بغض رکھنے والے یہودی اور نصرانی بھی عرب میں بستے ہیں اور انہوں نے بڑی بڑی لغت کی کتابیں لکھی ہیں، الفاظ حدیث کی فہرست تیار کی ہے اور جو لوگ امریکہ میں جا کر بس گئے انہوں نے ''ادب المھجر'' کے نام سے پورا کتب خانہ تیار کر دیا ہے ان کو کس بات کا خوف تھا اگر وہ ہمت کر سکتے تو ضرور معارضۂ قرآن پیش کر کے مسلمانوں کو شرمندہ کرنے کی کوشش کرتے، اس سلسلہ میں ایک بات ہندوستان کے ایک اردو ادیب نیاز فتحپوری نے کہی تھی کسی کلام کی نقل اُتارنے میں کامیاب نہ ہونا معجزہ نہیں ہے، گلستاں بوستاں کا بھی جواب کسی نے نہیں لکھا، مثنوی مولانا روم کی بھی کسی نے نقل نہیں اُتاری لہٰذا اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوا کہ سعدی کا کلام یا مولانا روم کی مثنوی معجزہ ہے۔ یہ بات نیاز فتحپوری صاحب مرحوم کی ناواقفیت کی دلیل ہے، گلستاں کا جواب ''بہارستان'' شگفتہ نے لکھا، کریما کا جواب ''رحیما'' ایک ہندو فارسی داں نے لکھا(۱) مثنوی مولانا روم کی تکمیل ایک ہندوستان کے عالم مفتی الٰہی بخش نے کی اور کسی نے آج تک نہیں کہا کہ ان کی نقل ہے، مزید یہ کہ گلستاں بوستاں، اور مثنوی کے متعلق کسی نے کسی کو کب چیلنج کیا کہ ایک باب یا ایک قصیدہ یا ایک مثنوی کوئی لکھ کر پیش نہیں کر سکتا خواہ ایک دوسرے کے حمایتی ہوں۔ بہر حال اعجازِ قرآنی کا ایک پہلو تو زبان و بلاغت

---

(۱) ڈاکٹر سید شاہ طلحہ برق داناپوری کا مقالہ شائع شدہ موجود ہے۔ جو اس وقت میری نظروں کے سامنے نہیں ہے مگر پڑھ چکا ہوں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سے متعلق ہے، جو عربوں کا تسلیم شدہ ہنر تھا اور اس چیلنج کا جواب آج تک کوئی نہیں دے سکا، اور ایسا بھی نہیں ہے کہ لوگوں نے کوشش نہ کی ہو، بعض شرپسند مسخروں نے چند الفاظ قرآنی انداز میں جوڑ کر پیش کیا تھا جو تمام ادب و بلاغت کی کتابوں میں موجود ہیں۔

مسیلمہ کذاب نے کہا:

" الفیل وماالفیل و ما ادراك ماالفیل ؟ له خرطوم طویل و ذنب اثیل و ماذاك من خلق ربنا الجلیل"

اس عبارت کو دیکھئے ایک تو منہ چڑھانے والی بات ہے دوسرے یہ کہ قرآن کریم نے جہاں کسی لفظ کو دہرا کر سوالیہ جملہ میں پیش کیا ہے اور پھر اس کے ساتھ" مَاادراك "؟ کے لفظ سے اس کو مکرر بیان کیا ہے وہ قیامت کا ذکر ہے جس کو کسی انسان نے دیکھا نہیں ہے، اس کی ہیبت اور عظمت سے لوگ ناواقف ہی نہیں بلکہ ان کے ذرائع معلومات ان کی رہنمائی کرنے سے قاصر ہیں، اور یہاں "الفیل ماالفیل " بکنے والا ایک بھاری بھرکم جانور کے بارے میں کہہ رہا ہے جس کو اندھا بھی ٹٹول کر محسوس کر لے، اسی طرح مسیلمہ کذاب کی نقل

"یا ضفدع کم تنقین لاالماء تکدرین ولا الوارد تنفرین"

نہ تو لفظ صحیح ہے نہ کوئی معنی یا فائدہ ہے، ایک منہ چڑھانے کی لغو حرکت ہے کہ "اے مینڈک تو کتنا ٹرٹراتی ہے نہ پانی گندہ کرتی ہے اور نہ پانی میں اترنے والے سے بھاگتی ہے" سوائے بے ہودہ اور بے جان تک بندی کے اس میں کیا بات ہے، کوئی دعوت؟ کوئی عبرت؟ کوئی یاد دہانی؟ انذار و تبشیر؟ صرف چند لفظوں کو جوڑ دیا گیا۔

اسی طرح ایک جاہل کی یہ ہفوات:

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

الم ترکیف فعل ربك بالحبلی اخرج منها نسمة
تسعی ما بین صفاق وحشا (۱)

(کیا تو نے دیکھا نہیں کہ ایک حاملہ عورت کے ساتھ تیرے رب نے کیا معاملہ کیا اس سے ایک جان نکال دی جو چادروں اور گدوں میں لپٹی ہوئی ہے)

مصر کے ایک مشہور ناقد و ادیب مصطفیٰ صادق الرافعی نے اپنی کتاب ''اعجاز القرآن'' میں انیس مثالیں دی ہیں کہ مسیلمہ کذاب سے لے کر عصرِ حاضر تک کتنے کذابوں نے کتنے ہاتھ پیر مارے اور سب اسی طرح کے لغویات سے آگے نہ بڑھے، مزید یہ کہ ان منکرین نے یہ سمجھا کہ قرآن کی چھوٹی چھوٹی سورتوں میں جو فواصل (جس کو بعض لوگ قافیہ سمجھتے ہیں) وہی معارضہ طلب ہیں۔ چنانچہ ان تمام لوگوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں گذرا جس نے ایک قدم آگے بڑھایا ہو، حالانکہ قرآن کا زیادہ حصہ پچھلی امتوں کے واقعات سے پُر ہے، جن کے اندر عبرت کا سامان ہے، انسانوں کو جتلایا گیا ہے کہ اگر تم نے بھی یہی راہ اختیار کی تو تمہارا انجام بھی یہی ہوگا۔ انسان کو زندگی کی حقیقت بتائی گئی ہے انسان کی نفسیات بتا کر اس کو ذاتی اصلاح کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

مرنے کے بعد زندگی کے مضمون کو بار بار اور متعدد مثالوں سے سمجھایا گیا ہے ان نقالوں نے ان مضامین میں سے کسی ایک کو ہاتھ نہیں لگایا۔ لہٰذا قرآنِ کریم کا چیلنج جس طرح قرآن کے مخاطبین اولین کو دیا گیا تھا اسی طرح بعد میں آنے والے انسانوں کو بھی دیا گیا اور آج بھی باقی ہے۔ اور ہر دور میں ایسے دشمنانِ اسلام بکثرت رہے ہیں جو اچھی طرح عربی زبان جانتے ہیں، عربی میں اعلیٰ درجہ کی تحریریں لکھتے ہیں، شاعری کرتے ہیں، قرآن کی بخشی ہوئی نحوی تراکیب کو

---

(۱) یہ سب مثالیں شیخ مصطفیٰ صادق الرافعیؒ کی ''اعجاز القرآن'' سے اقتباس کی گئی ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

استعمال کرتے ہیں، اور یہی نہیں بلکہ ایسے عیسائی اور یہودی انشاء پرداز بھی ہیں جو اپنی عبارت کو خوبصورت بنانے کے لئے قرآنی آیات اور اس کی خاص نحوی ترکیبوں کو بلا تکلف اپنی عبارت میں سجاتے ہیں جو دیکھنے میں ایسا لگتا ہے کہ کانٹوں اور جنگل کے خودرو گھاس کے درمیان ایک حسین اور خوشنما گلاب کھل جائے مگر وہ خود ایک گلاب کے پودے کی تخلیق کرلیں ناممکن ہے اور قیامت تک ناممکن رہے گا۔

(۲) معجزے کی دوسری قسم اس کے بالکل برعکس تھی کہ قوم نے قبول کرنے سے صاف انکار کردیا، اور باوجود اس کے کہ وہ بات محیر العقول تھی مگر ان کی عقلوں نے تسلیم نہیں کیا۔

وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ○ (الأعراف : ۱۳۲)	اور یوں کہتے (خواہ) کیسی ہی عجیب بات ہمارے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعہ ہم پر جادو چلاؤ جب بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔

(۳) وہ معجزے جس میں کچھ اجزاء کو وقتی طور پر لوگوں نے تسلیم کیا اور کچھ حصوں کو تسلیم نہیں کیا، ان کے کفر وعناد کی بنا پر نتیجہ ایک ہی رہا، اور عذاب ان سے ٹالا نہیں گیا، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے اور اسی میں قرآن کا بھی معجزہ ہے۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے کہ کچھ لوگوں نے اس کو تسلیم کیا اور اہلِ ایمان میں شمار ہوئے اور کچھ لوگوں نے انکار کیا اور کفر وعناد میں مزید پختہ ہو گئے۔

وَ لَو شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِ هِمْ مِّنْ بَعْدِ	اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور رہوتا تو (امت کے) جو لوگ ان کے بعد

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مَاجَآءَ تْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَ لٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ

(البقرة: ۲۵۳)

ہوئے ہیں باہم قتل وقتال نہ کرتے بعد اس کے کہ ان کے پاس (امر حق کے) دلائل پہونچ چکے تھے، لیکن وہ لوگ (دین میں) مختلف ہوئے۔ سوان میں کوئی تو ایمان لایا اور کوئی کافر رہا۔

قرآن ساری دنیا اور تمام اقوام عالم کے لئے نازل ہوا

عصرِ حاضر کے معاندینِ اسلام کا دعوی ہے کہ قرآن خواہ وحی کے ذریعہ نازل ہوا ہو، جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے یا محمد ﷺ کا وضع کردہ مجموعۂ افکار و قصص ہو، اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہلِ مکہ کو جہالت کی تاریکی سے نکالا جائے، ان کے معاشرہ میں جو برائیاں پھیل چکی تھیں ان کو دور کیا جائے، ان کا اجتماعی شعور زندہ کیا جائے جن کو معاشی بدحالی اور فقر وافلاس نے بدحال کر دیا تھا، جائز و ناجائز کی تفریق ختم کر دی تھی، معاصی کا ارتکاب، چوری، ڈاکہ زنی، جوا، سودخوری اور امن پسند قبائل کو راستہ میں لوٹ لینا ان کی معاش کا ذریعہ تھا، قرآن و رسالت کا ذریعہ ان میں پہلے بھی معروف تھا، وہ آسمانی کتاب کو قرآن نہیں کہتے تھے مگر ایک آسمانی ہدایت نامہ کا عقیدہ ان کے اندر تھا۔

قرآن نے انہی قبائل کی اصلاح کو اپنا شعار بنایا، اس وقت آخرت اور مابعد الموت زندگی کا جو عقیدہ تھا اس کو محمد ﷺ کام میں لائے، ان کی تحریک کا مقصد وادیٔ ابراہیم سے آگے نہ تھا اور نہ وہ جانتے تھے کہ ان پہاڑیوں کی پشت پر دنیا اور بھی آباد ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لبنان کے عیسائیوں نے اس بات کو ایک تاریخی حقیقت کے سانچہ میں پیش کیا کہ اسلام اہلِ مکہ کے لئے تھا، بدقسمتی سے بہت سے عرب دانشور بھی ان کے ساتھ ہو گئے (۱)

معاندین (جن میں اکثریت مستشرقین کی ہے) اپنے دعووں کے ثبوت میں قرآن کریم کی وہ آیات پیش کرتے ہیں جن سے ان کے نزدیک عربوں کے سوشل حالات اور اجتماعی واخلاقی پستی کا ثبوت ملتا ہے اور اسی طرح تاریخ سے ایسے واقعات تلاش کر کے جمع کرتے ہیں۔

ان کے پیش کردہ دلائل میں ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن اگر سارے عالم کے لئے نازل ہوا تھا تو صرف عربی زبان کو کیوں لائقِ اعتنا سمجھا گیا؟

جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہے:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ	ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم (بوجہِ اہلِ لسان ہونے کے اولاً) سمجھو
(یوسف : ۲)	

اور لفظ ''تعقلون'' سے خالص اہلِ جزیرہ مطلوب ہیں کیوں کہ ان کی اپنی زبان میں نازل شدہ وحی کو وہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں

نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ عَلٰی قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیۡنٍ	اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے، آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں تاکہ آپ بھی منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں۔
(الشعراء : ۱۹۳-۱۹۵)	

(۱) مستشرقین کو اسلام وعربیت سے جلن اس لئے بھی ہے کہ قرآن کے نازل ہونے کے بعد عربی زبان ایک ٹھوس زبان بن گئی، جس کے صرف ونحو، بلاغت وغیرہ پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں اور عربی زبان میں ذرا بھی وسعت قبول نہیں کی گئی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ (الزخرف : ۳)

کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تا کہ (اے عرب) تم آسانی سے سمجھ لو۔

مذکورہ بالا آیات کے الفاظ وتراکیب کے لحاظ سے یہ بات عیاں ہے کہ قرآن اہلِ مکہ کی زبان میں ہے اور معانی کے لحاظ سے دیکھئے تو معاندین کہتے ہیں کہ قرآن میں انہی عیوب کو شمار کیا گیا ہے جو اس وقت کے عربوں میں پائے جاتے تھے، لہٰذا ایک محدود مقصد کے ہدایت نامہ (قرآن) کو ایک حد تک محدود طبقہ کی اصلاحِ حال کے لئے وضع کیا گیا (۱) اس کو ساری دنیا کا مذہب قرار دینا حیرت کی بات ہے، ہاں، اس سے جزیرۂ عرب کے لوگوں کو فائدہ ہوا کہ کعبہ کی پوجا (عبادۃ الکعبۃ) کرنے والے بڑھ گئے، پہلے بھی عربوں کا معاشی گذر بسر انہی لوگوں کے صدقات وتحائف پر ہوا کرتا تھا۔

چوں کہ یہ اعتراض مختلف الفاظ میں اور مختلف دور میں اسلام اور قرآن کے خلاف دہرایا جاتا رہا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی جائے۔

قرآن کریم اور عربی زبان

دنیا میں ہزاروں قومیں بستی ہیں، اور ہر قوم کی الگ الگ زبان ہے بلکہ بعض قوموں میں علاقے کے اعتبار سے کئی کئی زبانیں بیک وقت بولی اور لکھی جاتی ہیں، صرف اپنے برصغیر میں دیکھ لیجئے، بیسیوں زبانیں بولی جاتی ہیں اور ہر ایک کا نظامِ نحوی اور قاعدہ علحدہ علحدہ ہے، یہی نہیں بلکہ مخارج بھی ایک زبان

(۱) معاندین کی زبان میں، (یعنی نازل ہوا اہلِ ایمان کے نزدیک)

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کے دوسری زبان سے کم ملتے ہیں، ہر شخص اپنے ماحول کی زبان بولتا اور سمجھتا ہے یہ زبانیں تہذیب و روایات کی امین ہوتی ہیں، بسا اوقات ایک لفظ یا چھوٹے سے چھوٹا جملہ ایک طویل گفتگو کی نمائندگی کرتا ہے۔

قدرتِ الٰہی کے کرشمے قابلِ دید ہیں مثلاً یہ کہ آلات صوت (۱) ایک ہی ہیں مگر ان سے جو بولیاں نکلتی ہیں وہ مختلف ہیں جیسے رحم مادر میں بچہ پرورش پاتا ہے اس کے قرار پانے اور دنیا میں آنے کا ایک ہی طریقہ ہے لیکن سب کی شکلیں الگ ہوتی ہیں اور آواز یکساں نہیں ہوتی، قرآن کریم میں یہ مثال دی گئی ہے کہ ایک ہی پانی سے مختلف قسم کے پودے سیراب ہوتے ہیں مگر ہر ایک کا رنگ، مزہ، اور خاصیت جدا جدا ہے۔

وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ

(سورة الرعد: ۴)

اور زمین میں پاس پاس (اور پھر) مختلف قطعے ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں ہیں جن میں بعضے تو ایسے ہیں کہ تنہ سے اوپر جا کر دو تنے ہو جاتے ہیں بعضے میں دو تنے نہیں ہوتے سب کو ایک ہی طرح کا پانی دیا جاتا ہے۔

اسی طرح سینہ، حلق، زبان، مسوڑھے، دانت، ہر ایک انسان کو ایک طرح کا عطا ہوا مگر آوازیں ہر ایک کی جدا جدا ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ باور کرایا اور اپنی قدرت کاملہ کا یہ منظر دکھلایا اور اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ — اور اسی کی نشانیوں میں سے زمین و

(۱) Voical instrument

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِکُمۡ وَاَلۡوَانِکُمۡ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡعٰلِمِیۡنَ (الروم : ۲۲)

آسمان کا بنانا ہے اور تمہارے لب ولہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے اس میں دانشمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

یہ بھی نظامِ فطرت ہے کہ ہر ایک کی زبان الگ ہے اور ایک وقت میں اس کو ایک ہی زبان میں مخاطب کیا جاسکتا ہے، بیک وقت بولنے والا کوئی پیغام ایک وقت میں ایک ہی زبان سے ادا کرسکتا ہے، ہزاروں زبانوں اور لہجوں میں بات نہیں کرسکتا،

اللہ تعالیٰ کی حکمت وقدرت اس سے بھی ظاہر ہے کہ کسی شخص نے اپنی مادری زبان میں بات کی اور اس کو دنیا کی مختلف زبانیں جاننے والے اپنی زبان میں ترجمہ کرکے سمجھ رہے ہیں۔

عرفات کے خطابِ عام میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

فلیبلغ الشاهد منکم الغائب

جو لوگ یہاں موجود ہیں (اور میری بات سن رہے ہیں) وہ ان لوگوں تک میری بات پہونچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں،

اسی طرح نظامِ کائنات ایک اکائی کے مانند چل رہا ہے مقامی اور بین الاقوامی تجارتیں ہورہی ہیں، مواصلاتی نظام قائم ہے، کچھ اشارات متعین ہیں جو زبان کا کام کررہے ہیں۔ راستہ بتانے والے سنگ میل یا پانی کے جہازوں کے وہ جھنڈے جو بتاتے ہیں کہ اس جہاز پر کس کس کمپنی کا مال ہے اور اس کے ایجنٹ کون کون ہیں، جہاز پر کتنے سوار ہیں وغیرہ وغیرہ، غرض دنیا کا کاروبار اسی طرح چل رہا ہے زبان

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اور زبان کے قائم مقام اشارات کے ذریعہ سے انسانی آبادی ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہے، لہٰذا قرآن ایک زبان (عربی) میں نازل ہوا تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ صرف قبیلۂ قریش کے لئے خاص ہے بلکہ وہ سارے عالم کے لئے اور ہر زمانہ کے لئے ہے۔ دوسری آسمانی کتابیں بھی ایک ہی زبان میں نازل ہوئی تھیں، وہ علاقہ جو بالائے عراق سے بیت اللحم تک پھیلا ہوا ہے جس کو (Meso potamia) کہا جاتا ہے اس میں سامی زبانیں (سام بن نوح سے پھیلنے والی نسل کی زبانیں) بولی جاتی تھیں تورات قدیم سریاک Syriac میں نازل ہوئی، انجیل (بقول یہودیوں کے) عبرانی زبان میں نازل ہوئی، زبور قدیم فلسطین کے اس علاقہ میں جہاں بیت اللحم ہے (۱) نازل ہوئی، مؤرخین لسانیات کے اختلافی نظریات کو سردست نظر انداز کیجئے، اتنا تو عقل ونقل ہر اعتبار سے ثابت ہے کہ ان صحف سماویہ میں سے ہر ایک صحیفہ کی علحدہ زبان تھی اور تمام کتب مقدسہ ہدایت کے لئے اتری تھیں اور جو پیغمبر مقرر کیا گیا اسی کی زبان میں وہ صحیفہ نازل ہوا اور سب سے پہلے جن کو پیغام دیا گیا وہی لوگ تھے جن کی مادری زبان وہی تھی جو ان کے وقت میں آنے والے پیغمبر کی زبان تھی، اب یہ سوال کہ قرآن عربی میں کیوں نازل ہوا؟ آرمینی، یا سریاک، یا شمالی نبطی میں کیوں نہیں نازل ہوا؟ بدوؤں کے بیابان کی زبان میں کیوں نازل کیا گیا؟ ایک اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ جزیرۂ عرب میں کیوں مبعوث ہوئے؟ روم یا اس کے پائے تخت کی کوئی عظیم شخصیت کو کیوں نہیں منتخب کیا گیا؟

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ اور کہنے لگے کہ یہ قرآن کلامِ الٰہی ہے

---

(۱) بیت اللحم اس گاؤں کا نام تھا جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی "جزع النخلہ" کا حوالہ قرآن کریم میں ہے، "وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا"

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (تو) ان دونوں بستیوں یعنی مکہ اور طائف کے رہنے والوں میں سے کسی
(الزخرف : ۳۱) بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

اس آیت کی یہی تفسیر جلالین، ابن کثیر اور کشاف نے کی ہے کہ دو بستیوں سے مراد مکہ اور طائف ہے اور وہاں کے بڑے آدمی سے مراد ولید بن المغیرہ اور عروہ بن مسعود الثقفی ہیں، اس تفسیر پر علامہ محمد عبدہ نے نکیر کی ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کے ایک بڑے گھرانے کے فرد نہیں تھے؟ کیا آپ نے کعبہ کا بنیادی پتھر نہیں رکھا؟ جو ایک غیبی اعلان تھا کہ اللہ نے آپ کو بڑا بنایا۔ لہٰذا اعتراض کرنے والے کہ قرآن دو بستیوں میں سے کسی ایک بستی کے بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا، ''قریتین'' سے روم اور فارس کا پایۂ تخت مراد لے رہے تھے اور بظاہر ایسا ہی محسوس ہوتا تھا کیوں کہ رومیوں اور پارسیوں کی اس زمانہ میں ہیبت اور حکومت تھی جیسے آج کل کوئی کہے کہ یورپ اور امریکہ کا بڑا آدمی کیوں نہیں اس کام کے لئے منتخب کیا گیا؟ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کو چیلنج کرنے والوں کے سامنے روم کا پایۂ تخت تھا یا فارس کا، اس آیت کریمہ میں اس اعتراض کے ساتھ ایک اعتراف بھی پوشیدہ ہے وہ یہ کہ اہل عرب میں قرآن اور حاملِ قرآن کا ایک بلند ترین مقام تھا ان کے خیال میں مکہ کے ایک غریب گھر کا فرد خواہ وہ نسبی اعتبار سے اور خاندانی وجاہت کے لحاظ سے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو مگر پیمانۂ عظمت اس زمانہ میں بھی دولت اور شہرت تھا، صادق وامین ہونا اور پوری بستی والوں کے لئے اخلاق وانسانیت کا نمائندہ ہونا کافی نہیں تھا،

بہر حال جو بھی تاویل کی جائے کفار کے اعتراض سے یہ بات جھلکتی ہے کہ وہ رسول اور قرآن دونوں کو باعظمت تسلیم کر رہے تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قرآن کریم جس ذات گرامی پر نازل ہوا اُسی کی زبان اور لہجہ میں دعوتِ حق دی گئی، یہ نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص ایسی زبان میں دعوت دے جس کو امتِ دعوت نہ سمجھ رہی ہو، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا اور قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس کو جتلایا کہ ہم نے قرآن کریم کو عربی زبان میں اتارا ہے تاکہ تم سمجھ سکو، قرآن کریم کے اولین مخاطب اگر اس کے پیغام کو نہ سمجھ سکتے تو وہ کس طرح دوسروں کو سمجھاتے اور دوسرے کس طرح اپنے اپنے حلقے میں پیغام رسائی کا فریضہ انجام دیتے، لہٰذا اس زمانہ کے یہودیوں اور نصرانیوں کے پروپیگنڈے کی قلعی کھل جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن عربی زبان میں اس لئے نازل ہوا تاکہ اہلِ مکہ اور اہلِ طائف کی اصلاح ہوسکے ہر زبان اپنے قاعدے کے ماتحت بولی اور لکھی جاتی ہے غیر اہلِ زبان جب اس کو سیکھتے ہیں تو محتاج ہوتے ہیں کہ اس نئی زبان کے قواعد کو سمجھیں، چنانچہ قرآن کریم کی بدولت ساری دنیا کے مسلمانوں نے اور نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ معاندوں نے بھی عربی زبان کے قواعد سیکھے اور اس کو تحریری شکل میں محفوظ کرلیا۔

قرآن کریم میں سورۂ توبہ کی یہ آیات ملاحظہ ہوں،

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے
اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ	ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو
الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ	اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے
اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ	کہ ان کو جنت ملے گی، وہ لوگ اللہ

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْآنِ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ O

(التوبة : ۱۱۱)

کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے توریت میں بھی اور انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی اور (یہ مسلم ہے کہ) اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے (اللہ تعالیٰ) سے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں تورات وانجیل کا اتباع کرنے والی قوم کو جنت کی بشارت دی گئی ہے خواہ اس کی مادری زبان کچھ بھی ہو۔(۱)

قرآن کریم سے پہلے جو آسمانی کتابیں نازل ہوئی تھیں، وہ سب برحق تھیں، اور یہ ایمان رکھنا کہ وہ اللہ کی طرف سے بشریت کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی تھیں، ہمارے ایمان میں داخل ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ

اعتقاد رکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور

(۱) جس طرح تورات وانجیل کے ماننے والے عرب کے باشندے ہوں یا عجم کے، اسی طرح قرآن کے ذریعہ نجات حاصل کرنے والے دنیا کے کسی گوشہ کے ہوں اور ان کی زبان جو بھی رہی ہو قرآن کے ابر کرم سے سب سیراب ہوں گے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

رُسُلِهٖ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ	مؤمنین بھی سب کے سب عقیدہ رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کہ ہم اس کے سب پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔
(بقرہ : ۲۸۵)	

لٰہذا قرآن سے پہلے جو آسمانی کتابیں نازل ہوئی تھیں سب اپنے اپنے پیغمبر پر اسی پیغمبر کی زبان میں نازل ہوئی تھیں ان پر کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ تورات کیوں عبرانی زبان میں نازل ہوئی ؟ لٰہذا یہ کتاب خاص طور سے ان لوگوں کے لئے جن کی زبان عبرانی ہے اور عبرانی قوم (عراق کے بالائی حصے سے لے کر بیت المقدس تک) پائی جاتی تھی اوران زبانوں میں، سریانی، حبشی، کلدانی، عبرانی مختلف زبانیں تھیں، اور ہر زبان اپنی لسانیاتی خصوصیات سے آراستہ اور خلقِ خدا کو ہدایت کا راستہ بتانے کی اعلیٰ ترین تعبیرات کی مالک تھی، لٰہذا اس کو غیر سامی قوموں کے لئے بے کار ہونا چاہئے تھا۔

اسی طرح ایک جگہ فرمایا گیا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا	جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے۔
(الجمعة : ۵)	

یعنی جو لوگ تورات کی تلاوت کرتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے، وہ

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

گدھوں کے مانند ہیں۔

یہاں بھی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جیسا تورات نازل ہورہی تھی، ساری مخلوق کواس کے تابع کیا گیانہ کہ صرف عبرانی جاننے والوں کو۔

اوپر رسول اللہ ﷺ کاارشادگرامی نقل کیا گیا ''فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ'' مقصد یہ ہے کہ صحیفہ آسمانی ایک وقت میں ایک ہی زبان میں نازل ہوا کرتا تھااور جس کو یہ پیغام دیا گیا تھااس کی زبان میں اس کوخطاب کیا گیا،اور جولوگ اس زبان کو نہیں سمجھتے تھےوہ ترجمہ سے کام لیا کرتے۔

اب رہا معاندینِ قرآن کا یہ کہنا کہ قرآن میں جو مذموم صفات اہلِ عرب کی بیان کی گئی ہیں وہ سب اہلِ مکہ میں پائی جاتی تھیں،اس کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُوْلُوْنَ إِلَّا كَذِبًا (الکهف : ۵)

بڑی بھاری بات ہے جوان کے منہ سے نکلتی ہے اور وہ لوگ بالکل ہی جھوٹ بولتے ہیں۔

مستشرقین کے اس دعویٰ کا مطلب یہ ہوا کہ ساری دنیا اس وقت اچھے اخلاق، سچے عقیدے،اوراعلیٰ کردار کی حامل تھی،اور جو کچھ عیوب تھے وہ صرف اہلِ مکہ میں پائے جاتے تھے،مستشرقین نے اپنی شرارت پسندی سے اس حقیقت کوفراموش کردیا کہ برے اخلاق میں ساری دنیا مبتلا تھی،کردار کی بنیادی اصلاح ہر جگہ مطلوب تھی،اس حقیقت کو سمجھنے کے باوجود یہ کہنا کہ قرآن صرف جزیرۂ عرب کے باشندوں کے لئے نصیحت نامہ ہے(جس سے ان جن بداخلاقیوں کی اصلاح مطلوب تھی جو اہل مکہ ہی میں پائی جاتی تھیں،گویا یہی دلیل ہوئی کہ قرآن صرف اورصرف اہلِ مکہ کی اصلاح کے لئے وضع کیا گیا) انتہائی جہالت،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ضد اور ہٹ دھرمی کی بات ہے۔ حالانکہ اہلِ مکہ امن کے محافظ تھے، حاجیوں کو پانی فراہم کرنا، (جو اس زمانہ کا بڑا اہم کارنامہ تھا) شہر مکہ جہاں کعبہ ہے اس کو مقامِ امن قرار دینا، دوسرے قبائل سے لوگوں کا پناہ لینے کے لئے بھاگ کر آنا، جان، مال، عزت، آبرو کی حفاظت کا پورے عالم میں سب سے بڑا مرکز تھا، سورہ قریش کی تلاوت کرو ''اَلَّذِیْ اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ'' سے ثابت ہے تمام ممالک میں صرف مکہ دارالامن تھا۔ ایک عرب شاعر جو کبھی بہک بھی جاتا، اس پر رندی و مستی کا غلبہ ہوتا تب بھی کسی مظلوم کی دادرسی کو وہ اپنا فرض سمجھتا تھا، ''معلقات سبع'' کا دوسرا معلقہ دیکھئے، شاعر کہتا ہے کہ ''میری زندگی کے تین مقصد ہیں، عیش و عشرت، کسی مظلوم کی دادرسی اور جب آسمان بھیگا ہوا ہو، ہلکی ہلکی بارش ہو رہی ہو اس وقت نہر کے کنارے خیمے ڈالنا وغیرہ وغیرہ'' جاہلی شاعر کے عیش کا جو تصور ہے وہ اسی قدر تھا۔ اور جوانی میں جہاں وہ شراب نوشی اور عیش کوشی کو نہیں بھولتا وہیں کسی مظلوم کی دادرسی کو بھی فراموش نہیں کرتا (۱)

اہلِ مکہ کا قلبی و ذہنی تعلق انہی قبائل سے تھا، حضرت مصعب بن عمیرؓ ستر گھروں میں غذا پہونچایا کرتے تھے، سیدنا زین العابدینؒ (علی بن حسینؓ) راتوں کو غلے کی بوریاں خاموشی سے لوگوں کے گھر پہونچایا کرتے اور آپ کی

---

(۱) عرب شاعر جس کا اوپر حوالہ دیا گیا کہ وہ عیش کوشی میں بھی دوسروں کی مدد کا جذبہ رکھتا ہے وہ طرفہ بن العبد بن سفیان ہے، معلقات سبع میں دوسرا معلقہ اسی کا ہے جس میں وہ کہتا ہے:

ولولا ثلاث هن من عيشة الفتى — وجدّك لم احفل متى قام عودى
فمنهن سبقى العاذلات بشربة — كميت متى ما تعل بالماء تزبد
وكرّى اذا نادى المضاف مجنبا — كسيد الغضا نبهته المتورد
وتقصير يوم الدجن والدجن معجب — ببهكنة تحت الخباء المعمّد

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پشت پر ان رسیوں کے نشان تھے جو بوریوں کو اپنی پیٹھ اور سینے پر اٹھانے کی وجہ سے پڑ گئے تھے۔ان کے برخلاف یہودی اس وقت سے لے کر آج تک دنیا کی سب سے زیادہ دھوکے باز، سازشی، اور خود اپنے پیغمبر کے خلاف تحریک چلانے والے تھے، کیا وہ یہودی نہیں تھے جنہوں نے کہا تھا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (المائدة : ۲۴)

تو آپ اور آپ کے اللہ میاں چلے جائیے اور دونوں لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں۔

جنگ میں سب سے پیچھے، شجاعت و جوانمردی میں بے کار محض اور سازش اور دھوکے بازی میں سب سے آگے ان کے وہ علماء تھے جو اپنے فتوے بیچا کرتے تھے جس نے زیادہ رشوت دے دی اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جن کو بار بار جتلایا گیا:

وَلَا تَشْتَرُوْ بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا (البقرة : ۴۱)

اور مت لو بمقابلہ میرے احکام کے معاوضۂ حقیر کو،

ان کی سازشوں کی کثرت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ کید و مکران کے کردار کا لازمہ بن گیا اور اس کو قرآن نے کھول کر بتایا ہے۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (آل عمران :۵۴)

اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ تعالیٰ سب تدبیریں کرنے والوں سے اچھے ہیں۔

اور ایک جگہ فرمایا گیا ہے۔

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّ اَكِيْدُ

(ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ) یہ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

كَيْدًا فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا (الطارق: ۱۷)

لوگ نبی حق کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کررہے ہیں اور میں بھی ان کی ناکامی اور عقوبت کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کررہا ہوں تو آپ ان کافروں (کی مخالفت کو) یوں ہی رہنے دیجئے اور زیادہ دن نہیں بلکہ ان کو تھوڑے ہی دنوں رہنے دیجئے۔

سودخوری نصرانیوں کا پیشہ تھا، جب کہ عربوں میں بہت ہی گنے چنے افراد اتنی دولت رکھتے تھے کہ سودی کاروبار چلائیں، اس کے باوجود یہودی ونصرانی علماء (جنکو مستشرقین کہا جاتا ہے کیوں کہ وہ مشرق کے علوم پر مہارت کا دعویٰ کرتے ہیں) یہ بیان کرتے ہیں کہ معاشی اور اقتصادی برائیاں صرف عربوں میں محدود تھیں حالاں کہ جن مذموم صفات کا قرآن نے رد کیا ہے وہ سب صرف اہلِ مکہ کی نہیں بلکہ پوری دنیا کے اخلاق وتمدن کی نشان وعلامت تھیں۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ علیہ نے اپنی تالیف "السیرۃ النبویۃ" یا "نبی رحمت" میں ساری دنیا کا جائزہ لے کر دکھایا ہے کہ بدامنی وبداخلاقی ساری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی اور سب سے کم اہلِ مکہ میں تھی۔

اِنَّ اللّٰہ نظر الی اھل الارض فمقتھم (۱)

اللہ تعالیٰ نے عرب وعجم سب پر نظر ڈالی اور ان کو ناپسند فرمایا

---

(۱) اخرجہ الطبرانی فی الکبیر عن عبد اللہ بن احمد بن حنبل اسکا دوسرا جزء بعض دوسری کتابوں میں یہ ہے "فاختارکم منھم" ان عرب وعجم قوموں میں آپ اہلِ عرب کو پسند کیا جو وحی کی امانت کے اہل ہوں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اسلام، قرآن اوران پر ایمان رکھنے والوں کے نزدیک یہ مسئلہ کوئی پیچیدہ نہیں تھا کہ قرآن نے ''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ'' کہہ کر ساری دنیا کو مخاطب کیا ہے جو نزولِ قرآن کے وقت میں تھے یا بعد میں آئے مگر شیخ جاراللہ زمخشری (م ۵۳۸ھ) نے اپنی تفسیر کشاف (حقائق التنزیل فی وجوہ التاویل و عیون الاقاویل) میں حضرت علقمہؒ سے یہ روایت کی ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں بھی ''یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ'' آیا ہے اس کا مطلب ہے: اے اہلِ مکہ وطائف اور جہاں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ہے اس کے مخاطب اہلِ مدینہ ہیں، یہ بات اگر اس طرح کہی گئی ہوتی کہ بعض مقامات پر یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ سے خطاب اہلِ مکہ اور طائف کو کیا گیا ہے تو اعتراض کی گنجائش نہ تھی اور نہ معاندین کے ہاتھ میں ہمارے خلاف استعمال کرنے کے لئے کوئی حیلہ ہوتا، سورہ بقرہ کی ان آیات کو دیکھئے جو بالاتفاق مدنی ہیں:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ: ۲۱-۲۲)	اے لوگو! عبادت اختیار کرو اپنے اس پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں، عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اور برسایا آسمان سے پانی پھر پردۂ عدم سے نکالا بذریعہ اس پانی کے پھلوں کی غذا کو تم لوگوں کے واسطے، پس اب تو مت ٹھیراؤ اللہ پاک کے مقابل اور تم جانتے بوجھتے ہو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ان آیات کے مخاطب کیا صرف اہلِ مکہ اور طائف تھے؟ گویا کہ صرف اہلِ مکہ وہ تھے جن سے کہا گیا کہ تم کو اور تم سے پہلے کے لوگوں کو جس رب نے پیدا کیا ہے اس کی عبادت کرو، اور آگے تقویٰ کی دعوت کے مستحق صرف اہلِ مکہ کو قرار دیا گیا ہے؟ گویا کہ صرف وہی لوگ تھے جن کے لئے زمین کو فرش، آسمان کو چھت بنایا گیا؟ اور جن کے لئے پانی برسایا گیا؟ حالاں کہ یہ وہ نصیحت ہے جو ساری دنیا میں بسنے والے انسانوں کو متنبہ کرتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مستشرقین نے اس کو بہت اچھالا کہ قرآن صرف اہلِ مکہ اور اہلِ طائف کی اصلاح کے لئے وضع کیا گیا ہے، حالاں کہ ان آیات کو دیکھئے جو اوپر نقل کی گئی ہیں، اور ان کی تفسیر کو دیکھئے جن کا مخاطب ساری دنیا کو بنایا گیا، پھر یہ دعویٰ کیا جائے کہ قرآن میں جہاں اے لوگو! (یَآ اَیُّھَا النَّاسُ) کہا گیا، اس سے مراد اہلِ مکہ ہیں، اور جہاں یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کہا گیا وہ خواہ مکہ کے لوگ ہوں مگر مراد اہلِ مدینہ ہیں کتنا کھلا تضاد ہے کہ تنبیہ ساری دنیا کو کی جائے اور دعویٰ یہ کیا جائے کہ اس سے مراد صرف اہلِ مکہ ہیں۔

اسی طرح چوری، ڈاکہ زنی، دھوکہ بازی، سودخوری، ساری دنیا میں پھیلے ہوئے عیوب کو سمیٹ کر اہلِ مکہ کی طرف منسوب کرنا، عقل ونقل دونوں سے بعید ہے، اور جن بزرگ کی یہ روایت ہے وہ بھی ان کی رائے ہے کوئی حدیث نہیں ہے۔ لکھا ہے کہ ابراہیم نے علقمہ سے روایت کی ہے، کہ ”یَآ اَیُّھَا النَّاسُ“ سے مراد اہلِ مکہ ہیں، یہ بات کلیہ کے طور پر اور کسی مسلمہ اصول کی شکل میں تسلیم نہیں کی جاسکتی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

باب دوم

قرآن کے علوم ومعارف

وہ مضامین جو علومِ قرآن پر غور و بحث کرنے والے علماء نے ذکر کیے ہیں اوران کے تشفی بخش جوابات بھی دیئے ہیں ان میں بعض مضامین ایسے ہیں جن کو معاندین نے پھیلایا اور بڑھایا ہے اور قرآن کا نقص بتایا ہے اور قرآن پر نقص کا الزام درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر حملہ ہے، ان سے واقفیت ہمارے ان طلبہ اور نوجوانوں کو ہونی چاہیے جو غیر مسلم معاشرہ میں پل اور بڑھ رہے ہیں اور جہاں ان کی ذہنی نشو ونما ہورہی ہے، وہ مضامین یہ ہیں:

۱۔قرآن میں غیر عربی الفاظ

۲۔اسرارِ تکرار

۳۔اللہ تعالیٰ کے لئے متکلم صیغہ یا ضمیر واحد یا جمع

۴۔صرفہ

قرآن میں غیر عربی الفاظ

قرآن میں ایک خاصی تعداد میں ایسے الفاظ وارد ہوئے ہیں جن کی اصل عربی نہیں ہے جیسے ”زنجبیل، زمہریر، قسطاس، کافور،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

باب دوم

قرآن کے علوم ومعارف

وہ مضامین جو علومِ قرآن پر غور و بحث کرنے والے علماء نے ذکر کئے ہیں اوران کے تشفی بخش جوابات بھی دیئے ہیں ان میں بعض مضامین ایسے ہیں جن کومعاندین نے پھیلایا اور بڑھایا ہے اور قرآن کا نقص بتایا ہے اور قرآن پر نقص کا الزام درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر حملہ ہے، ان سے واقفیت ہمارے ان طلبہ اور نوجوانوں کو ہونی چاہئے جو غیر مسلم معاشرہ میں پل اور بڑھ رہے ہیں اور جہاں ان کی ذہنی نشو ونما ہورہی ہے، وہ مضامین یہ ہیں:

۱۔قرآن میں غیر عربی الفاظ

۲۔اسرارِ تکرار

۳۔اللہ تعالیٰ کے لئے متکلم صیغہ یا ضمیر واحد یا جمع

۴۔صرفہ

قرآن میں غیر عربی الفاظ

قرآن میں ایک خاصی تعداد میں ایسے الفاظ وارد ہوئے ہیں جن کی اصل عربی نہیں ہے جیسے ''زنجبیل، زمہریر، قسطاس، کافور،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عبقری" وغیرہ ان کے متعلق قدیم مفسرین کی تین مختلف رائیں ہیں:

۱۔ یہ غلط ہے کہ قرآن میں غیر عربی الفاظ ہیں، بعض الفاظ جو کسی غیر عربی زبان کے ہیں بھی تو ان کو عربی کے قواعد وصرف پر ڈھال دیا گیا ہے بہت سے الفاظ کی جمع عربی قاعدہ پر بنائی گئی ہے اور ان کو عربی زبان کا لباس پہنا دیا گیا، ان کو اعراب، نحوی قاعدہ کے مطابق دیئے گئے ہیں۔

جن حضرات کا یہ خیال ہے ان میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ قرآن میں غیر عربی الفاظ ہیں وہ بڑی بات منہ سے نکالتا ہے اس کو چاہیئے کہ توبہ کرے، اسی طبقۂ علماء میں ابن جریرؒ، ابوعبیدہ، قاضی ابوبکر اور ابن فارس ہیں۔

ان کے انکار کا سبب یہ ہے کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ قرآن غیر عربی زبان کے الفاظ سے ترتیب پایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن نے جو کہا ہے، اِنَّآ اَنْزَلْنَاهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (نعوذ باللہ) غلط دعویٰ ہوگا اور عربی کا دامن اس درجہ تنگ ماننا پڑے گا کہ ان مطالب کو ادا کرنے کے لئے قرآن کو غیر عربی زبان سے مدد لینی پڑی اور یہ بات قرآن کریم کے اس ارشاد کے خلاف ہوگی:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ (حٰمٓ السجدة: ۴۴)

اور اگر ہم اس کو عجمی (زبان کا) قرآن بناتے تو وہ یوں کہتے کہ اس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں، یہ کیا بات کہ عجمی کتاب اور عربی رسول،

اس موقع پر مصری شاعر حافظ ابراہیم کا یہ شعر یاد آجائے تو بے محل نہ ہوگا۔ عربی زبان اپنی دفاع میں کہتی ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وسعت كتاب الله لفظا و غاية
وما ضقت عن آي به وعظات (۱)

اس سلسلہ میں مفسرین کی آراء کو پہلے سمجھنے کی کوشش کی جائے، پھران تمام نظریات کی تحلیل کر کے حقیقت تک پہونچنے کی سعی کرنا ہمارا علمی و دینی فریضہ ہے۔

۲۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ یہ الفاظ گو عربی کے نہیں ہیں مگر سامی زبانوں میں سے کسی نہ کسی زبان میں بولے جاتے تھے، جیسے قسطاس (ترازو) رق (کاغذ) (رق منشور) اور عربی بھی ان سامی زبانوں میں ایک زبان ہے، ان سامی زبانوں کا ایک خاندان ہے، خاندان لسانی میں ایک زبان دوسری زبان سے اور دوسری تیسری سے الفاظ مستعار لیتی رہتی ہے۔

۳۔ تیسرا نظریہ یہ ہے کہ یہ الفاظ جن کے غیر عربی ہونے کا گمان ہے اصلاً عربی ہی تھے دوسری زبانوں نے ان کو قبول کر لیا تھا، جب قرآن کریم نازل ہوا تو اس نے ان کو اپنے خزانہ میں واپس لے لیا۔

اس سلسلہ کا پہلا نظریہ سب سے زیادہ جاندار ہے، لسانیاتی تجزیہ کے مطابق ہے اور دوسرے نظریہ سے زیادہ قریب ہے جس کے مطابق وہ الفاظ جو قرآن کریم میں وارد ہوئے ہیں اور اصلاً غیر عربی زبان کے ہیں ان کو عربی بولنے والوں نے قبول کر لیا اور اس کی وضع وتراش عربی کی ہوگئی، لہذا ان کو عربی میں شمار کیا جائے گا اور اس کی مثال ہر زبان میں ملتی ہے کہ چند الفاظ دوسری زبان سے مستعار

(۱) شعر کا ترجمہ: (گویا کہ عربی زبان اپنی زبانِ حال سے کہہ رہی ہے کہ) میں وہ زبان ہوں کہ کتاب اللہ کے لفظ و معنی کو میں نے اپنے اندر سمیٹ لیا ہے اور کسی آیت یا نصیحت کو بیان کرنے سے قاصر نہیں رہی۔ اس کے آگے کے اشعار میں یہ ہے کہ عربی زبان حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہے کہ کیا چند آلات اور مشینوں کو بیان کرنے سے میں عاجز رہوں گی؟؟

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لے لئے جاتے ہیں ان کو اصطلاح میں Borrowed vocabulary

کہا جاتا ہے،

رہا یہ نظریہ کہ یہ لفظ عربی زبان کا تھا، دوسری زبانوں نے عربی سے لے کر اپنی زبان میں رائج کر دیا اور جب قرآن نازل ہوا تو یہ الفاظ واپس لے لئے، تو یہ قیاسی بات ہے اور کوئی دلیل نہیں ہے کہ کس زبان کا لفظ تھا یا کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس سے یہ سمجھا جائے کہ فلاں زبان میں یہ لفظ بہت پہلے سے چلا آ رہا ہے اسی طرح یہ کہنا بھی قیاسی امر ہے کہ یہ لفظ اصلاً عربی کا تھا، دوسری زبان نے قبول کر لیا تھا پھر قرآن نے اس کو واپس لے لیا یہ بات بھی عجیب و غریب ہے کہ کوئی ایسی زبان جس میں کوئی لفظ عربی سے لیا گیا ہو اور اس کا نظم و نثر میں کہیں سراغ نہ ملتا ہو، اور نہ زمانے کا تعین ہو جب کہ یہ تاریخی حقیقت سب کو معلوم ہے کہ موجودہ عربی جس میں قرآن نازل ہوا اور جواب تک باقی ہے۔ وہ سنہ ۲ء (۱) سے پہلے نہیں سنی اور پڑھی گئی، بعض قبروں کے کتبے دکھاتے ہیں کہ اس وقت کی زبان جنوب یمن کا کوئی لہجہ (Dialect) ہے، جیسے کلدانی، حمیری، کنعانی وغیرہ لہٰذا کوئی پوچھ سکتا ہے کہ یہ الفاظ جو عربی سے نکل گئے تھے پھر عربی میں واپس ہوئے تو کس لہجہ کے تھے۔؟

یہ سب تو تاریخی باتیں ہوئیں موجودہ فن لسانیات کی رو سے یہ اعتراض ہی صحیح نہیں ہے کہ قرآن میں غیر عرب زبان کے الفاظ بھی داخل ہیں اور اس سے لسانیاتی ڈھانچہ میں فرق پڑ گیا، دراصل زبان کے تین اجزاء تسلیم کئے گئے ہیں اسم، فعل، حرف۔ فعل اور حرف سے زبان کا تشخص بنتا ہے اور ایک زبان دوسری زبان سے مختلف ہوتی ہے اور جہاں تک اسم کا تعلق ہے فلسفہ لسانیات

---

(۱) سنہ ۲ء عیسوی میں عہد رسالت سے چھ سو برس پہلے یہ عربی وجود میں آئی جس میں قرآن نازل ہوا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

میں اس کا کوئی مقام نہیں ہے، راقم نے اپنے مختلف محاضرات میں یہ مثال دی ہے کہ ایک کمرہ اپنی دیوار، چھت اور در سے پہچانا جاتا ہے، اگر اس کا فرنیچر مشرقی ہو تو کمرے کی ہیئت میں فرق نہیں آئے گا اور اگر مغربی طرز کی عمارت ہے تو فرنیچر کے مشرقی ہونے سے کمرے کے تشخص میں کوئی فرق نہیں رہے گا، فرنیچر بدلے جاسکتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں، اس کی بناء پر یہ نہیں کہا جاتا کہ مکان بدل گیا یا اس کا ڈھانچہ تبدیل ہو گیا، ہاں اگر متعلقات فعل، حروفِ جر، حروفِ ربط، میں فرق پڑ جائے تو پھر وہ زبان بدل جائے گی، مثال کے طور پر مالٹا کی موجودہ زبان (مالطی) کہی جاتی ہے حالاں کہ اس کے اندر نوے فیصدی سے زیادہ عربی الفاظ ہیں جو ترکوں نے اپنے عہد حکومت میں رائج کئے تھے، جیسے شارع، مسجد، داخل، خارج، منزل، بعید، قریب (۱) یہ سب وہاں کی زبان میں اب بھی بولے جاتے ہیں، مگر وہاں کی زبان کو عربی نہیں کہا جاتا کیوں کہ قاعدۂ اشتقاق وہ نہیں رہا جو عربی کا ہے، نحوی ترکیب میں فرق آ گیا، حروف جر بدل گئے، اس طرح اس تقریر کا خلاصہ یہ ہوا کہ اسماء کے اضافہ سے یا مستعار الفاظ کے قبول کئے جانے کی وجہ سے کوئی زبان نہیں بدلتی، لہٰذا یہ کہنا کہ قرآن میں غیر عربی الفاظ ہیں، اپنی جگہ پر صحیح ہے اور قرآن کا یہ دعویٰ کہ وہ عربی زبان میں نازل کیا گیا تا کہ ام القریٰ یعنی مکہ اور اس علاقے کے افراد مفہوم کو اچھی طرح سمجھ سکیں، یہ بھی قطعی اور یقینی بات ہے۔

امام سیوطیؒ جو اپنی کتابوں سے استفادہ کرنے والے کو مایوس نہیں کرتے اور جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس کا حق ادا کر دیتے ہیں، موصوف نے ''الاتقان'' میں ان الفاظ کی فہرست دی ہے جو قرآن میں وارد ہوئے ہیں اور ان

---

(۱) Prof Assrlin university leeds Arabic in Malta، پروفیسر اسرلین، مالٹا کی قدیم زبان، لیڈس یونیورسٹی انگلینڈ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کی اصل فارسی، یونانی، ترکی، وغیرہ ہیں جن کا نمونہ ہم "الاتقان" سے نقل کرتے ہیں۔

قسم (۳۸) الاتقان جلد اول

لفظ	اصلاً کس زبان کا ہے	ترجمہ و معنی	حوالہ
أباریق	فارسی	پانی نکالنے کا برتن	الواقعة:۵۶
ابلعی	حبشی	نگل لے	هود:۱۱
ارائك	حبشی	مسند	الدهر:۷۶
اسفارا	سریانی	بوجھ	الجمعة:۶۲
اصری	نبطی	بوجھ	آل عمران:۸۱
الیم	عبرانی	سخت عذاب	البقرة:۲
آذر	حبشی	حضرت ابراہیمؑ کے والد آذر کالقب (بت پرست)	الانعام:۱

اسی طرح ایک سو چار ایسے الفاظ ہیں جن کا غیر عربی ہونا ثابت ہے ان کے علاوہ چند الفاظ مشتبہ ہیں، ان کی اصل عربی بھی ہو سکتی ہے اور غیر عربی بھی۔ سب مل کر (۱۳۸) الفاظ ہوتے ہیں چوں کہ ان الفاظ کی اصل سمجھنے سے کوئی علمی فائدہ نہیں ہے اور نہ ان سے قرآن فہمی میں مدد ملے گی اس لئے ہم صرف نمونے کے چند الفاظ پر اکتفا کر رہے ہیں ان میں کچھ الفاظ ہندی بھی ہیں جیسے کافور، فارسی بھی ہیں، جیسے زمھریر، یونانی بھی ہیں جیسے عبقری، للہذا یہ کہنا کہ یہ اصلاً عربی تھے پھر دوسری زبانوں میں قبول کر لئے گئے تھے، پھر قرآن کریم نے ان کو عربی خزانہ میں واپس لے لیا بلا ثبوت اور غیر علمی بات ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اسرارِ تکرار

(الف) قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے اور اس پر ایمان رکھنے والے مسلمان بھی بعض مسائل میں الجھن محسوس کرتے ہیں، ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایک بات کو بار بار کیوں کہا گیا؟ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو کہیں مختصر اور کہیں مفصل کثرت کے ساتھ کیوں ذکر کیا گیا؟ ہم ذیل کی سطور میں کوشش کریں گے کہ اس سلسلہ میں جو قدیم مفسرین نے لکھا ہے ان کا خلاصہ بیان کردیں، نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے ناچیز بندہ کو جو شرح صدر اس سلسلہ میں عطا فرمایا ہے وہ بھی پیش کردیں۔

قرآن مجید میں تکرار کی کئی شکلیں ہیں۔

۱۔ ایک آیت کا کئی جگہ نازل ہونا، ایک ہی آیت کسی میں ایک لفظ یا حرف کی کمی بیشی یا تقدیم وتاخیر کے ساتھ یا بغیر کسی ترمیم کے وارد ہوئی ہے۔

مثال کے طور پر سورہ ''صف'' میں:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِؤُا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ۔

(الصف : ۸)

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دینِ اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھادیں حالاں کہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہونچا کر رہے گا گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔

اور دوسری جگہ سورہ ''توبہ'' میں یہی آیت اس طرح نازل ہوئی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِؤُا نُوْرَاللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (التوبة : ۳۲)

وہ لوگ (یوں) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دینِ اسلام) کو اپنے منھ سے بجھادیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ بدون اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہونچا دے، مانے گا نہیں گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔

ان دونوں آیتوں میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ صرف حرف ''علت'' اور دوسری جگہ ''ان'' مصدریہ آیا ہے یعنی ''لِيُطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰهِ'' اور دوسری جگہ ''اَنْ يُّطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰهِ''، بظاہر دونوں کے معنی میں فرق نہیں ہے مگر علماء مفسرین نے ان دونوں آیتوں کو نحوی اعتبار سے مختلف پایا ہے، علامہ حبنکہ المید انی اپنی کتاب ''قواعد تدبر القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ ''ليطفؤا'' اور ''ان يطفؤا'' دونوں میں فرق ہے۔ ''ليطفؤا'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ چراغ مصطفوی کو ہمیشہ کے لئے بجھانا چاہتے ہیں اور اس کی پلاننگ کرتے رہتے ہیں مگر ابھی اس منزل پر نہیں پہونچے کہ اس چراغ کو بجھا سکیں، اور جہاں ''ان يطفؤا'' آیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کو جڑ سے ختم کرنے اور دنیا سے ناپید کرنے کی تیاری کر لی ہے اور اپنی مہم کی شروعات کر چکے ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ دونوں آیتیں ایک ہی معنی میں دو مقامات پر وارد ہوئی ہیں صحیح نہیں ہے۔ دونوں کے پسِ منظر اور مقصد میں فرق ہے اگر چہ یہ بات بہت ہی باریک اور علمی ہے لیکن اس سے پتہ چلتا ہے کہ علماء نے اس کو بڑی اہمیت کے ساتھ تطبیق دی ہے۔ اسی طرح ایک دلچسپ معرکہ ماہرین علوم قرآن کے نزدیک ''لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَااكْتَسَبَتْ'' میں آخری لفظ ''كَسَبَتْ'' اور ''اِكْتَسَبَتْ'' کے سلسلہ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

میں برپا ہے کہ دونوں ہم معنی ہیں تو پھر دو لفظ اختیار کرنے کا کیا سبب ہوا؟

الفرّاء ،(م ۲۰۷ھ) نے اپنی کتاب ''معانی القرآن'' میں دکھایا ہے کہ باب ''افتعال'' ''ماخذ'' کا غیر طبعی حصول دکھاتا ہے۔''فَعَلَ'' کے معنی ''کیا'' ''اِفْتَعَلَ'' کے معنی ''کام کرنے کی بناوٹ کی'' اسی طرح معروف وہ ہے جس کو فطرت انسانی پہچانتی ہے اور اس پر عمل آسان ہے، اور منکر وہ ہے جو آدمی اپنی فطرت کو بگاڑ کر اور مزاج کا رخ بدل کر اپناتا ہے۔ لہٰذا ''مَا اکْتَسَبَتْ'' کا مفہوم یہ ہوا کہ جس نے معروف کی شکل بگاڑ کر دنیا سے اپنے آپ کو دور کرلیا، اور ایسے عمل کئے جو دین سے دور رہنے والا کرسکتا ہے لہٰذا ''مَا کَسَبَتْ وَ عَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ'' کا مطلب یہ ہوا کہ جس نے فطرت انسانی کے پہچانے (معروف) کے کام کئے ۔اور جو فطرت کے خلاف بدی اور منکر پر عمل پیرا رہا اس کو اس کے کرتوت کے مطابق بدلہ ملے گا۔

شیخ عبد القاہر الجرجانی (م ۴۷۱ھ) مصنف ''اسرار البلاغة'' و ''دلائل الاعجاز'' نے ''شافية'' میں لکھا ہے کہ فراء کی تکلف پسندی اور بے دلیل ایک بات کو تفسیر پر محمول کرنے کی غلط کوشش اصل زبان کا سلیقہ نہ ہونے کی دلیل ہے، دونوں لفظ ''کسبت'' ''اکتسبت'' ایک ہی معنی میں وارد ہوئے ہیں، لفظ کا فرق اس لئے ہے کہ عرب اسی طرح بولا کرتے تھے۔

یہ بات عاجز راقم نے اس طرح سمجھی ہے کہ اگر کسی معمولی شخص کا انتقال ہوجائے تو ہم اردو والے کہتے ہیں فلاں آدمی مر گیا، لیکن اگر خبر دینے والا اپنے باپ یا کسی بزرگ کی موت کا ذکر کرے گا تو کہے گا ان کا وصال ہوگیا، رحلت ہوگئی وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا ایک مفہوم کے لئے ہر زبان میں مختلف الفاظ بدل بدل کر بولے اور لکھے جاتے ہیں اور مفہوم محض ایک ہوتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

صرف اسی لفظ کے لئے یہ نظام نہیں ہے بلکہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ایسے الفاظ آئے ہیں۔ مثال کے طور پر ''اِسۡتَوۡقَدَنَارًا'' کے معنی وہی ہیں جو ''اَوۡقَدَ نَارًا'' کے ہیں، یا ''فَلَمۡ یَسۡتَجِبۡهُ'' کے بعینہ وہی معنی ہیں جو لفظ ''یُجِبۡهُ'' کے ہیں، ایک جاہلی شاعر کا کلام بھی سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

کعب بن سعد الغنوی کا شعر ہے:

وداعٍ دعا : یا من یجیب الی الندی

فلم یستجبه عند ذٰلك مجیب

(ایک پکارنے والے نے پکارا اے وہ کہ سخاوت طلب کرنے والے کی دعوت قبول کرتا ہے لیکن کسی قبول کرنے والے نے دعوت قبول نہیں کی)

اب یہاں پر ''لم یستجب'' اور ''لم یجب'' دونوں کے ایک ہی معنی ہیں (۱) اور اس بحث کے شروع میں جو عرض کیا گیا کہ بغیر معنی میں کسی فرق کے دو لفظ یا اس سے زیادہ ہر زبان میں استعمال کئے جاتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ معززین سے آپ کہیں: ''تشریف رکھئے''، اور کسی ہم عمر یا کمتر سے کہیں: ''بیٹھئے'' دونوں کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا اس طرح کے الفاظ کو تکرار میں شمار کرنا غلط ہے۔

سب سے اہم مقام جو غیر عربی دانوں کو بھی کھٹکتا ہے وہ آیات ہیں جن کی طرف متوجہ کرنے کی خاطر قرآن نے ایک حکم کو یا ایک حکمت و مصلحت کی بات کو بار بار بیان کیا ہے، ان میں سب سے زیادہ جو ہدایت دی گئی ہے وہ یہ کہ اہلِ عرب کو متوجہ کیا گیا کہ دنیا کی تباہ شدہ قوموں کا حال اپنی آنکھوں سے

---

(۱) طبقات فحول الشعراء جلد ۱ صفحہ ۲۰۴

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دیکھیں اور جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی بات تسلیم نہیں کی یہ ان کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھیں جو محض عبرت کا سامان ہیں اور ان کو دعوت دی گئی کہ وہ روئے زمین پر واقع کھنڈروں کو دیکھیں، ویران اور تباہ شدہ قصر امراء دیکھیں کہ جن کا ایک زمانے میں طوطی بولتا تھا اور اس زمانہ میں جب کہ بجلی کی طاقت کا لوگوں کو پتہ نہ تھا اور کوئی خواب میں بھی نہیں تصور کر سکتا تھا، اس زمانہ میں شاہی محلات کے اندر راتوں کو وہ روشنی رہتی تھی جو دن کی روشنی کو ماند کر دے، ان کو گھوم پھر کر دیکھنا ایک بہت بڑا وعظ اور نصیحت کا سامان ہے، قرآن کریم نے اس حکم کو کئی بار بیان کیا ہے۔

ملاحظہ ہو:

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ (النمل: ۶۹)	آپ کہہ دیجئے کہ تم زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ مجرمین کا انجام کیا ہوا؟
قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۔ (الانعام: ۱۱)	آپ فرما دیجئے کہ ذرا زمین میں چلو، پھرو، پھر دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا
قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ (الروم: ۴۲)	آپ فرما دیجئے کہ ملک میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ جو لوگ پہلے ہو گزرے ہیں ان کا اخیر کیسے ہوا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

فَسِيُرُوا فِىُ الْاَرُضِ فَانُظُرُوا كَيُفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيُنَ

(النحل : ٣٦)

تو (اچھا) زمین پر چلو پھرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا

قَدُ خَلَتُ مِنُ قَبُلِكُمُ سُنَنٌ فَسِيُرُوا فِى الْاَرُضِ فَانُظُرُوا كَيُفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيُنَ

(آل عمران : ١٣٧)

بالتحقیق تم سے قبل مختلف طرق گذر چکے ہیں، تو تم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھ لو کہ اخیر انجام تکذیب کرنے والوں کا کیسا ہوا۔

اَفَلَمُ يَسِيُرُوا فِى الْاَرُضِ فَيَنُظُرُوا كَيُفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيُنَ مِنُ قَبُلِهِمُ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيُهِمُ

(محمد : ١٠)

کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں اور انہوں نے دیکھا نہیں کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا کہ خدا تعالیٰ نے ان پر کیسی تباہی ڈالی۔

قرآن مجید میں جو تکرار پائی جاتی ہے وہ بلا وجہ اور بے معنی نہیں ہے بلکہ ہر آیت کا مقصد اور اس کی قدرت کی طرف متوجہ کرنا اور اس کی مرضی پر چلنا ہے۔ یہ قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے، نہ کہ کسی کی داستان سرائی، جس کو عیب شمار کیا جائے اور جو مستشرقین اور معاندین کا شیوہ رہا ہے۔

جن علماء ومفسرین کو اس بات سے انکار ہے کہ قرآن کریم میں تکرار پائی جاتی ہے وہ معمولی حروف کے فرق یا تقدیم وتاخیر کو سامنے رکھ کر نحوی، علمی اور فقہ لغت کی بنیاد پر ایک بات کو دوسری بات سے جدا بتاتے ہیں، مثلاً اوپر جو آیات ''سیروا فی الارض'' سے متعلق پیش کی گئیں ان کو اخفش، فراء اور کسائی کے بعض شاگرد مکرر نہیں مانتے ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ الفاظ ایک آیت کے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دوسری آیت سے ملتے ضرور ہیں مگر معانی میں فرق ہے۔ دوسرا گروہ جن کی صحیح نمائندگی شیخ عبدالقاہر الجرجانی نے کی وہ تکرار کے قائل اور اس کو قرآن کا معجزہ سمجھتے ہیں اور وہ آیت جو ایک سے زیادہ یا تین مرتبہ نازل ہوئی وہ تاکید ظاہر کرنے اور اہمیت بتانے کے لئے ہے اور جہاں وہ آیت آئی ہے وہاں کی ماسبق آیات سے پیوست ہوگئی ہے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ زبان کا مسئلہ بہت نازک اور صرف انہی لوگوں کے لئے قابل حجت ہے جن کی پرورش اس ماحول میں ہوئی یا انہوں نے اپنے ذوق اور مہارت سے زبان کی باریکیوں پر قابو پالیا۔ جیسے شیخ عبدالقاہر الجرجانی جو اسلامی عہد کے کئی سو برس بعد اور عرب سے دور دراز مقام پر پیدا ہوئے اور غیر عرب ماحول میں پرورش پائی لیکن زبان کا ملکہ ایسا حاصل کیا جو اس زبان کے ہزاروں فرزند نہیں حاصل کرسکے۔ (ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ)

آیات مکررہ میں بعض لوگوں نے ان اسماء وصفات کو بھی شمار کیا ہے جو کہ ہر آیت کے آخر میں فاصلہ کی حیثیت سے آیات کا جزء ہیں، جیسے هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ، اَلْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ، الْوَلِيُّ النَّصِيْرُ، اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اختتام آیات پر یہ اسماء ایک فاصلہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور بامعنی ہیں، اور باوجود اس کے کہ متعدد مقامات پر وارد ہوئے ہیں لیکن اپنے ماقبل اور مابعد سے مربوط ہیں، القرطبی نے ان کو آیات کا خلاصہ بتایا ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی تجلی ان اسماء سے ہوتی ہے۔

(ب) علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سورۂ ''النساء'' میں جہاں حضرت عیسیٰ کا ذکر ہے کہ ''ان کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا'' اور جس کے آخر میں ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا

اور ان کو قتل نہیں کیا گیا بلکہ ان کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف، اور اللہ ہے زبردست حکمت والا۔

(النساء: ۱۵۷۔۱۵۸)

اس آیت کریمہ کے آخری جزء پر سیّد صاحبؒ نے یہ حاشیہ تحریر فرمایا ہے

"كونه عزيزا حكيما، يقتضى ان يكون الرفع امرا عظيما والا كانت العزة والحكمة فى غير موضعها" (اللہ تعالیٰ کی صفت غلبہ وحکمت کا ذکر اس کا مقتضی ہے کہ "رفع الى السماء" ایک عظیم کام تھا، اگر طبعی موت کا واقعہ ہوتا تو یہ بات سنت عادیہ تکوینیہ کے نوع میں آتی اس میں غلبہ وقدرت کا اظہار نہیں کیا جاتا، یہ کام ایک مافوق الطبیعاتی کرشمہ کی طرح پیش آیا ہے)

سید صاحبؒ کا یہ استدلال اس جگہ پر ٹھوس اور نا قابل انکار ہے اور اس کے ساتھ علوم قرآن کے طالب علموں کے لئے ایک فتح باب بھی ہے۔ جس سے مطالعہ قرآن کی ایک راہ کھلتی ہے، اس لئے راقم اس طرز استدلال کی مزید وضاحت کے لئے دیکھنا چاہتا ہے کہ کیا یہ بات کسی قدیم مفسر نے بھی لکھی ہے یا اس کی طرف کوئی اشارہ دیا ہے یا نہیں؟ مزید یہ کہ دیگر آیات میں جہاں مقاطع الآیات میں یہ اسماء آتے ہیں ان کا تعلق ماسبق کی آیات سے اسی درجہ مربوط ہے یا صرف اسی آیت میں یہ ربط محکم پایا جاتا ہے؟

الف: امام طبری (م ۳۱۰ھ) نے اسماء وصفات کا تعلق اس سلسلہ کی پہلی آیت "يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتَابِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ ...... الى آخر الآية (النساء ۱۵۳) سے قائم کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہاں یہود کو جتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو

سزادیتا ہے جو اپنے پیغمبروں سے بے تکے سوال کیا کرتے ہیں اور وہ ہر طرح کی انتقامی سزا دینے پر قادر ہے۔

ب: القرطبی (م ٦١٧ ھ) نے بھی یہی رخ اختیار کیا ہے کہ اللہ کی صفت عزت وحکمت یہود کی سرزنش پر غلبہ وقدرت کو ظاہر کرتی ہے لکھتے ہیں" و کان اللہ عزیزا حکیما ای قویا بالنقمة من الیهود فسلط علیهم بطرس بن استیسانوس الرومی فقتل منهم مقتلة عظیمة، حکیما، حکم علیهم باللعنة و الغضب"

ج: زمخشریؒ (م ٨١٥ ھ) نے ان اسماء وصفات کی اس مقام پر کوئی توضیح نہیں کی ہے غالباً اس لئے کہ اس سے پہلے جہاں یہ اسماء آئے ہیں وہاں ان کی مختصر تفسیر اس طرح لکھ چکے ہیں جو ہر مقام پر منطبق ہو سکے۔

د: اسی طرح قاضی بیضاوی (م ٧٩١ھ) صاحب "مدارک التنزیل" نے ایک عام لفظی ترجمہ دے دیا ہے جو ہر اس آیت پر منطبق ہوتا ہے جہاں جہاں "عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ" کا لفظ آیا ہے لا یغلب علی مایریدہ، حکیما فیما دبرہ ،اس کا مضمونِ آیت سے کوئی ربط نہیں دکھایا ہے۔

ہ: ابن کثیر (م ٧٧٤ھ) نے بھی تقریباً ترجمہ ہی پر اکتفا کیا ہے مگر ان کے الفاظ میں ذرا ادبی سجاوٹ ہے لکھتے ہیں"کان اللہ عزیزا حکیما، ای منیع الجناب لایرام جنابه ولایضام من لاذ ببابه"۔ البتہ شیخ اسماعیل حقی مؤلف تفسیر "روح البیان" نے ان اسماء وصفات کو رفع عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق کیا ہے ان کی پوری عبارت نقل کر رہا ہوں کیوں کہ وہ سید صاحب کی تفسیر سے کسی درجہ قریب ہے۔

"وکان اللہ عزیزا حکیما لایغالب فیما یریدہ فعزۃ اللہ

تعالیٰ عبارة عن كمال قدرة فان رفع عيسى عليه السلام الى السمٰوات وان كان متعذرا بالنسبة الى قدرة البشر ولكنه سهل بالنسبة الى قدرة الله تعالیٰ لا يغلبه احد"۔

سید صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔"كونه عزيزا حكيما يقتضى ان يكون الرفع امرا عظيما و الا كانت العزة والحكمة فى غير موضعها"

دونوں تفسیروں میں معمولی سا فرق ہے شیخ اسماعیل حقی کہتے ہیں کہ "الرفع الى السماء" بشر کے لئے ناممکن مگر اللہ تعالیٰ کے لئے آسان تھا اور سید صاحب کی تفسیر کا مطلب ہے کہ یہ تو تسلیم شدہ ہے کہ موت دینا یا زندہ اٹھا لینا دونوں بشر کے لئے ناممکن اور اللہ کے لئے آسان ہے مگر یہاں پر لفظ "عزیز" بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا اظہار ہے جو خود اس کی سنت تکوینی یا طبیعاتی نظام کے ماوراء ہے۔

لیکن حضرت سید صاحبؒ کی دلیل اور نکتہ رسی اس وقت مستحکم سمجھی جائے گی جب یہ دیکھا جائے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں یہ دو صفتیں "عزیزٌ وحکیمٌ" آئی ہیں ہر جگہ اسی طرح کوئی بات مضمون آیت سے ظاہر ہوتی ہے اور غلبہ وحکمت کا اظہار کسی فوق الطبیعاتی امر کے صدور کے لئے ہوا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

ا۔ کہیں پر تو بہت واضح طور سے دکھائی دیتا ہے کہ عزت وحکمت کی صفتیں ایک ماوراء سنتِ عادیہ کو بیان کر کے باور کرائی گئی ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی التجا کہ "رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى" کے جواب میں ارشاد باری کہ" اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ؟ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ"

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اس مکالمہ کے بعد ''قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا۔ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔(البقرۃ:۲۶۰)

یہاں بھی بعینہ اسی طرح عزت وغلبہ کا اظہار ہے جو صرف دستِ قدرت کا تصرف دکھانے کے بعد کہا گیا ہے۔

۲۔ کہیں یہ اسماء ان آیات کے آخر میں آئے ہیں جہاں مضمون آیت اور اسماء کے درمیان ایک بہت گہرا لیکن لطیف ربط ہے جیسے دعاء ابراہیمی ''رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ (البقرہ:۱۲۹)

اس عرصہ میں جب انبیاء کی بعثت کا سلسلہ منقطع تھا اور بشریت کو ہدایت آسمانی کی احتیاج اس طرح کی تھی جیسے خشک سالی میں زمین کو پانی کی حاجت ہو اس وقت اسی کے آگے دست سوال دراز کیا جا سکتا ہے جس کی صفت عزیز اور حکیم ہے۔ کیوں کہ بعثت انبیاء کوئی ایسا کام نہ تھا جو صاحب عزت وغلبہ کے علاوہ کوئی اور کر سکے۔

۳۔ سورۃ الفتح کی ابتداء ''اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا'' سے ہوتی ہے جو بجائے خود ایک محیّر العقول کرشمہ تھا، پھر اگلی آیات میں مسلمانوں کے قلوب پر سکینت نازل فرمانا، انہیں جنت کی بشارت مرحمت فرمانا، دشمنوں کو پسپا کرنا اور بغیر ظاہری اسباب کے اپنا عظیم تصرف دکھانا مذکور ہے، اس کے آخر میں یہ ارشاد فرمایا: '' وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا'' مضمون آیت سے ان اسماء کا پیوست ہونا ظاہر ہے کہ یہ کوئی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

معمولی کام نہیں بلکہ دست قدرت کا عظیم کرشمہ تھا۔

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے گمراہ افراد کی شفاعت کرتے ہوئے رقتِ قلبی، اظہار عجز اور اعتراف خطا کے ساتھ عرض کیا۔

"اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" (المائدہ:۱۱۸)

یعنی ایسے ناکاروں اور نافرمانوں کو بخشنا جو حضرت عیسیٰ اور ان کی ماں کو معبود بنائے ہوئے تھے صرف اسی ذات کے لئے ممکن ہے جو ہر طرح غالب ہے اور جس کی حکمت سب پر حاوی ہے۔

۵۔ ایسی قدرت کا اظہار جو سوائے صاحب قدرت تامّہ اور عزّت کاملہ کے کسی کے لئے تصور و وہم سے بھی ماوراء ہو جیسے قطرۂ آب پر صورت گری۔

"هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ"۔ (آل عمران:٦)

٦۔ ہدایت وضلال صرف مشیّتِ الٰہی کے تابع ہے، یہ امر عظیم ہے، جو عقل انسانی کی رسائی سے پَرے ہے، خاص طور پر ایسے وقت جب سامان ہدایت سب کے لئے یکساں تھا، ایسے مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت عزت و حکمت کو باور کرایا ہے۔ "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" (ابراہیم:۴)

۷۔ غزوۂ بدر کے موقع پر ملائکہ کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب بدر کی مدد کا ذکر تین ہزار اور پانچ ہزار کی تصریح کے ساتھ فرمایا گیا۔

" وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تَشْكُرُوْنَ ۝ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ اس کے بعد متصلاً ارشاد ہوا: وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَ لِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ (آل عمران:١٢٦)

اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی عزت وحکمت کی صفت کا آنا، اسی طرح مافوق الطبیعاتی کرشمہ کو ظاہر کر رہا ہے جس طرح آیت رفع یا آیت "اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ" میں اللہ تعالیٰ کے عزیز وحکیم ہونے کی صفت ایک غیر معمولی اور عظیم واقعہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

٨۔ دعاؤں کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی عزت وحکمت کا ذکر ایسا ہے جیسے اللہ کو بندہ اس کی قدرت وعظمت کا واسطہ دے رہا ہو کہ یہ کام صرف صاحب عزت وحکمت ہی کرسکتا ہے۔

" رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" (المومن :٨)

یا۔ "رَبَّنَا لَاتَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْلَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ " (الممتحنة :٥)

٩۔ اللہ تعالیٰ نے امم سابقہ کے ساتھ اپنے خاص معاملہ کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے فراعنہ وقت کے غرور کو توڑا، وقت کے جابرہ کو ہلاک کیا اور اپنے پیغمبروں کو ان کے مشن میں کامیاب کیا۔ ان قصص کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت عزت وغلبہ کا ذکر بتا رہا ہے کہ یہ سب قصے اللہ تعالیٰ کے دست قدرت کا کرشمہ ہیں۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (آل عمران : ٦٢) لیکن ان آیات احکام میں

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

صفت عزیز سے صرف یہی ربط سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں غلبہ و جبروت کا مالک ہے لیکن یہ بات تو طبعی اور ماوراء طبعی دونوں پر صادق آتی ہے مثلاً ''وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ'' اور آخر میں۔ ''وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ'' (البقرة :۲۲۸) ''وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ'' (المائدة:۳۸)

ان دونوں آیتوں میں اور ان کے علاوہ آیاتِ احکام میں جہاں اللہ تعالیٰ کے سطوت و غلبہ کی صفت کے ساتھ حکمت کی صفت بھی وارد ہوئی ہے وہاں یہ نظر آتا ہے کہ ان دونوں صفتوں میں یعنی صاحب غلبہ و جبروت کے ساتھ حکمت کی صفت کا ربط مضمونِ آیت سے زیادہ واضح اور روشن ہے لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ جن آیات احکام کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے دو صفاتی اسماء آئے ہیں ان میں صفت حکمت کی تجلی مضمونِ آیت سے زیادہ مربوط ہے اور وہاں خاص اس صفت کو باور کرانا مقصود ہے اور دوسری صفت جو سطوت و جبروت کو ظاہر کرتی ہے اس کا پرتو مضمون آیت میں عمومیت کا رنگ رکھتا ہے، اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ وہ صفت جس سے سید صاحبؒ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے پر استدلال کیا ہے وہاں صرف عزیز کا اسم ان کے مدعا کو ظاہر کرتا ہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ ''رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى'' کے اختتام پر صفت عزیز ہی نمایاں ہے۔ ''لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' میں بھی عزت و غلبہ کا اظہار ہے لیکن آیت احکام میں صفت حکمت کا ظہور زیادہ ہے۔

مطلّقات کے لئے عدّت کی مدت بتانا یا چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دینا اللہ تعالیٰ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کی حکمت بے نہایت اور مصالح بشری کی عظیم ترین رعایت کو ظاہر کرتا ہے۔ رہا اللہ تعالیٰ کا صاحب عزت و جبروت ہونا صفت حکمت کا مؤید ہے لیکن مضمون آیت سے ربط حکمت ہی کا ہے اور دوسری آیات میں ربط عظمت و عزت سے زیادہ ہے اور حکمت سے ایک عمومی تعلق ہے۔

اس صفاتی اسم پاک ''عزیز'' کے ساتھ دوسرا اسم ''القوی'' بھی آیا ہے ''اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ'' جو ظاہر ہے کہ صفت عزیز کو مؤکد کر رہا ہے اور وہاں بھی ایک ایسی بات جو تجرباتِ انسانی سے بلند اور عقل سے ماوراء ہے اس کے صدور پر آیت کا تتمہ بتایا گیا ہے۔

حضرت صالح علیہ وعلی نبینا الصلاۃ والسلام کی قوم نے جب نافرمانی کی تو ان پر عذاب آیا اور ایک انتہائی کرخت آواز نے ان سب کے کان کے پردے پھاڑ دیئے اور اجتماعی طور پر سب اسی سے ہلاک ہو گئے، مگر حضرت صالح اور ان پر ایمان لانے والے بالکل محفوظ رہے ان پر اس مہلک اور کرخت آواز کا اثر نہیں پڑا، یہ ایک غیبی انتظام اللہ تعالیٰ کی عزت و جبروت کو ظاہر کرتا ہے کہ ایک شی سب کے لئے ہلاکت کا سبب ہو مگر اسی سے ہلاک ہونے والے مجموعہ کا ایک فرد اور اس فرد کے ساتھ اس کے ماننے والے بچا لئے جائیں یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عزیز کا کھلا ہوا ثبوت ہے یہاں حکیم کے بجائے قوی کی صفتِ تاکید وارد ہوئی ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْیِ یَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ (ھود:٦٦)

بعض آیات کریمہ میں عزیز کے ساتھ ''غفار'' اور ''غفور'' کی صفت آئی ہے جو مضمون آیت سے مربوط ہے اور اللہ تعالیٰ کے غلبہ وقدرتِ کاملہ کی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عظمت کو ظاہر کرتی ہے جیسے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ یُکَوِّرُ اللَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُکَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی اللَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ۔(الزمر:۵)

رات سے دن اور دن سے رات کا نکالنا، شمس و قمر کو ایک مرتب نظام پر چلا کر ان پر مکمل قابو بھی رکھنا صفت عزیز کا مظہر ہے اور جو ذات اتنی عظیم قدرت رکھتی ہے وہ جب چاہے سب کو ہلاک کر دے مگر اس کی طرف سے معاملہ ڈھیل دینے اور اکثر چشم پوشی کرنے کا ہے، ورنہ کائنات میں ایک تنکے سے لے کر پہاڑ تک اور خشکی سے لے کر سمندروں تک کوئی اس کی گرفتِ عذاب سے بچ نہیں سکتا تھا، لہٰذا اس کی چشم پوشی اور ''یعفو عن کثیر'' کی صفت سے یہ دنیا قائم ہے۔ یہاں اس کی صفتِ غفاریت بھی صفتِ عزت کے ساتھ ملحق ہے۔

سورۂ ملک میں ''عزیز'' کے ساتھ دوسری صفت ''غفور'' آئی ہے تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْکُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ٥ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ (الملک ۱-۲)

حسنِ عمل میں موت کا دخل یہ ہے کہ آدمی کے مشاہدہ سے دنیا کو فانی اور بعث کے عقیدہ سے آخرت کو باقی سمجھ کر وہاں کے عتاب سے بچنے کے لئے مستعد ہو سکتا ہے، اور حیات کا دخل یہ ہے کہ اگر حیات نہ ہو تو عمل کس وقت کرے، لہٰذا حسنِ عمل کے لئے موت بمنزلہ شرط کے اور حیات بمنزلہ ظرف کے ہے اور جب کہ موت عدم محض نہیں اس لئے اس پر مخلوقیت کا حکم درست ہے اور ذاتِ غالب و سطوت و عزت اگر صرف فضل کی بنا پر جنت نہ عطا کرے تو کوئی بھی اپنے عمل سے اس کو حاصل نہیں کر سکتا اور وقتِ آزمائش کھوٹے اعمال کی بنا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پر سب پر عذاب آسکتا ہے، لیکن اس کی صفت صرف غلبہ وقوت کی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ بہت بخشنے والا بھی ہے اگر صاحب غلبہ وقوت کی طرف سے صرف قدرت کا اظہار ہو تو سب جہنم میں جائیں گے۔

"وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا" (مریم:۷۱) مگر اس کی صفتِ بخشش جو یہاں مبالغہ کے صیغہ سے آئی ہے اس سے اشارہ ملتا ہے کہ وہ بہت سی بداعمالیوں اور کوتاہیوں کو بخشنے والا ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (النحل:٦١)

لہٰذا صفتِ عزیز کے ساتھ صفتِ غفوریت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء حسنٰی میں شامل ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ "عزیز" سے رفعِ عیسی علیہ السلام پر استدلال قرآن کریم کی روح کے مطابق ہے، اسماء حسنی سے مضمونِ آیت کا ربط ہر جگہ اہم معنی رکھتا ہے اور اس سے مطالعۂ قرآن کی ایک راہ کھلتی ہے کہ مقاطعِ آیات وفواصل سے اصل مضمون روشن ہو جاتا ہے۔

لیکن مضمونِ آیت اور اختتامِ آیت پر آنے والے اسمائے حسنٰی میں ایسا واضح ربط ہر جگہ نہیں ہے جس کو عام اور خاص سب سمجھ سکیں، ابن رشیق نے "العمدہ" میں لکھا ہے کہ آیتِ کریمہ

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (المائدة : ١١٨)	اگر آپ ان کو سزا دیں گے تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ معاف فرمادیں تو آپ زبردست حکمت والے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

کو پڑھ کر ایک ظاہر بیں یا سطحی فہم رکھنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ اس آیت کا اختتام ''اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ'' کے بجائے ''اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ'' پر ہوتا تو یہ صفت مضمونِ آیت سے زیادہ پیوست اور مربوط ہوتی۔

ابنِ رشیق کہتے ہیں کہ ہر جگہ ربط و مناسبت جلی اور عیاں نہیں ہوتی، کہیں یہ ربط بہت گہرے معنی پر مشتمل ہوتا ہے، مثلاً اسی آیت میں مضمونِ آیت سے اسمائے حسنیٰ کی مناسبت قوی اور ربط گہرا ہے ''عزیز حکیم'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جس نے کائنات کو پیدا کیا اسی کی ذات غالب ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا اور ''حکیم'' اس کو کہتے ہیں جو ہر شئے کو اس کی مناسب جگہ پر رکھے، لہٰذا کس کو معاف کیا جائے اور کس کو سزا دی جائے اس کو وہی جانتا ہے۔

امام غزالیؒ تواضع کے ضمن میں لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص یا جماعت اس حد تک سرزنش اور دار و گیر کی مستحق ہو کہ ہر شخص بے ساختہ کہہ دے کہ خلقِ خدا کا بڑا دشمن اور بڑا نافرمان ہے، فرعونِ بے ساماں ہے اس کو بھی اللہ چاہے تو بخش دے کہ وہ ''عزیز حکیم'' ہے، ''یفعل مایشاء و یحکم ما یرید'' لہٰذا مجرم کو سزا دی جائے یا بخش دیا جائے اس کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہی غالب اور حکمت والا ہے۔(۱) ربط خفی کی دوسری مثال آیت کریمہ!:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰیٓ اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَ هُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (البقرۃ: ۲۹)	وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدہ کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب، پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف سو درست کر کے بنائے سات

(۱) احیاء علوم الدین (تواضع) صفحہ ۱۲۱، طبعۃ مصر، ۱۳۴۲ھ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

آسمان اور وہ تو سب چیزوں کے
جاننے والے ہیں۔

اور ایک آیت ہے:

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ وَیَعْلَمُ مَافِی السَّمٰوَاتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ

(آل عمران : ۲۹)

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم پوشیدہ رکھو گے اپنا مافی الضمیر یا اس کو ظاہر کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو (ہر حال میں) جانتے ہیں اور وہ تو سب کچھ جانتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت بھی کامل رکھتے ہیں۔

سورہ بقرہ کی آیت: ''وَ هُوَ بِکُلِّ شَیْئٍ عَلِیْمٌ'' پر ختم ہوتی ہے اور مضمون ہے اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا، مگر یہاں ''قدیر''، ''قادر'' یا ''مقتدر'' جیسا اسمِ پاک نہیں آیا ہے بلکہ علم کی صفت کو زور دے کر نمایاں کیا گیا ہے اور دوسری آیت سورۂ آل عمران کی ہے جس کا اختتام ''وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ'' پر ہو رہا ہے اور مضمونِ آیت اللہ تعالیٰ کے علم اور احاطہ کو بتا رہا ہے۔

ایک عامی شخص کا اندازہ یہ تھا کہ سورۂ بقرہ کی آیت جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامّہ کا بیان ہے اس کے اخیر میں وہ اسمِ پاک ہوتا جو اس کی قدرت کو ظاہر کرتا ہے، جیسے: ''والله علی کل شیئی قدیر'' اور سورۂ آل عمران کی آیت جس میں علمِ خداوندی کی طرف اشارہ ہے اس کا اختتام ایسے اسمِ پاک پر ہوتا جس میں اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف اشارہ ہوتا جیسے: ''وَ هُوَ بِکُلِّ شَیْئٍ عَلِیْمٌ''

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مگر یہاں صورتِ حال تخمینہ وظن کے برخلاف ہے اس وہم کا ازالہ اس طرح ممکن ہے کہ ان آیات کے ماسبق پر پہلے غور کیا جائے (۱) سورہ بقرہ کی آیت جس کا اختتام ''وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ'' پر ہوتا ہے اس کے پہلے ارشاد فرمایا گیا ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ هُوَالَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ وَّهُوَ بِكُلِّ شَيْئٍ عَلِيْمٌ

(البقرة : ۲۸،۲۹)

بھلا کیونکر ناسپاسی کرتے ہو اللہ کے ساتھ حالاں کہ تھے تم محض بے جان سو تم کو جان دار کیا، پھر تم کو موت دیں گے، پھر زندہ کریں گے (یعنی قیامت کے دن) پھر ان ہی کے پاس لے جائے جاؤ گے۔ وہ (ذاتِ پاک ایسی ہے) جس نے پیدا کیا تمہارے فائدے کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب، پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف سو درست کر کے بنائے سات آسمان اور وہ تو سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

ابوحیان الاندلسی نے ''البحر المحيط''(۲) میں لکھا ہے:

اس آیتِ کریمہ کا اختتام ''وَهُوَ بِكُلِّ شَيْئٍ عَلِيْمٌ'' اللہ تعالیٰ کے علمِ وسیع کو ظاہر کرتا ہے اور مضمونِ آیت اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آسمان وزمین

---

(۱) البرہان فی علوم القرآن جلد۱، صفحہ ۹۰، نیز ملاحظہ ہو معترک الاقران، للسیوطی جلد۱، صفحہ ۳۹)

(۲) طبع الریاض ۱۹۹۶، جلد۱، صفحہ ۱۲۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کا پیدا کرنا، عالمِ علوی وسفلی دونوں کے جملہ مراحل وکوائف پر آگاہ ہونا، اور اس پر تصرف کرنا اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، صرف وہی زندگی دینے اور زندگی سلب کرنے اور زندگی پر تصرف کرنے پر قادر ہے اور یہ قدرت بغیر علمِ کامل کے ناممکن ہے، خاص بات یہ ہے کہ "وَھُوَ بِکُلِّ شَیْئٍ عَلِیْمٌ" کی صفت ان ملحدین کا جواب ہے جو یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو کلیات کا علم ہے بقیہ تفصیلات وجزئیات بندوں کا کام ہے۔

اسی طرح آل عمران کی آیت کا سیاق دیکھا جائے:

لَایَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْئٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰۃً وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ وَ اِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ، قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَافِیْ صُدُوْرِکُمْ اَوْتُبْدُوْہُ یَعْلَمْہُ اللّٰہُ وَیَعْلَمُ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ (آل عمران: ۲۸، ۲۹)	مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کو (ظاہراً یا باطناً) دوست نہ بناویں مسلمانوں (کی دوستی) سے تجاوز کر کے، اور جو شخص ایسا (کام) کرے گا سو وہ شخص اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں، مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو، اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر تم پوشیدہ رکھو گے اپنا مافی الضمیر یا اس کو ظاہر کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو (ہر حال میں) جانتے ہیں اور وہ تو سب کچھ جانتے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو
کچھ زمین میں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر
چیز پر قدرت بھی کامل رکھتے ہیں۔

لہٰذا اہلِ ایمان کا کفار سے ظاہر داری کا معاملہ کرنا اس سبب سے ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ کفار ان کو فائدہ پہنچانے پر قادر ہیں اور جس فائدہ کی مسلمانوں سے امید نہیں ہے، اس لئے مسلمانوں کو ایسا کرنے کی ترغیب نہیں دی گئی اور ان پر واضح کر دیا گیا کہ ان کا حساب کتاب اللہ تعالیٰ کے حضور ہوگا، اور وہ تنہا اس بات پر قادر ہے کہ جو بات ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے اس کو ظاہر کر دے خواہ وہ بات دل میں چھپی ہوئی ہو یا علانیہ کہی گئی ہو اور اللہ تعالیٰ کا علم آسمانوں اور زمینوں پر محیط ہے کیوں کہ اس کی قدرت ہر شیٔ پر ظاہر ہے۔

اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد اہلِ ایمان کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ ذات جو ہر شیٔ پر قادر ہے اس کی تابعداری، اطاعت شعاری، کافروں کی دوستی سے زیادہ قابلِ اہمیت ہے

انبیاء کرام کے قصّے جو قرآن کریم میں وارد ہوئے ہیں ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر سب سے زیادہ ہے، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے جو متعدد مقامات پر وارد ہوا ہے مگر موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے کم، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بھی ایک سے زائد مقامات پر وارد ہوا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ صرف ایک سورۃ میں واقع ہے، ان تذکروں کے کثرت وقلت کا سبب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کا تذکرہ سب سے زیادہ قرآن کریم میں وارد ہوا ہے، ان کو ایک ایسی قوم سے سابقہ تھا جو اپنے زوال کی انتہا تک پہونچی ہوئی تھی، تمام اجتماعی نقائص جو سوسائٹیوں میں

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پائے جاتے ہیں وہ بنی اسرائیل میں موجود تھے، حالاں کہ بنی اسرائیل وہ ہیں جن کی اوپر کی پشتوں میں انبیاء اور سلاطین گذرے ہیں، مگر فراعنہ مصر کے قابض ہوجانے کے بعد ان کے اندر تمام اجتماعی خرابیاں جمع ہوگئیں اور ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وارث اہل مکہ تھے جن کو متنبہ کیا کہ ایک طرف تو انسانوں کے انفرادی جرائم ہوتے ہیں ان کے لئے توبہ وانابت، استغفار اور اللہ تعالیٰ کی طرف یکسوئی درکار ہوتی ہے لیکن جو عیوب اجتماعی ہوتے ہیں ان کو اپنی اصلاح کے لئے انہی ہدایات پر عمل کرنا ہوگا جو گذشتہ صدیوں کے پسماندہ اقوام کے لئے تجویز کی گئیں، نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سابقہ ایسی قوم سے تھا جو ذلت وپستی کی انتہا کو پہونچی ہوئی تھی، فراعنہ کے سپاہی ان کے خیموں میں گھس کر ان کے نوزائیدہ بچوں کو بیچ سے چیر دیتے اور ان کی لاش دریائے نیل میں ڈال دیتے، ماں باپ ''اُف'' نہیں کر سکتے تھے، پانچ سال کے بچے سے لے کر اسی اور پچاسی سال کے بوڑھے تک کو اپنی روزی حاصل کرنے کے لئے بیگار کرنا پڑتی تھی۔ ہر طرح سے کچلی ہوئی اور بے بس قوم تھی جن کو اس مرحلہ سے نکالنا پیغمبر وقت کا کام تھا۔ دوسری طرف وقت کے سرمایہ دار جن کی نمائندگی قارون کر رہا تھا، اس کا مقابلہ بھی اسی بے بس قوم کو کرنا تھا، وہاں کے علماء ''ساحر'' جن کا لقب تھا وہ بھی پیغمبرانِ دعوت سے برسر پیکار تھے، اس گھرے ہوئے اور تاریک ماحول میں جو اسوہ دیا گیا اور تباہ ہونے والی قوم نے جس طرح پیغمبرانہ ہدایات کی ناقدری کی ان کو دکھانا اور امت ابراہیمی کو باور کرانا ضروری تھا، دوسرے پیغمبروں کا جہاں ذکر ہے وہ اسی قدر ہے جس قدر ان کی زندگی سے نصیحت اور اللہ کی قدرت کا ایقان لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر جو صرف ایک سورہ میں ہے اور اس کے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اندر جو نصائح ، اللہ کی قدرت کی جلوہ گری، ایک تاریک کنویں سے نکال کر حکومت کی اعلیٰ کرسی تک پہونچانے کا منظر نظر آتا ہے، صداقت اور عفاف سے بھری ہوئی زندگی کس طرح رحمت الٰہی کو دعوت دیتی ہے، اللہ کی طرف بلانے کے کیا اسالیب ہیں، وہ سب اس میں پائے جاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد متعدد مقامات پر نازل ہوا ہے، کیوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صحیح اسلامی عقیدہ کیا ہے بتانا ضروری تھا، جیسا کہ معلوم ہے کہ ان کی زندگی کو بہتان اور تہمتوں کا نشانہ بنایا گیا تھا، کچھ لوگوں نے ان کو اللہ کا صلبی فرزند قرار دیا اور کسی نے لے پالک بتایا، ان سبھوں کی تصحیح آخری پیغمبر کے لئے ضروری تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کی طرف اشارہ اور ان کی زندگی کی چند جھلکیاں قرآن نے پوری قوت کے ساتھ اور شفقت ومحبت کے انداز میں پیش کی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کریم میں جو قصے بیان کئے گئے ہیں وہ داستان سرائی کے اسلوب سے ہزار گنا بلند اور بامقصد ہیں اور جس کا تذکرہ جس قدر اصلاح امت کے لئے ضروری تھا نازل کیا گیا۔

قرآنِ مجید میں جن الفاظ کو یا جن آیات کو یا جن قصوں کو بار بار دھرایا گیا ہے وہ سب قرآن کے اعجازِ بیانی کی نمونے ہیں اور جتنا ان قصوں پر غور کیا جائے گا اللہ تعالیٰ مضامین کا شرح صدر نصیب فرمائے گا، اصحاب کہف کے قصہ کو مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور مولانا عبدالماجد دریابادی جیسے اکابرِ فن نے اس طرح بیان کیا ہے کہ علمی وعملی حقائق کا خزانہ نظروں کے سامنے کھل جاتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اللہ تعالیٰ کے لئے متکلم کا صیغہ، ضمیرِ واحد یا جمع

حق تعالیٰ کی طرف مختلف صیغوں اور ضمیر مفرد یا جمع کے ذریعہ اشارہ کیا گیا ہے، قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ کا نام آتا ہے یا نام کا قائم مقام ضمیر "ھوٗ" وارد ہوا ہے ان میں کسی آیت میں مفرد کی ضمیر واقع ہوئی ہے جیسے:

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ : ۱۴)	میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کی نماز پڑھو۔

اور کہیں ضمیر جمع سے ذاتِ حق کی طرف اشارہ ہے جیسے:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا (الاحزاب : ۴۵)	اے نبی ہم نے بے شک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور (مؤمنین) کے بشارت دینے والے ہیں اور (کفار) کے ڈرانے والے ہیں۔

بعض معاندین کو یہ بات الجھی ہوئی نظر آتی ہے وہ کہتے ہیں کہ قرآن اگر اللہ کا کلام ہے تو ہر جگہ خدائے واحد وقہار کے لئے اسم صریح مفرد استعمال کیا جاتا یا ضمیر مفرد استعمال ہوتی مگر یہاں کہیں مفرد کی ضمیر ہے اور کہیں ضمیر مفرد کا مرجع اللہ ہے، کہیں ضمیر منفصل میں "انا" کہا گیا اور کہیں "نحن"، اللہ کو خطاب کرنے میں کہیں "ربی" کہا گیا اور کہیں "ربنا" وارد ہوا، حقیقت یہ ہے کہ ہر مقام بلاغتِ قرآنی کا آئینہ دار ہے اور ایک معجزانہ شان رکھتا ہے جس کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

(۱) علمائے تفسیر وادب نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ جہاں پر مفرد کی ضمیریں استعمال ہوئی ہیں ان میں سب سے زیادہ اہمیت کیساتھ وہ مقامات پیشِ نظر رہے ہیں جہاں توحید کا مضمون آیا ہے،

ظاہر ہے کہ توحید کے لئے مفرد کے علاوہ کوئی ضمیر لغت اور استعمال کے اعتبار سے سمجھ میں نہیں آسکتی اس کی بہت سی مثالیں ہیں جن میں سے چند آیات یہاں نقل کررہا ہوں:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحة : ۵)	ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے اعانت کی درخواست کرتے ہیں۔
يَعْبُدُوْنَنِیْ لَايُشْرِكُوْنَ بِیْ شَيْئًا (النور ۵۵)	بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔
اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّایَ فَاعْبُدُوْنِ (العنكبوت : ۵٦)	بے شک میری زمین فراخ ہے سو خالص میری ہی عبادت کرو
لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبياء : ۲۵)	میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا تم میری عبادت کرو

صرف یہی نہیں کہ مقام توحید کا ذکر جہاں ہوا ہے وہاں مفرد کی ضمیر استعمال فرمائی گئی ہے بلکہ وہ مقام جہاں شرک کا شبہ ہوسکتا ہے وہاں بھی مفرد ہی کی ضمیر لائی گئی ہے مثال کے طور پر آیت کریمہ:

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ (الرعد : ۳٦)	آپ فرمادیجئے کہ مجھ کو صرف یہ حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور کسی کو شریک نہ کروں

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قُلْ اِنِّیٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ

(الزمر : ۱۱)

آپ فرما دیجئے کہ مجھ کو (منجانب اللہ) حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو اس کے لئے خالص رکھوں۔

ذَالِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْئٍ فَاعْبُدُوْهُ

(الانعام : ۱۰۲)

یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے تو تم لوگ اس کی عبادت کرو۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ

(البقرة : ۱۶۳)

اور ایسا معبود جو تم سب کا معبود بننے کے لائق ہے وہ تو ایک ہی معبود حقیقی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی رحمٰن ورحیم ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ

(آل عمران : ۲)

اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی قابلِ معبود بنانے کے نہیں وہ زندہ (جاوید) ہیں سب چیزوں کے سنبھالنے والے ہیں۔

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

(آل عمران : ۶۲)

اور کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے اور بلا شک اللہ تعالیٰ ہی غلبہ والے حکمت والے ہیں

فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ

(المؤمنون : ۱۱۶)

اللہ تعالیٰ بہت ہی عالیشان ہے جو بادشاہ حقیقی ہے اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

هُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَ فِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ (الزخرف : ۸۴)

اور وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی قابلِ عبادت ہے اور زمین میں بھی قابلِ عبادت ہے

غرض اس طرح کی سورتیں اور اس طرح کی آیات قرآن پاک میں بکثرت موجود ہیں کہ جہاں اللہ یا اللہ کا اسم مظہر آیا ہے۔ جیسے ''و هو الذی'' ان مقامات پر پوری پابندی کے ساتھ ضمیر مفرد متکلم یا اسم مظہر ''هو'' استعمال ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا مرکزی مضمون توحید ہے اور قرآن کریم کی تمام دعوتیں اس دعوت کے ارد گرد گردش کرتی ہیں۔

(۲) لطف و کرم اور عطف و رحمت کی علامت

متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو بندے سے قریب تر بتایا ہے تا کہ بندہ اس حقیقت کو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نظر انداز نہیں فرماتا ہے، جو لوگ اس کی عبادت کرتے ہیں ان کی طرف مائل بہ کرم ہوتا ہے اور جو عبادت نہیں کرتے ان کو بھی اپنی رحمت عامہ اور رزق رسانی میں وافر حصہ عطا فرماتا ہے اور ان میں اور عبادت گذاروں میں کوئی فرق نہیں کرتا، فرق کا دن قیامت کا دن ہوگا، جب کہ خود ساری عظمتوں کا خالق قلم عدالت اپنے ہاتھ میں لے گا اور کوئی واسطہ کام نہ آوے گا جس کی تعبیر ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' سے فرمائی گئی ہے جہاں ساری مخلوق حق تعالیٰ جل شانہ کے دربار میں ایک تنکے کے برابر اہمیت نہیں رکھے گی اور بندہ اللہ تعالیٰ کی سطوت و ہیبت اور عظمت و جبروت کے آگے دم بخود ہو جائے گا وہاں بھی مفرد کی ضمیر استعمال فرمائی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح آواز دی:

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نُوْدِیَ یَا مُوْسٰیؕ اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّکَ
فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ
الْمُقَدَّسِ طُوًی وَاَنَا اخْتَرْتُکَ
فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی اِنَّنِیْۤ اَنَا
اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَ
اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِیْ، اِنَّ
السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَکَادُ اُخْفِیْهَا
لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِّمَا تَسْعٰی

(طٰهٰ : ۱۱-۱۵)

تو (ان کو منجانب اللہ) آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں بس تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو (کیوں کہ) تم ایک پاک میدان یعنی طوی میں ہو (یہ اس کا نام ہے) اور میں نے تم کو (نبی بنانے کے لئے) منتخب فرمایا ہے سو (اسوقت) جو کچھ وحی کی جارہی ہے اس کو سن لو (وہ یہ ہے کہ) میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو اور (دوسری بات یہ سنو) کہ بلا شبہ قیامت آنیوالی ہے میں اس کو (تمام خلائق سے) پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جائے۔

ان آیات میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی ضمیر مائل ہے خواہ ضمیر منفصل ہو یا متصل ہو یا فعل مخاطب کی ضمیر ہو یا غائب کی (انی، انا، فاعبدنی، ذکری، اخفی) مفرد کی ضمیریں ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر خصوصی لطف وکرم کا انداز ہے اللہ تعالیٰ کے کروڑہا کروڑ بندے جو زمین و آسمان میں ہیں اور جو زمین و آسمان کے جملہ طبقات میں متحرک و جامد مخلوق ہے، ان سب کا پروردگار، پروردگاروں کا پروردگار، مالکوں کا مالک، اپنے ایک ایک بندہ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کو اس طرح مخاطب کرتا ہے جیسے کوئی شخص مخاطب کرے اس احساسِ معیت سے جہاں محبت و سپردگی کے جذبات اُبھرتے ہیں وہاں اسکی عظمت و ہیبت کا تصور بھی دلوں پر چھا جاتا ہے،

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب معجزۂ عصا بخشا گیا اس کا ذکر ایک مکالمہ کی شکل میں پڑھیے:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسٰى ، قَالَ هِيَ عَصَایَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىْ وَلِىَ فِيْهَا مَآرِبُ اُخْرٰى، قَالَ اَلْقِهَا يَا مُوْسٰى، فَاَلْقَاهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسْعٰى، قَالَ خُذْهَا وَلَاتَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ، وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ اٰيَةً اُخْرٰى، لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيَاتِنَا الْكُبْرٰى ،

(طٰه : ١٧-٢٣)

اور یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ! انہوں نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے میں کبھی اس پر سہارا لگاتا ہوں اور (کبھی) بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کام (نکلتے) ہیں ارشاد ہوا کہ اس کو (زمین پر) ڈال دو اے موسیٰ۔ سو انہوں نے اس کو ڈال دیا یکایک وہ (خدا کی قدرت سے) ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا، ارشاد ہوا کہ اس کو پکڑلو اور ڈرو نہیں ہم ابھی اس کو اس کی پہلی حالت پر کر دیں گے اپنا (داہنا) ہاتھ اپنے (بائیں بغل) میں دے لو (پھر نکالو) وہ بلا کسی عیب (یعنی بلا کسی مرضِ برص وغیرہ) کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

که یہ دوسری نشانی ہوگی تا کہ ہم تم
کو اپنی (قدرت کی) بڑی نشانیوں
میں سے بعض نشانیاں دکھلائیں۔

اللہ تعالیٰ علیم وخبیر، تمام معجزات کا خالق، ہر حرکت وآہٹ سے آگاہ، حضرت موسیٰ (جو اس کے بندے اور پیغمبر تھے) سے پوچھتا ہے،

وَ مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسىٰ — اور موسیٰ! یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یہ میرا ڈنڈا ہے، (یہاں جواب مکمل ہو گیا تھا) کہ یہ میرا عصا ہے، اتنا ہی پوچھا گیا تھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ مگر حق تعالیٰ جل شانہ سے ہم کلامی کی مانوسیت نے (هی عصای) پر مزید اضافہ کیا، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنے جانوروں پر پتے جھاڑتا ہوں اور بھی مرے کام اس سے نکلتے ہیں۔ یعنی جہاں پر ایک دو لفظی جملہ کافی تھا، مزید کہنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس کے باوجود وہاں تین فقرے اور کہہ ڈالے یہ مانوسیت کا نتیجہ ہے، اور احساسِ قربت کی دلیل، اللہ تعالیٰ کی نظرِ لطف وکرم کی علامت، اور حضرت موسیٰ کے ذوقِ ہم کلامی نے بات کو طول دیا ہے

تواں گفتن بیک حرفے تمنائے جہانے را
من از ذوق حضوری طول دا دم داستانے را

پھر ارشاد ہوا، اے موسیٰ اس کو پھینک دو (یا زمین پر گرادو) حضرت موسیٰ نے فوراً اطاعت کا سر جھکا دیا اور اپنا ڈنڈا پھینک دیا، اس ڈنڈے کا زمین پر گرنا تھا کہ اس کی ہیئت ایک اژدہے کی بن گئی جو بھاگ رہا تھا۔ ارشاد خداوندی ہوا، اس کو پکڑ لو۔ اور ڈرو مت، ہم اس کو پہلی شکل پر لے آئیں گے اور ہاں ذرا اپنے ہاتھ کو اپنے بغل میں دبا کر نکالو ایک چمکتا ہوا سفید ہاتھ بن کر نکلے گا۔ یہ چمک

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اور سفیدی کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوگی اور یہ ایک مزید نشانی (معجزہ) ہے تا کہ ہم اپنے بڑے معجزات میں سے ایک معجزہ دکھائیں۔ یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ایک ڈنڈے کا اژدہا بن جانا، اپنی جگہ پر انتہائی خوفناک صورتِ حال سامنے لا رہا تھا اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''لاتخف'' ڈرومت، ظاہر کر رہا ہے کہ یہ مقام معمولی اہمیت کا نہیں بلکہ نظام کائنات کا انوکھا واقعہ تھا اور یہ ارشاد کہ ''ہم اس کو دوبارہ اس کی ہیئت پر واپس لے آئیں گے'' صاحب قدرت کی عظیم قدرت کو ظاہر کر رہا ہے یہ مقام عظمت وقدرت کے آثار سے پُر ہے، اس لئے سنعیدھا ''ہم اس کی پہلی ہیئت پر واپس لے آئیں گے''، جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا گیا جو عظمت و جبروت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ایک بات یا چند ایسی باتیں جو عقل انسانی سے بلند ہیں جن کو خوارق کہتے ہیں، پیش آ رہی ہیں اور ان کے خالق کا مائل بہ کرم ہونا دل و دماغ کو جلا بخش رہا ہے، اور جہاں ہر کام ایسا انوکھا اور ہر بات اس درجہ عقل کی پسماندگی کو ظاہر کر رہی ہو، وہاں عظمتِ خداوندی اپنی قوت و جبروت کے اظہار کے لئے جمع متکلم کے صیغہ وضمیر کا مطالبہ کر رہی ہے اس لئے فرمایا گیا:

سَنُرِیھِمْ اٰیَاتِنَا — ہم اپنی کچھ نشانیاں ان لوگوں کو دکھائیں گے

اللہ تعالیٰ جہاں جہاں اپنی ذاتِ پاک کے لئے جمع کی ضمیر اور فعل میں جمع متکلم کا صیغہ استعمال فرماتا ہے، وہ ذات حق کی عظمت وسطوت کی طرف ایک ہلکا سا اشارہ ہے۔ امام جلال الدین سیوطی اپنی مشہور کتاب ''معترك الاقران فی اعجاز القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ یہ صیغہ جمع متکلم یا ضمیر جمع کی نہیں بلکہ ''ضمیر الفخامة والابهة'' ہے، انا، واحد مفرد کی ضمیر ہے اور

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نحن ضمیرِ جلالت وعظمت ہے۔(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات عطا ہوئے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

قَالَ قَدۡ اُوۡتِيۡتَ سُؤۡلَكَ يٰمُوۡسٰى، وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلَيۡكَ مَرَّةً اُخۡرٰۤى، اِذۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا يُوۡحٰۤى،

(طٰهٰ: ۳۶-۳۸)

ارشاد ہوا کہ تمہاری ہر درخواست منظور کی گئی اے موسیٰ، اور ہم تو ایک دفعہ اور بھی (اس سے قبل بے درخواست ہی) تم پر احسان کر چکے ہیں، جب کہ ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام سے بتلائی جو الہام سے بتلانے کی تھی۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے ضمیرِ جلالت وفخامت کا استعمال کیا ہے (مَنَنَّا، اَوۡحَيۡنَا) اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پنجے سے نکالنے، دریائے نیل میں ڈال کر ہلاک ہونے سے بچانے میں اللہ تعالیٰ کے کرشمہ اور قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے جو صاحبِ عظمت پروردگار کا

---

(۱) اللہ کی تو بڑی بات ہے دنیا کے سارے شاہنشاہ اور حکمرانِ اعلیٰ اس کے آگے سمندر کے ایک قطرہ یا باریک بالو کے ایک ذرہ سے زیادہ حقیر اور بے وزن ہیں، ایسے عارضی حکمراں بھی اپنی بات کہنے کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں، احکام ونواہی کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے۔

ہم فلاں ابن فلاں بادشاہ مطلق ملک فلاں، آگاہ فرماتے ہیں کہ۔

فارسی میں، ما بدولت شاہنشاہ آریا مہر احکام شاہانہ جاری فرماتے ہیں۔ مغرب کے ایک فرماں رواں جن کا لقب جلالۃ الملک تھا ایک تائیدی حکم میں لکھتے ہیں، ارادت جلالتنا ان تامر تنفیذ الامر السامی اس پر مصر کے ایک عالم نے اعتراض کیا کہ "ترید جلالتنا" کہہ کر مؤنث کا صیغہ لانے کی کیا ضرورت تھی، لکھا جائے نرید جلالتنا

بہر حال قدیم وجدید بادشاہوں، راجاؤں اور حکمرانوں کے فرمانِ شاہی کی عبارت دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ضمیر جمع کا صیغہ عظمت وکبریائی کے اظہار کے لئے لکھا جاتا ہے، اسی لئے ضمیر متکلم جمع کے لئے ضمیر جلالت شان، یا ضمیر الفخامۃ والابھۃ اصطلاح مقرر کی گئی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کمال ہے وہاں پر ضمیر فخامت وجلالت ہی مناسب ضمیر تھی اور اسی کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ جل شانہ کا لطف وکرم، خصوصی عنایت اس طرح جلوہ گر ہے کہ شفقت وکرم کا دریا رواں ہے:

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ

(طٰهٰ : ۳۹)

اور میں نے تمہارے اوپر اپنی طرف سے ایک اثرِ محبت ڈال دیا، اور تا کہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔

یہاں پر القیت، منی، اور عینی، یہ سب ضمیریں شفقت وکرم کا خصوصی انداز بتا رہی ہیں، جب حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ کی عظمتِ بے پناہ کا اندازہ ہوتا ہے اور اس کی محبت سے سرشار ہوتے ہیں تو وہاں پر ان کے دل ودماغ کو ایک ٹھوکر لگائی جاتی ہے یا یوں کہئے کہ ان کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ کس کی حضوری میں ہیں اور کون ذاتِ عظیم ان سے ہم کلام ہے وہاں پر ضمیر فخامت وعظمت کا استعمال اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اس کی عظمتِ شان کو سامنے لے آتی ہے،

اِذْ تَمْشِىْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا

(طٰهٰ: ۴۰)

(یہ قصہ اس وقت کا ہے) جب کہ تمہاری بہن چلتی ہوئی آئیں پھر کہنے لگیں کیا تم لوگوں کو ایسے شخص کا پتہ دوں جو اس کو اچھی طرح پالے رکھے پھر (اس تدبیر سے) ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پھر پہونچا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کو غم نہ رہے اور تم نے (غلطی سے) ایک شخص

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

(قبطی) کو جان سے مار ڈالا پھر ہم
نے تم کو اس غم سے نجات دی اور ہم
نے تم کو خوب خوب محنتوں میں ڈالا

اس آیت میں " رجعنا، نجینا، اور فتنا، میں ضمیر فخامت و عظمت جلوہ گر ہے اور پھر یہ عبارت حضرت موسیٰ کے ساتھ لطف و کرم کا اظہار کرتے ہوئے اس طرح آتی ہے کہ مفرد کی ضمیر مسند بن کر جملہ مکمل کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے انتخاب کی کڑیوں کو اور اس کے اپنانے (اصطناع) کا اعلان کرتی ہے،

"واصطنعتك لنفسی"

یہی مقام لطف و کرم ہے جس کا اظہار حق تعالیٰ جل شانہ نے رسول کریم محمد بن عبداللہ ﷺ کے حق میں پہلے ہی خطاب میں فرمایا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ○

(العلق : ۱ تا ۵)

(اے پیغمبر!) آپ (پر جو قرآن نازل ہوا کرے گا) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے (یعنی جب پڑھئے تو بسم اللہ کہہ کر پڑھا کیجئے) جس نے مخلوقات کو پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور ایسا ہے) جس نے لکھے پڑھوں کو قلم سے تعلیم دی اور (عموماً) انسان کو (دوسرے ذرائع سے) ان

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا

یہاں اسم، رب، اس کی ضمیر اور اسم موصول (الذی خلق) ہر ایک میں حق تعالیٰ جل شانہ کی قربت رسول کریم ﷺ کے ساتھ نمایاں ہے، اس کے اندر شفقت، مانوسیت، عزت افزائی اور حفاظت کی ضمانت موجود ہے۔

جب رسول کریم ﷺ پر وحی کا آنا کچھ عرصہ کے لئے بند ہوا اور آپؐ نے اپنے قلب مبارک میں بے چینی اور اضطراب محسوس کیا اور آپ پر یہ خوف طاری ہوا کہ کہیں حق تعالیٰ کے دریائے انس و رحمت میں فرق آ گیا ہو اور یہ سکوت کسی خفگی کا سبب ہو۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو جن الفاظ میں تسکین فرمائی وہاں آپ دیکھیں گے کہ تمام ضمیریں جو حق تعالیٰ کی طرف مائل ہیں وہ سب مفرد کی ضمیریں ہیں۔

وَالضُّحٰى ، وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ، مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقَلٰى ، وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ، وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ، اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ، فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ، وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ، وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ٥ (الضحیٰ: ۱۔۱۱)	قسم ہے دن کے روشنی کی اور رات کی جب کہ وہ قرار پکڑے (آگے جواب قسم ہے) کہ آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑا اور نہ (آپ سے) دشمنی کی اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بدر جہا بہتر ہے (پس وہاں آپ کو اس سے زیادہ نعمتیں ملیں گی) اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو (آخرت میں بکثرت نعمتیں) دے گا سو آپ خوش ہو جاویں گے کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر (آپ کو) ٹھکانا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دیااور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت
سے) بے خبر پایا سو (آپ کو شریعت
کا) راستہ بتلادیا، اور اللہ تعالیٰ نے
آپ کو نادار پایا سو مالدار بنادیا، (تو
آپ اسکے شکریہ میں) یتیم پر سختی نہ
کیجئے اور سائل کو مت جھڑکئے، (یہ تو
شکرِ فعلی ہے) اور اپنے رب کے
انعامات (مذکورہ) کا تذکرہ کرتے رہا کیجئے
(یعنی زبان سے قولی شکر بھی کیجئے)۔

یہ سورہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفقت و کرم اور نگہ داشت کا اعلان ہے اس میں دو قسمیں شامل ہیں والضحی اور واللیل اور اس میں جو لفظ اظہارِ شفقت کا وارد ہوا ہے دونوں میں منفی ابتداء ہے، ماودعك ربك وماقلیٰ ،

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جہاں جہاں اپنی ذاتِ گرامی کا حوالہ دیا ہے وہاں کہیں تو مفرد کا صیغہ ہے جیسے قلت، امرت، اسمع واریٰ، اور ضمیریں جیسے انہ، انت، ھو۔ اور افعال کے اندر جو ضمیر پوشیدہ (مستتر) ہوتی ہے اس کا استعمال ذاتِ پاک کے لئے کیا گیا ہے، یہ مقامات وہ ہیں جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی توحید کا ذکر کرتا ہے، شرک سے دور رہنے کی دعوت دیتا ہے، اپنی عظمت و شان کے ساتھ بندوں پر اپنی شفقت کا اظہار فرماتا ہے اور اس کو اپنی ذات پاک سے قریب تر بتاتے ہوئے مزاجی اور طبعی طور پر اس کو محبت اور عبادت کرنے والا ایک بندہ قرار دیتا ہے، جیسے:

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ
اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے اور تا کہ پرورش پائے تو میری آنکھ کے سامنے

اِنِّىْٓ اَنَا رَبُّكَ
میں ہوں تیرا رب

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِىْ
میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ
پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا پیدا کرنے والا ہے

جہاں اپنی عظمت وشان کا اظہار فرماتا ہے تاکہ بندہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور مالک الملک ہونے کا تصور کرے وہاں متکلم کے وہ صیغے آتے ہیں جو اس کی عظمت وجلالتِ شان کو ظاہر کرتے ہیں اور جن کے بارے میں لکھا گیا کہ متکلم کا صیغہ اللہ تعالیٰ اپنے لئے اپنے بندوں کو یہ جتلانے کے لئے اختیار فرماتا ہے کہ سب اس کے آگے سرنگوں، پسماندہ، اور دم بخود ہیں، جیسے،

اَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا،
ہم نے خبر سنادی تم کو ایک آفت نزدیک آنے والی کی

لَوْنَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ
اور اگر ہم چاہیں تو مٹادیں ان کی آنکھیں

اِنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ،
ہم نے اٹھالیا ان کی نسل کو

ان تمام مقامات پر غور کیجئے تو صاف نظر آئے گا کہ اللہ اپنے بندوں کو اپنی عظمتِ شان سے واقف کرارہا ہے،

کہیں ایسا بھی دیکھا جاتا ہے کہ چند آیتوں کے درمیان ہر طرح کا تسلسل اور لسانیاتی ہمواری قائم ہے اور ان کے اندر ذاتِ باری کبھی صیغہ مفرد

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ہے اور کہیں فعل جمع کے ساتھ اپنی ذاتِ اعلیٰ شان کا حوالہ دیا ہے، چنانچہ علماء تفسیر وادب نے ان آیات کو جن میں اللہ تعالیٰ کا ذکر مفرد کے صیغے یا ضمیر سے ہے، ان کو آیاتِ شفقت اور آیتِ کرم وعنایت کے طور پر بیان فرمایا ہے اور جمع کے صیغے والی آیات کو آیاتِ فخامت وجلالت قرار دیا، ان آیات کی تفصیل اور ضمائر کی نوعیت کا بیان امام جلال الدین سیوطیؒ نے تفصیل سے کیا ہے اور اس کی تلخیص ایک معاصر صاحبِ قلم ڈاکٹر عزالدین علی النبید نے اپنے تحقیقی رسالہ (من روائع الاعجاز) میں نقل کیا ہے۔

اہلِ علم نے جن کتابوں کو اعجاز قرآنی کے ضمن میں ذکر کیا ہے ان کے لئے "معترك الاقران" بہترین کتاب ہے یہاں اس مطالعہ کے خاتمہ پر تین آیتیں اپنے مدعا کو ظاہر کرنے کے لئے پیش کرتا ہوں۔ ایک وہ ضمیر فخامت وجلالت جو تمام انسانی آبادی سے مخاطب ہے،

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ (الانبیاء: ۲۵)	اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے میری سو میری بندگی کرو۔

اور یہ خطاب تمام قوموں سے ہے جن کی ھدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء مقرر کئے، اور جہاں خطاب شفقت وکرم ہے اس کی مثال حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام سے خطاب میں ملاحظہ فرمائیے۔

اِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ اذۡكُرۡ نِعۡمَتِىۡ عَلَيۡكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ اِذۡ اَيَّدْتُّكَ بِرُوۡحِ	جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي
الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَإِذْ عَلَّمْتُكَ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ
وَالْإِنْجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ
الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي
فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا
بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ
بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ
بِإِذْنِي وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي
إِسْرَائِيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ
بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا
مِنْهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ
وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ
أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا
آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ۔

(المائدة : ۱۱۰-۱۱۱)

جب کہ میں نے تم کو روح القدس
سے تائید دی، تم آدمیوں سے کلام
کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر
میں بھی اور جب کہ میں نے تم کو
کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور توریت
اور انجیل تعلیم کیں، اور جب کہ تم
گارے سے ایک شکل بناتے تھے
جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے میرے
حکم سے پھر تم اس کے اندر پھونک
مار دیتے تھے جس سے وہ پرندہ بن
جاتا تھا میرے حکم سے، اور تم اچھا
کر دیتے تھے مادر زاد اندھے کو اور
برص کے بیمار کو میرے حکم سے، اور
جب کہ تم مردوں کو نکال کر کھڑے
کر لیتے تھے میرے حکم سے، اور
جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم
سے یعنی (تمہارے قتل واہلاک
سے) باز رکھا، جب تم ان کے
پاس دلیلیں لے کر آئے تھے، پھر
ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کہ یہ بجز کھلے جادو کے اور کچھ بھی
نہیں اور جب کہ میں نے حواریین
کو حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے
رسول پر ایمان لاؤ انہوں نے کہا ہم
ایمان لائے اور آپ شاہد رہیے کہ
ہم پورے فرماں بردار ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس میں اندازِ لطف و کرم اور ایک عجیب شان سے حضرت عیسیٰ ابن مریم کی دلجوئی فرما رہا ہے جن کی لوگوں نے تکذیب کی تھی اوران کی ماں حضرت مریم پر اتہامات لگائے تھے، اس میں خطابِ واحد کا ماحول اچھی طرح ظاہر ہے، (نعمتی ۔ اَیَّدتُکَ ۔ عَلَّمتُكَ ۔ بِاِذنِی (چار مرتبہ) کففت، او حیت، بی، برسولی ۔

اور ایک مقام پر اپنے تمام بندوں کو دلاسا دیتا ہے اور اپنی رحمت وشفقت کا یقین دلاتا ہے اور تمام بندوں سے مخاطب ہے جو اپنے گناہوں کے معترف اور اللہ تعالیٰ کی عطاء اور بخشش کی طرف آس لگائے ہوئے ہیں۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ٥ وَاَنِيْبُوْآ اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ	آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے (کفر وشرک کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو، بالیقین خدا تعالیٰ تمام (گذشتہ) گناہوں کو معاف فرما دے گا، واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے اور تم

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لَاتُنۡصَرُوۡنَ ٥ وَاتَّبِعُوۡٓا اَحۡسَنَ مَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ، مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ الۡعَذَابُ بَغۡتَةً وَّ اَنۡتُمۡ لَاتَشۡعُرُوۡنَ ٥

(الزمر : ۵۳-۵۵)

اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور (اسلام قبول کرنے میں) اس کی فرماں برداری کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب (الٰہی) واقع ہونے لگے اور پھر (اسوقت کسی کی طرف سے) تمہاری کوئی مدد نہ کی جاوے اور تم (کو چاہئے کہ) اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تم کو اس کا خیال بھی نہ ہو۔

صرفہ

تیسری صدی ہجری کے آخر میں قرآن کریم کے معجزہ ہونے پر علماء کے درمیان بحث ومذاکرہ کا سلسلہ جاری تھا، فنِ بلاغت کی تاسیس، صرف اس لئے ہوئی تھی کہ قرآنی بلاغت کو لوگ سمجھ سکیں، دوسری طرف یہی وہ زمانہ ہے جب معتزلہ اپنی سرگرمیوں کا اظہار مختلف انداز میں کر رہے تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ قرآن کے معجزہ ہونے پر تقریباً تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو چکا ہے اور اب کسی کو قرآن کے خلاف اُکسایا نہیں جا سکتا تو انہوں نے قرآن کی خدمت کے پردے میں ایسے مسائل کھڑے کر دیئے جس نے قرآنِ کریم کے اصل اعجاز سے لوگوں کا رُخ دوسرے مسائل کی طرف پھیر دیا، انہیں میں ایک موضوع ''صرفہ'' کا بھی ہے،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

صرفہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم، اعجازِ بیانی کا نمونہ ضرور ہے لیکن یہ اعجاز قرآن کی بلاغت، اس کی ترکیب کی حلاوت اور طرزِ بیان کی سجاوٹ اور محیر العقول انداز میں بڑے بڑے اہم مسائل کو لفظ دو لفظ میں سُلجھا دینے اور پیچیدہ مسائل کا ناقابلِ انکار حل تلاش کرنے میں نہیں ہے، یہ سب باتیں انسانی کلام میں بھی پائی جاسکتی ہیں، عربی نظم ونثر کے ایسے نمونے مل جاتے ہیں جس میں تمام تر لسانی خوبیاں موجود ہیں، لہذا نہ تو قرآن کریم کے استعمال کردہ الفاظ (۱) ایسے ہیں، جن کی تقلید نہ ہو سکے اور معجزہ قرار دیا جائے اور نہ ہی نحوی ترکیبیں ایسی ہیں جو انسانی دسترس سے بلند ہوں اور پھر بھی یہ کلام معجزہ ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان افراد سے جو اس کی تقلید کرنا چاہتے، ان کی قوت سلب کر لی، کوئی بیرونی طاقت جو قرآن کریم کے علاوہ تھی اُن کو اس کام سے روک رہی تھی، اُن کی ہمت پست کر رہی تھی، اُن کو اس ارادہ سے کہ قرآن کا مقابلہ کریں ''پھیر رہی تھی'' عربی میں ''پھیرنے'' کو ''صرفہ'' کہتے ہیں۔

الخفاجی (م ۴۶۶ھ) نے ''سر الفصاحة'' میں یہ تحقیق پیش کی ہے کہ عربوں کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ کوئی غیبی طاقت اپنے ''اَن دیکھے ہاتھوں'' سے لوگوں کے دل ودماغ پر پہرہ لگا رہی ہے اور ان کی ہمت جواب دے رہی ہے، اس فکر (جس کو فتنہ کہنا زیادہ مناسب ہے) کو ایجاد کرنے والے اور اس کی تبلیغ کرنے والے پہلے شخص ''النظّام'' کے لقب سے مشہور ہوئے ان کا پورا نام ابو اسحاق ابراہیم بن سیّار بن ہانی البصری ہے، یہ غلاموں

---

(۱) مصطفیٰ صادق الرافعی (م ۱۳۵۶ھ) نے اپنی کتاب ''اعجاز القرآن والبلاغة النبوية'' میں اس بات پر زور دیا ہے کہ قرآن کریم میں جو الفاظ مفرد آئے ہیں وہ بھی اسی حسنِ ترتیب اور موزوں استعمال کی وجہ سے معجزہ میں شمار ہونے کے لائق ہیں۔ (طبعة ۱۳۸۹ھ المكتبة التجارية المصرية)

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کے خاندان سے تھے، ایک مشہور ذی علم معتزلی ابوھُذَیل العلاف کے بھانجے تھے، ان کو ''نظّام'' اس لئے کہا گیا کہ بصرہ میں گھونگوں اور کوڑیوں کے ہار بنا کر بیچا کرتے تھے، اپنے ماموں ''العلاف'' کے بڑے معتقد شاگرد تھے جو معتزلہ میں خاص مقام رکھتے تھے، النظّام ۲۳۱ھ ۳۶ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

امام ابو منصور البغدادی نے اپنی کتاب ''الفَرقُ بین الفِرَق'' میں فرقۂ نظامیہ کے بڑے لوگوں میں ان کا شمار کیا ہے، ان کی ذہانت وقابلیت کی تعریف کی ہے۔ ابن قُتَیبَہ نے اپنی کتاب ''تأویل مختلف الحدیث'' میں لکھا ہے کہ ''النظّام'' آدمی ذہین اور طبّاع تھا مگر الحاد کی طرف اس کا رُجحان تھا نیز اخلاقی لحاظ سے بہت ہی بدکردار مشہور تھا، ''النظّام'' کے جہاں کچھ مؤید ملے وہاں چند اس کے مخالف بھی پیدا ہوئے بلکہ اکثریت مخالفوں کی تھی یہاں تک کہ خود اس کے ماموں ''العلاف'' جو ایک سخت مزاج معتزلی تھے اس نے بھی ''النظّام'' کا ساتھ نہیں دیا بلکہ اس کے کفر پر فتویٰ دینے والوں کے ساتھ ہو گئے۔ اہل سنت والجماعت کے افراد بالاتفاق اس کے ضلال کے قائل ہو گئے، یہاں تک کہ شیخ ابوالحسن الأشعری نے تین کتابیں النظّام کے عقائد کے رد میں لکھیں، النظّام کے علاوہ جو لوگ ''الصرفہ'' کے قائل تھے ان میں ''الشریف المرتضیٰ'' کا نام بھی آتا ہے جن کی ادبیت نا قابلِ انکار ہے، احمد حسن زیات مؤلف ''تاریخ الادب العربی'' نے بغیر حوالہ دیئے ''اَصمعی'' کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''نہج البلاغۃ'' امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کلام ہو یا ''الشریف المرتضیٰ'' کے بھائی ''الشریف الرضی'' کی تصنیف ہو یا اس کی تالیف میں کسی تیسرے شخص کا ہاتھ ہو اتنا ماننا پڑے گا کہ قرآنِ کریم کے بعد سب سے بڑا ادبی سرمایہ ''نہج البلاغۃ'' ہے۔

یہ سچ ہے کہ ''الشریف المرتضیٰ'' کا اس نظریئے کو اپنانا ایک فتنہ کا باعث

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہوا، کیوں کہ ان کی ادبی منزلت کا ہر دور میں اعتراف کیا گیا، اسی طرح ''ابن حزم'' کی تائید بھی شر پسندوں کی طاقت بڑھانے کا سبب بنی، کیوں کہ وہ اندلس کے فقیہ، ادیب، شاعر، اور اَخلاق و کردار کے لحاظ سے قابل نمونہ شخصیت کے مالک تھے، قاضی ''باقِلاّنی'' نے ''صرفہ'' کے رد میں ایک پورا مقالہ لکھا ہے اور ان کی بات سَلف سے لے کر خَلف تک تسلسل کے ساتھ نقل کی جاتی ہے کہ: اگر قرآن کی بلاغت لفظی اور اس کی معنوی تاثیر کوئی چیز نہیں ہے اور عرب ایسا کلام پیش کر سکتے تھے مگر ان کی ہمت اللہ نے پست کر دی، لہٰذا قرآنِ کریم کا اعجاز ذاتی نہیں بلکہ اضافی ہے۔ قاضی ''باقِلاّنی'' لکھتے ہیں کہ: اس کی مثال اُس پہلوان کی سی ہے جس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے جائیں اور کہا جائے کہ اپنے مقابلہ کی طاقت کا مظاہرہ کرو، دوسری طرف اس کے مقابل لڑنے والے کو چھوٹ دے دی جائے تو ظاہر ہے کہ اس بندھے ہوئے اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسان سے کچھ نہیں ہوسکتا۔

صرفہ کی حقیقت

کہا جاتا ہے کہ عرب اپنے زمانۂ جاہلیت سے فصاحتِ کلام کے دلدادہ تھے، اور ان کے طویل قصیدے اور مُرصّع نثر اور رواں اور موزوں ترین رجز، اور قافیہ کی اعلیٰ تلاش اُن کا ہنر تھا، اُن کی شاعری کا نمونہ ''معلقات'' آج تک اُن کی قوتِ شعری اور ذوقِ کلام اور موزونیِ طبع، بے لاگ نقد، اور صحیح محاکمہ کا نمونہ، ہر زمانہ میں تسلیم کیا گیا، اُن کی مجلسیں، شعر و شاعری اور لطیفہ گوئی سے عبارت تھیں، اور قرآن کریم نے اُن کے فخر و مُباہات کی محاکات متعدد مقامات پر کی ہے جیسے ذیل کی آیتیں

اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ — دونوں فریقوں میں سے مکان کس کا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

أَحۡسَنُ نَدِيًّاo زیادہ اچھا ہے، اور محفل کس کی اچھی ہے

(مریم : ۷۳)

کفار و منافقین دعوے کے ساتھ اپنی زبان دانی کا اعلان کرتے تھے قرآن نے اُن کے اِس وصف کو بیان فرمایا ہے کہ منافق بھی باتیں، بڑی چکنی چپڑی کیا کرتے تھے اور چکنی چپڑی باتوں کے لئے فصاحت و بلاغت ضروری ہے۔

وَ اِذَا رَأَيۡتَهُمۡ تُعۡجِبُكَ اَجۡسَامُهُمۡ وَ اِنۡ يَّقُوۡلُوۡا تَسۡمَعۡ لِقَوۡلِهِمۡ o

(المنافقون : ۴)

اور جب آپ اُن کو دیکھیں تو (شان و شوکتِ ظاہری کی وجہ سے) اُن کے قد و قامت آپ کو خُوشنُما معلوم ہوں۔ اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی باتیں سن لیں

لہٰذا یہ بات تقریباً نا قابلِ فہم تھی کہ عرب اتنے لمبے اور طویل قصیدے کہہ سکتے تھے۔ چُٹکلے، مُعمّے، حکمت کی باتیں، تجربات پر مبنی محاورات جو سنتے رہتے تھے پھر چند آیتوں پر مشتمل چھوٹی سے چھوٹی سورۃ جیسے سورۃ ''الکوثر'' یا ''الاخلاص'' تصنیف کرنے سے کیوں کر عاجز ہوئے؟ اس عجز کا سبب ایک کوئی بیرونی طاقت تھی جو اُن کو قرآن کا مقابلہ کرنے سے روک رہی تھی اور اِسی کا نام ''صرفہ'' ہے۔

النظّام اور اس کے ہمنوا اہلِ فن کی گمراہی کا سبب یہی تھا جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ اور ان تمام مدعیانِ تحقیق کی باتیں یکجا کی جائیں تو معلوم ہوگا کہ ''الصرفہ'' پر ایمان رکھنے والے بھی دو طبقہ کے لوگ تھے۔

۱۔ النظّام اور اسکے تابع: ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ عربوں سے اصلاً یہ طاقت سلب کر لی گئی کہ وہ قرآن کا مقابلہ کر سکیں لہٰذا اُنہوں نے اِس کی طرف توجہ نہیں کی اور اگر توجہ کرتے تو ایسا کلام وہ بھی تصنیف کر سکتے تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

۲۔ دوسرا فرقہ یہ کہتا ہے جس میں الشریف المرتضٰی ہیں، ابن سنان الخفاجی ہیں اور ان کے پیرو اہلِ فن ہیں کہ: اللہ نے عربوں سے وہ علوم سلب کر لئے جو قرآن کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری تھے، اور اگر وہ علوم، سلب نہ ہوتے تو وہ بھی قرآن جیسی آیات وضع کر سکتے تھے۔

ان دونوں قسموں (یا دونوں فرقوں) کو علماء حق نے گمراہ قرار دیا ہے ان کے دلائل یہ ہیں:

نقلی دلائل

۱۔ امتِ اسلامیہ کے علماءِ سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآنِ کریم کا اعجاز، ذاتی ہے اِس میں وہ خصوصیات پائی جاتی ہیں، جن کا لانا انسان کے بس کے باہر ہے اور انسان کی قوتِ بشریہ اِس طرح کا کلام نہیں پیش کر سکتی، اور اگر قرآن کا اعجاز "صرفہ" کی وجہ سے ظاہر ہوتا تو قرآنِ کریم سے اِس کے ذاتی اعجاز کا عقیدہ ختم ہو جاتا ہے اور معجزہ "صرفہ" کا نام ہو جاتا ہے جو قرآنی چیلنج کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن بیرونی طاقت کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی وہ صفات بیان کی ہیں جو اس کو ذاتی حیثیت عطا کرتی ہیں اور دوسرے معجزات کے مقابلے میں اس کو ترجیح دیتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ قرآن کا موجود ہونا دوسرے تمام مادی معجزات سے بے نیاز کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَقَالُوا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○	اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کے پاس سے نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوئیں۔ آپ کہہ دیجئے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اَوَلَمۡ يَكۡفِهِمۡ اَنَّآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتَابَ يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَرَحۡمَةً وَّذِكۡرٰى لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ○

(العنکبوت : ۵۰-۵۱)

کہ وہ نشانیاں تو خدا کے قبضہ میں ہیں اور میں تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں کیا ان لوگوں کو یہ بات کافی نہیں ہوئی کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی جو ان کو سنائی جاتی رہتی ہے بلا شبہ اس کتاب میں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے۔''

لہٰذا یہ اوصاف و خصوصیات، قرآنی اعجاز کے ذاتی ہونے کا اعلان کرتے ہیں نیز ارشاد فرمایا:

وَلَوۡ اَنَّ قُرۡاٰنًا سُيِّرَتۡ بِهِ الۡجِبَالُ اَوۡ قُطِّعَتۡ بِهِ الۡاَرۡضُ اَوۡ كُلِّمَ بِهِ الۡمَوۡتٰى بَلۡ لِّلّٰهِ الۡاَمۡرُ جَمِيۡعًا

(الرعد : ۳۱)

اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعہ سے پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹا دیئے جاتے یا اس کے ذریعہ سے زمین جلدی جلدی طے ہو جاتی یا اس کے ذریعہ سے مُردوں کے ساتھ کسی کو باتیں کرادی جاتیں (تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے) بلکہ سارا اختیار خاص اللہ ہی کو ہے۔

یعنی اگر کسی کتاب میں یہ طاقت ہوتی کہ اپنے اثرات ثبت کر سکے تو قرآن سب سے زیادہ مستحق تھا کہ اُس سے اس طرح کے تغیرات کی توقع کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَ قُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنۡ هَادٍ

(الزمر : ۲۳)

اللہ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جوایسی کتاب ہے کہ جو باہم ملتی جلتی ہے، بار بار دہرائی گئی ہے، جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں، پھراُن کے بدن اور دل نرم (اور منقاد) ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، یہ (قرآن) اللہ کی ہدایت ہے۔ جس کو وہ چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت کرتا ہے اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں۔

اس صورتِ حال میں ''صرفہ'' پر ایمان رکھنا قرآنِ کریم سے روگردانی کے ہم معنی ہے۔ کیوں کہ یہ صفات قرآنِ کریم کا عطیہ نہیں ہیں، بلکہ صرفہ کی اس قوت کا نتیجہ ہے جو ان آیات اور ان کے قاری کے درمیان حائل ہے۔

صرفہ کے باطل ہونے کے عقلی دلائل

۱۔ نظّام اور اس کے مقلّدین کے اِس دعویٰ کو کہ اللہ نے لوگوں کے اندر سے مقابلہ کی کوشش کو بے کار اور بے وزن کر دیا، تاریخ جھٹلاتی ہے، یہ کیوں کر کہا گیا کہ قرآن کا مقابلہ کرنے کے لئے کچھ لوگ کھڑے ہو سکتے تھے۔ مگر صرفہ کی قوت کی بنا پر نہیں کھڑے ہوئے۔ حالانکہ کفارِ قریش نے کوئی دقیقہ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اٹھا نہیں رکھا تھا کہ قرآنِ پاک کو بے وزن قرار دیں۔ کیا یہ کہا جائے گا کہ قرآن کا مقابلہ کرنے کے تقاضے بے شمار تھے لیکن ''صرفہ'' نے اس کام کی طرف سے اُن کو بے نیاز کر دیا یا روک دیا۔ اگر ایسا ہی تھا تو کفارِ قریش نے عُتبہ بن رَبیعہ کو اپنا نمائندہ بنا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیوں بھیجا تھا؟ کہ آپ ہمارے بتوں اور اصنام کو باطل نہ قرار دیں۔

۲۔ کیا صحیح ہے کہ کفارِ قریش نے اسلام کا مقابلہ چھوڑ دیا تھا، حالانکہ انہی لوگوں نے اپنے بڑے بوڑھوں کو اور قبیلہ کے باوجاہت لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے چچا جناب ابو طالب کے پاس بھیجا کہ آپ اپنے بھتیجے کو اِس دعوے سے روک دیجئے اور خود نہ روک سکتے ہوں تو ہمارے حوالے کر دیجئے ہم ان کو قتل کر کے دوسرے نوجوان عمارہ بن الولید بن المغیرہ کو آپ کو دے دیں گے جو انہی کی طرح خوب رو، تندرست اور نیک نام ہے۔

۳۔ اگر کوئی اندرونی طاقت ان کو قرآن کا مقابلہ کرنے سے روک رہی تھی، جس نے اصل معرکہ سے ان کا رُخ پھیر دیا تو یہ ''صرفہ'' ان کو جنگ سے کیوں نہیں روک سکا، جنگوں کا سلسلہ جس میں ان کے بڑے بڑے بہادر، ہمت ور اور اپنے عقیدہ میں پختہ جوان اور ادھیڑ عمر کے لوگ شریک ہوئے اور مارے گئے۔

غرض ''صرفہ'' کا عقیدہ ایک شُعبدہ اور مُعمہ تھا جو زیادہ عمر نہ پاسکا، اور ''النظام'' بھی فنا ہوئے اور النظّام کے ماننے والے اور چند معتزلی علماء بھی دنیا سے ناپید ہوئے اور ان کی فلسفہ دانی بھی ختم ہوئی۔ رہے نام اللہ کا، بلند ہو کلمہ رسول اللہ کا، اب کوئی مسلمان جانتا بھی نہیں کہ یہ کیا بلا تھی، کہاں سے آئی اور کہاں گئی۔

چوں کہ مطالعۂ قرآن کی تاریخ کا ایک موڑ ایسا بھی گذرا ہے اس لئے اس کا ذکر تاریخی معلومات کی حد تک ہونا چاہیے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

باب سوم

فصاحت و بلاغت کی اعجازی خصوصیات

عام طور سے بلاغتِ قرآنی کو معجزہ قرار دیا گیا اور جیسا کہ تفصیل آگے آئے گی کہ: بلاغت کی بہت ہی مختصر اصناف قابلِ حجت سمجھی گئیں، لیکن حقیقت اِس سے کہیں بالاتر ہے، وسیع ہے اور گہری ہے، علمائے سلف نے اِن مسائل کے بیان کرنے میں اپنی زندگیاں صرف کی ہیں اور اپنی ذہانت و وسعتِ معلومات کو ظاہر ہونے کا موقع دیا ہے، ذیل میں ہم اِسی کے پیشِ نظر ان پہلوؤں پر حسبِ امکان روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

قرآن کا لسانیاتی اعجاز

اب تک معجزۂ قرآن کی جو مثالیں دی گئی ہیں اس میں زبان و بیان کے محاسن کا ذکر نہیں آیا، کیوں کہ اس کا تعلق عربی زبان کے گہرے مطالعہ اور اس کے نکات کی واقفیت پر مبنی ہے، قدماء کے بیانات کی روشنی میں چند رُموز کی طرف اشارہ کرنے سے پہلے، ہم صرف چند گوشے ایسے پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، جن میں لسانیاتی جمال کا بھرپور عنصر موجود ہے، اور ترجمہ کے ذریعہ،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کلام پاک کا مطالعہ کرنے والوں کی سمجھ میں آسکتا ہے، اس سلسلے میں ایک اہم بات کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ کلامِ پاک میں جہاں اس کی بلاغت کا ذکر آیا مصنفین، تشبیہ، مجاز، استعارہ و کنایہ کو نمایاں کرنے کی زیادہ کوشش کرتے رہے اور عام بیانات: ''حلال و حرام'' کے مسائل، ''احکام و نواہی'' کی تفصیل، ''وعظ و ارشاد'' کے اسالیب کی طرف کم توجہ کی گئی، گویا قرآنِ مجید میں جہاں اہلِ زبان کو چیلنج کیا گیا ہے کہ وہ اس جیسی ایک سورہ بھی اپنی طرف سے تصنیف نہیں کر سکتے، وہاں اس کا مطلب مجاز و کنایہ اور تشبیہ، استعارہ کی زبان ہے، حالانکہ پورا قرآن شروع سے آخر تک معجزہ ہے، اور ہر آیت اپنی جگہ پر بلاغت کی علامت ہے، مثال کے طور پر سورہ ''البقرۃ'' کے ابتدائی رکوعات کی تلاوت کیجئے، ''الٓمّٓ'' سے لے کر آیت تحدّی:

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ ٥

(البقرة : ۲۳-۲۴)

اور اگر تم کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت، جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ خاص پر تو اچھا تم پھر بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو جو خدا سے الگ تجویز کر رکھے ہیں اگر تم سچے ہو، پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکے اور قیامت تک بھی نہ کر سکو گے تو پھر ذرا بچتے رہو دوزخ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، تیار ہوئی رکھی ہے کافروں کے واسطے۔

تک نمونہ کے طور پر پڑھ جائیے اور دیکھئے کہیں پر زبان رکتی ہے؟ تسلسل

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

میں فرق آتا ہے؟ کوئی غریب لفظ ہے؟ کوئی پیچیدہ ترکیب ہے؟ کوئی فلسفیانہ گتھی ہے؟ معلوم ہوگا بجز اس کے کچھ نہیں کہ ایک سیدھا سادہ بیان ہے اہلِ ایمان کی تعریف میں کہ وہ کون لوگ ہیں، کفار کا حتمی جواب جس سے ان کے انکارِ کامل کا پتہ لگے (اور کفر کے معنی انکار، ناشکری، روگردانی، اور حق سے منھ پھیرنا اور باطل کی طرف مائل ہونا ہے) اس کے بعد منافقوں کا ذکر ہے جو اپنے جذبۂ انکار پر عمل کرتے ہیں اور زبان سے اپنے مومن ہونے کا اقرار کرانا چاہتے ہیں، ان کے بعد ان مُتمر دین (سرکش لوگ) کا ذکر ہے جو صرف انکار و نفاق پر قائم نہیں بلکہ انکار و نفاق جنکی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے، وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور زبان سے اصلاح کا نام لیتے ہیں، بدی کے خوگر ہیں اور نیکی کا دَم بھرتے ہیں، اس پورے رکوع میں ایک سلاست ہے، جو عام انسانی گفتگو کی سلاست سے ہزار گنا بلند ہے۔ جب ان سے کہا گیا کہ بھلے آدمیوں کی طرح تم بھی ایمان لے آؤ تو انہوں نے بہت پھیکے پن کے ساتھ اور جان چھڑانے کے انداز میں ایک لفظ جواب میں کہہ دیا ''آمنا''، بحث میں نہ پڑنے کا اظہار بے دلی کے ساتھ کر دیا، کہ ہاں ایمان لے آئے، لیکن جب ان کے ہم عقیدہ جمع ہوتے ہیں اور یہی سوال کرتے ہیں کہ کیا تم ایمان لے آئے تو جوش کے ساتھ کہتے ہیں ''اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ'' یہاں پر دو جملے ہیں اور جب مسلمانوں کو جواب دیا تھا جس کا لہجہ بتا رہا ہے کہ انتہائی بے دلی کے ساتھ کہہ دیا: ''آمنا'' یہ کوئی ایسا نکتہ نہیں ہے جس کی مثال قرآنِ کریم میں دوسری جگہ نہ ملتی ہو غیر عربی داں حضرات کے لئے بطورِ مثال پیش کیا گیا، قرآن مجید نے صرف قانونی انداز کا جواب نہیں دیا، بلکہ وعظ و نصیحت کا وہ انداز اختیار کیا ہے جو قلب پر اثر انداز ہو۔ سورۂ ''الاعراف'' میں ان انبیاء کرام کا ذکر ہے، جنہوں نے اپنی قوم کے سامنے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دعوتِ حق پیش کی اور قوم نے ایمان لانے سے انکار کر دیا، چنانچہ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے تباہ کر دیا، کہیں سیلاب آیا، کہیں پتھراؤ ہوا، کہیں زلزلہ آیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تجارتی لین دین میں ایمانداری کی شاہ راہ پر قائم نہیں تھی اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو عبرت بنایا اور سب کو زمین کے اندر ایک بارگی دھنسا دیا اور وہ لوگ اس درجہ تباہ ہوئے کہ ان کا نام ونشان نہ ملا گویا کہ وہ کبھی اس جگہ بسے ہوئے تھے ہی نہیں۔ ''كَأَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا''

ایک پیغمبر کی بات جب پوری ہو جاتی ہے اور جس کی پیشین گوئی کی تھی وہ پیش آجاتی ہے تو پیغمبر کے اندر فاتحانہ غرور نہیں پیدا ہوتا بلکہ اللہ کی عظمت سے اس کا دل جھک جاتا ہے۔ حضرت شُعیب علیہ السلام کی قوم جب تباہ ہوگئی تو کس دل سوزی اور گہرے غم کے ساتھ آپ نے ان کو مخاطب کیا ہے جیسے کوئی باپ اپنے تباہ ہونے والے فرزند کو تباہ دیکھ کر اس کی لاش کے سامنے کھڑا ہو، اور یہ کہہ رہا ہو کہ: آہ! میں نے کتنا تم کو سمجھایا اور کتنی بار تم کو نصیحت کی اور کس کس طرح سے جھنجھوڑا، اور میں کس طرح آج اپنے غم کا اظہار کروں ایک پیغمبرِ وقت اپنی تباہ شدہ قوم کی لاشوں کو دیکھ کر یہ کہتا ہے۔

يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ، فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝
(الأعراف : ۹۳)

کہ اے میری قوم میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیئے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی پھر میں ان کافر لوگوں پر کس طرح رنج کروں۔

اس سے پہلے کی آیت میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر جو عذاب آیا اس کی طرف اشارہ ہے، اس بیان میں بھی ایک پیغمبرانہ جذبۂ محبت اور

CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ
toobaa-elibrary.blogspot.com

ناصحانہ انداز میں بیان عقوبت ذکر فرمایا گیا ہے اور دیکھئے مندرجہ ذیل آیتوں میں لفظ شعیب کی تکرار کس درجہ شفقت اور غم کا امتزاج دکھا رہی ہے

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ٥ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخَاسِرِيْنَ

(الأعراف : ۹۱-۹۲)

پس ان کو زلزلے نے آ پکڑا سو اپنے گھروں میں اَوندھے کے اَوندھے پڑے رہ گئے، جنہوں نے شعیب (علیہ السلام) کی تکذیب کی تھی اُن کی یہ حالت ہوگئی جیسے ان گھروں میں کبھی لبسے ہی نہ تھے جنہوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی تھی وہی خسارے میں پڑ گئے

ایک خاص اسلوبِ تعلیم

بہت سے حقائق و معانی کو انسان کے دل و دماغ میں اتارنے اور ذہن نشیں کرنے کے لئے قرآنِ کریم نے مکالمہ کا طرز اختیار کیا ہے، اور بعض مقامات پر اپنی ایسی مخلوق کو مخاطب فرمایا ہے جن کو عام طور پر ایسے صیغوں (یا ضمائر) سے مخاطب نہیں کیا جاتا، جو بنی نوع انسان کے لئے مخصوص ہیں، مثلاً آپ ایک آدمی سے کہیں گے: آؤ، مگر دریا، پہاڑ، جنگل، یا درخت سے ایسا نہیں کہیں گے کہ: آاے درخت! یا جا اے درخت، مگر اللہ تعالیٰ سب کا خالق ہے، سب اس کے آگے ذرۂ بے مقدار ہیں۔ پھر اس طرزِ تخاطب میں تفہیم (سمجھانے) کا انداز نرالا ہے جو قرآنِ پاک کے لسانیاتی جمال کو سامنے لے آتا ہے، علمائے بلاغت اس کو مجاز کی ایک قسم ''تمثیل'' میں شمار کرتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مکالمہ کی مثال

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ٥ قَالُوْا سُبْحَانَكَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَاعَلَّمْتَنَآ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ٥ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْبَأَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَاتُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ٥

(البقرة : ۳۱-۳۳)

اور علم دیدیا اللہ تعالیٰ نے (حضرت) آدم علیہ السلام کو (ان کو پیدا کر کے) سب چیزوں کے اسماء کا پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کردیں، پھر فرمایا کہ بتلاؤ مجھ کو اسماء ان چیزوں کے (یعنی مع ان کے آثار و خواص کے) اگر تم سچے ہو، فرشتوں نے عرض کیا آپ تو پاک ہیں ہم کو ہی علم نہیں، مگر وہی جو کچھ ہم کو آپ نے علم دیا، بیشک آپ بڑے علم والے ہیں، حکمت والے ہیں (کہ جس قدر جس کے لئے مصلحت جانا، اسی قدر فہم و علم عطا فرمایا) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کہ اے آدم ان کو ان چیزوں کے اسماء بتلادو سو جب بتلا دیئے ان کو آدم نے اُن چیزوں کے اسماء تو حق تعالیٰ نے فرمایا (دیکھو) میں تم سے کہتا نہ تھا کہ بے شک میں جانتا ہوں تمام پوشیدہ چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور جانتا ہوں

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جس بات کو تم ظاہر کر دیتے ہو اور
جس بات کو دل میں رکھتے ہو۔

ان آیاتِ کریمہ میں فرشتوں سے گفتگو نقل کی گئی، جب کہ معلوم ہے کہ بیچارے فرشتے اللہ تعالیٰ کی اسی طرح ایک مخلوق ہیں، جس طرح انسان، حیوان، جمادات، نباتات وغیرہ، اور ان کو تو پیدا ہی اسی لئے فرمایا گیا کہ ہر لحہ حکم الٰہی کو انجام دینے کے لئے کمر بستہ رہیں، جہاں اشارہ ملے سر جھکا دیں اور تعمیلِ حکم کا فرض انجام دیں ان کی کیا مجال کہ امرِ الٰہی پر اعتراض کریں اور کہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے اور وہ کیوں کر ممکن ہے۔

ابلیس سے مکالمہ (تمثیل)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا كُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ، لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ، قَالَ اَنْظِرْنِىْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ، قَالَ اِنَّكَ مِنَ

اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے ہی تمہاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو، سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے، وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوسکا، حق تعالیٰ نے فرمایا: تو جو سجدہ نہیں کرتا تجھ، کو اس سے کون سا امر مانع ہے جبکہ میں تجھکو حکم دے چکا ہوں ۔ کہنے لگا! میں اس سے بہتر ہوں آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اُس کو آپ نے خاک

CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ
toobaa-elibrary.blogspot.com

الْمُنْظَرِيْنَ، قَالَ فَبِمَآ
اَغْوَيْتَنِيْ لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ
صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ، ثُمَّ
لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيْهِمْ وَ
مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ أَيْمَانِهِمْ وَ
عَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ
اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ ٥

(الاعراف : ۱۱تا۱۷)

سے پیدا کیا، حق تعالیٰ شانہ، نے فرمایا: تو آسمان سے اتر تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے آسمان میں رہ کر۔ سو نکل بیشک تو ذلیلوں میں شمار ہونے لگا، وہ کہنے لگا کہ مجھ کو مہلت دیجئے، قیامت کے دن تک، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی گئی، وہ کہنے لگا بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ بیٹھوں گا، پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی ان کی داہنی جانب سے بھی، اور ان کی بائیں جانب سے بھی، اور ان میں سے اکثروں کو احسان ماننے والا نہ پائیے گا۔

فرشتوں اور ابلیس سے مکالمہ جن کے نمونے آپ نے اوپر دیکھے، یہ قرآن کا خاص طرزِ تفہیم ہے، جس سے مقصودِ کلام، صاف واضح ہو کر سامنے آجائے۔ مفسرین کی ایک بڑی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ہم الفاظ قرآن کے پابند ہیں جو بات جہاں پر اور جس طرح کہی گئی ہے ہم اس کو بعینہٖ اِسی انداز میں سمجھتے ہیں جس طرح دنیا کے مادی امور۔ اگر ان حضرات کی بات

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner
toobaa-elibrary.blogspot.com

مان لی جائے، اور گفتگو کا رخ حقائق ومجازات کے الجھاؤ میں نہ ڈالا جائے جب بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے۔ کیوں کہ اپنے بندہ کو چیونٹیوں سے بات کرنے اور ان کی گفتگو کو سمجھنے کا موقع دے سکتا ہے تو کیا فرشتوں کو مخاطب نہیں کر سکتا، بہر حال آپ گفتگو کا رخ جس طرف چاہیں موڑ دیں۔ اندازِ کلام، تفہیم کا ہے جس سے بات دل ودماغ میں اتر جاتی ہے اور کسی تاویل کی محتاج نہیں رہتی اور قرآن کریم کا اسلوبِ تفہیم، معجزانہ ہے۔

جمادات کو اس طرح آواز دینا جس طرح ذی روح کو مخاطب کیا جاتا ہے یہ قرآنِ کریم کا معجزانہ اُسلوب ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا گیا، پرندوں کو مانوس کر دیا گیا، مگر اس کو بجائے جملۂ خبریہ میں بیان کرنے کے صیغۂ امر میں بیان فرمایا گیا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا يَا جِبَالُ أَوِّبِىْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ وَ أَلَنَّالَهُ الْحَدِيْدَ ۝

(سبا : ۱۰)

اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی۔ اے پہاڑو! داؤد کے ساتھ بار بار تسبیح کرو اور اسی طرح پرندوں کو بھی حکم دیا اور ہم نے ان کے واسطے لوہے کو (مثل موم کے) نرم کر دیا

اگر یہی بات اس طرح کہی جاتی کہ ہم نے پہاڑوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ داؤدؑ کے ساتھ ہماری تسبیح کریں، اس کے اندر وہ حمیّت اور یقین وقوت نہیں پیدا ہوتی جو خِطاب کے صیغہ میں ہے۔ ”یا جبال “ اے پہاڑو!

اسی طرح سیدنا نوح علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام کے قصہ کا خاتمہ جن الفاظ پر ہوتا ہے، اس میں ارشاد ہوا:

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وَ قِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِىْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِىْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِىَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِىِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

(هود : ۴۴)

(حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت نہ ماننے اور کفر و الحاد پر مُصر قوم جب فنا ہو چکی تو حکم ہو گیا) اے زمین! (سطح زمین پر جمے ہوئے) پانی کو نگل جا، اور اے آسمان (پانی برسانے سے) تھم جا، (اور ایسا ہی ہوا) پانی گھٹ گیا اور قصہ ختم ہوا۔ اور (کشتی) کوہ جودی پر آٹھہری۔ اور کہہ دیا گیا کہ کافر لوگ رحمت سے دور ہوئے۔

یہاں پر یہ آیت صرف یہ دکھانے کے لئے نقل کی گئی ہے کہ غیر ذی روح کو خطاب کر کے بات کو سمجھانے کے لئے آسان کر دینا قرآنِ کریم کا اسلوب خاص ہے، جس کی مثالیں بعض محاورات میں ملتی ہیں، مگر جس وسعت اور گہرائی کے ساتھ قرآنِ کریم نے اِس طرز کو استعمال کیا ہے، اس سے صورتحال اس طرح عَیاں ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ آنکھوں کے سامنے جیسے نقشہ پھر جائے، یہ آیتِ کریمہ کی بلاغت کی نرالی شان ہے۔ جس کا مقابلہ کسی بشر کے کلام سے نہیں کیا جا سکتا۔ مؤرخینِ ادبِ عربی کا کہنا ہے کہ عربی ادب کا مشہور نثر نگار ابن المُقفع قرآنِ کریم کے مقابلہ میں کلام بنانے کی کاوش کر رہا تھا مگر جب اس آیت پر پہونچا تو قلم رکھ دیا اور ایمان لے آیا۔

لا تنقضی عجائبہ

ہر مفسر کو ایک نئے مفہوم اور نئی وجدانی کیفیت کی نعمت اس وقت عطا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہوتی ہے جب وہ قرآن کریم کے معانی پر غور کرتا ہے یہی نہیں اگر آپ نحو و بلاغت کا فن جانتے ہیں تو ہر مرتبہ کوئی نیا نمونہ ایسا ملے گا جس سے کوئی نحوی گرہ کھل جائے گی، ایک معاصر مفسر کی تحریر پڑھ رہا تھا اس نے لکھا کہ سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات میں وارد ہوا ہے ''فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ'' (ان کی تجارت سود مند نہیں ہوئی) حالانکہ تجارت سود مند یا خسارہ والی نہیں ہوتی بلکہ تاجر کامیاب ہوتا ہے یا ناکام، یہ مجازِ حقیقی کی مثال ہے۔

اتفاق سے یاد آیا کہ ''المَیدانی'' کے شارح ''مِقداد'' نے لکھا ہے کہ جھوٹ و نفاق پر جو کفار کا اعتماد تھا اور جس کے ذریعہ وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم مسلمانوں میں بھی مقبول رہیں گے اور اپنے ساتھیوں میں بھی قابلِ اعتماد رہیں گے یہ پورا کاروبار (تجارت مجازاً) ٹھپ پڑ گیا، صاحبِ روح المعانی کی توجہ بھی قابل ذکر ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ، ایک تجارت یہ ہے اور ایک تجارت منافقوں کی۔ غرض کتاب وسنت کی روح قائم رکھتے ہوئے ایک آیت کی بہتیری تفسیریں ہوتی رہی ہیں یہ سب ثبوت ہے اس بات کا کہ قرآنِ کریم کے عجائب کبھی ختم نہیں ہونگے۔

اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق جو آسمانوں اور زمینوں میں پھیلی ہوئی ہیں، دریا، سمندر، پہاڑ سب اس کے دستِ قُدرت میں اس طرح بے بس اور تنکوں سے زیادہ بے وزن ہیں، جس سے چاہے جو کام لے، جب چاہے وجود میں لے آئے، اور جب چاہے فنا کر دے، اس نے جب چاہا کائنات کو چلانے کے لئے اپنی مخلوق میں کسی مخلوق کو عقل، قدرت، امتیاز کا کوئی محدود سے محدود تر حصہ عطا فرمایا، اور اس کو اپنا خلیفہ بنایا اس نے ساری مخلوقات کے درمیان صرف انسان کو

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اس خدمت کا سزاوار بنایا۔ عناصر اربعہ (آگ خاک، ہوا، پانی) جس کے مزاجِ ترکیبی میں فنا، فساد، ایک کا دوسرے کو مٹانا ہے، اس سے اس درجہ عظیم الشان کام لینا فرشتوں کے لئے موجب حیرت تھا اور وہ چیخ اٹھے "اَتَجعَلُ فِیهَا مَنْ یُّفسِدُ فِیهَا وَیَسفِكُ الدِّمَآءَ" مگر ان کو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت کا اندازہ نہیں تھا جو اللہ جانتا ہے وہ نہیں جانتے تھے" قَالَ اِنِّیٓ اَعلَمُ مَالَا تَعلَمُونَ" حق تعالیٰ جل شانہٗ کی قدرت و بصیرت، حکمت و مصلحت کو فرشتے بھی نہیں جان سکتے تھے،

بہر حال یہ بات جو مختصر نظر آرہی ہے بہت تفصیل چاہتی ہے۔ قرآن کریم کا یہ معجزہ ہے کہ اتنی وسیع اور گہری بات کو ایک "تمثیلِ مجازی" کی شکل میں بیان کر دیا جس سے زیادہ دل آویز، دل کش، دل نشیں اور دل پذیر اسلوب کسی زمانہ میں اور تاریخ کے کسی دور میں نہیں دیکھا گیا۔

اسی اسلوبِ کلام کا ایک خصوصی اور نایاب نمونہ آیت "عرض امانت" میں ملتا ہے۔

اِنَّا عَرَضنَا الاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَالجِبَالِ فَاَبَینَ اَن یَّحمِلنَهَا وَاَشفَقنَ مِنهَا وَحَمَلَهَا الاِنسَانُ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُومًا جَهُولًا، لِیُعَذِّبَ اللّٰهُ المُنٰفِقِینَ وَالمُنٰفِقَاتِ وَالمُشرِکِینَ وَالمُشرِکٰتِ وَ یَتُوبَ اللّٰهُ عَلَى المُؤمِنِینَ	ہم نے یہ امانت یعنی احکام جو بمنزلۂ امانت کے ہیں، آسمان و زمین و پہاڑوں پر پیش کی تھی سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا، وہ ظالم ہے، جاہل ہے، انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ منافقین اور منافقات

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وَالْمُؤْمِنَاتِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ (الاحزاب ۷۲-۷۳)	اور مشرکین اور مشرکات کو سزا دے گا اور مؤمنین اور مؤمنات پر توجہ (رحمت) فرمائے گا۔

یہ آیتِ کریمہ، تخلیقِ آدم کی حکمت و مصلحت پر روشنی ڈالتی ہے کہ بارِ امانت آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں میں سے کوئی نہیں اٹھا سکا، اور اس کا شرف، صرف انسان کو بخشا گیا، مفسرین نے عام طور پر ''امانت'' کا مفہوم احکام خداوندی کی طاعت لیا ہے، ''کشاف'' میں ''زمخشری'' نے ایک اچھے علمی نکتہ کا اضافہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت کی عظمت اس سے ظاہر ہوتی ہے کیوں کہ اوپر والی آیت میں فرمایا گیا ہے۔

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا (الاحزاب: ۷۱)	اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔

لہٰذا ''فوز عظیم'' کی بشارت طاعت گذاروں کو عطا فرمائی گئی یہ ان کے لئے شرف و عزت کی بات ہے، یہ بات جمادات، پہاڑوں اور آسمانوں و زمینی اجرام کے لئے نہیں فرمائی گئی، بالکل صحیح ہے کیوں کہ وہ بے اختیار ہیں خود ان کا کوئی ارادہ نہیں ہے خیر و شر میں سے کسی شئی کو اختیار کرنے کا انہیں اختیار نہیں ہے ان کو جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ (حم سجدہ: ۱۱)	اللہ تعالیٰ نے پھر اس سے یعنی آسمانوں سے فرمایا کہ تم دونوں (اے آسمانوں اور زمینوں) خوشی سے لے آؤ یا زبردستی سے۔ ان دونوں نے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔

لہٰذا جمادات واجرامِ سماوی وارضی تو طاعت پر پیدا ہوئے ان کو اس میں کسی چون و چرا کی گنجائش نہیں، انسان سے کہا جا رہا ہے کہ تو انہیں کی طرح طاعت الٰہی کو اپنی فطرت کا جزء بنا لے، ''زمخشری'' ہی کی طرح ''قرطبی'' نے بھی اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں امانت کا معنی ''طاعت'' کے لیا ہے۔

شیخ محمد الامین الشنقیطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن'' میں اس بات کو صاف کہا ہے کہ غیر ذی روح کو خطاب کرنا قرآنِ کریم کا اسلوب ہے۔

سورۂ بقرہ میں پہاڑی چٹانوں کے بارے میں فرمایا گیا:

وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ ۔

اور انہیں پتھروں میں سے بعضے ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے خوف سے نیچے لڑھک آتے ہیں

(البقرۃ : ۷۴)

اور وہ آیات جن میں غیر ذی روح کو خطاب کیا گیا ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَ لٰـكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ ۞

(بنی اسرائیل : ۴۴)

تمام ساتوں آسمانوں اور زمین اور جتنے ان میں ہیں اس کی پاکی بیان کر رہے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی ''قالاً یا حالاً'' بیان نہ کرتی ہو لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو۔

CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ
toobaa-elibrary.blogspot.com

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ (الانبياء: ٧٩)

اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو کہ ان کی تسبیح کے ساتھ وہ تسبیح کہا کرتے تھے

اسی طرح حدیث میں ’’أستوانۂ حنانه‘‘ کا واقعہ (مسجد نبوی کا ایک پایہ) جس سے ٹیک لگا کر رسول اللہ ﷺ وعظ فرماتے تھے جب ممبر کی تعمیر ہوگئی تو آپ ﷺ نے ممبر پر بیٹھ کر خطاب کرنا شروع کر دیا، اس واقعہ کے رونما ہونے پر وہ پایہ، آدمیوں کی طرح چیخ چیخ کر رونے لگا۔ (بخاری شریف جلد۱، صفحہ۱۲۵، ’’باب الخطبہ علی المنبر عن جابر‘‘)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ٥ میں ضمیر ’’انه‘‘ بقول شیخ محمد امین الشنقیطی حضرت آدم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور ’’ظلوم و جهول‘‘ سے مراد منافقین و منافقات اور مشرکین و مشرکات ہیں۔ (اگرچہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس آیت کا دوسرا مفہوم لیا ہے کہ ابنِ آدم نے ذمہ داریاں (امانت) اس لئے قبول کیں کہ اس کے اندر مادۂ علم و انصاف تھا۔ ظالم وہی ہوگا جو عدل پر قادر ہو، جاہل اس کو کہا جائے گا جو علم کی صلاحیت رکھنے کے باوجود جہل پر قائم نہ ہے۔ ظاہر ہے پہاڑ، دریا، آسمان اور زمین میں یہ صلاحیتیں نہیں ہیں اس لئے وہ ظلوم و جہول کی صفت بھی نہیں رکھتیں مگر یہاں پر صرف یہ دکھانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذی روح اور غیر ذی روح دونوں کو مخاطب فرمایا ہے۔ اور حکمِ ادائے طاعت (امانت) کی نافرمانی کا نتیجہ یہی ہوگا۔ عام طور پر مفسرین کا اندازِ بیان یہی ہے، ابن کثیر نے بھی امانت کا مطلب طاعت لیا ہے،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

راغب اَصفہانی نے امانت سے مراد عقل وتوحید لیا ہے، حضرت مجدِّ دالف ثانیؒ کی تحقیق میں امانت سے مراد تجلی ذات کی استعداد و قابلیت ہے۔ جِنّات، عبادت سے صالح بن جاتے ہیں، اور ملائکہ، عصمت کی وجہ سے مُقرب ہیں مگر انوار صفات سے صُعُود کر کے یہ دونوں اَصناف بھی مشرف نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ تجلی نور ممکن نہیں بغیر ترکیب عُنصر خاکی کے، قیامِ انوار، اجسامِ شَفاف پر نہیں ہوسکتا، اس کے محل و متحمل، اجسامِ کثیف ہی ہو سکتے ہیں یہی نکتہ ہے کہ خلافتِ دنیوی کے قابل، عنصر خاک ہی قرار پایا(۱)

ان تفسیروں میں ہمارے بزرگانِ علم وتفسیر کی نظر اِس بات پر رہی کہ غیر ذی روح کو اَجرام سماوی وارضی اور پہاڑوں کو کس طرح خطاب کیا گیا، اس کے دلائل انہوں نے پیش کئے پھر اس کے مطابق دوسرے الفاظ: انکار، خوف، عذاب کے معانی مربوط کئے ہیں، اس میں بعض باتیں خود قرآن کے متضاد بھی ہیں مثلاً ایک طرف اس آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں پر امانت پیش کی تو انہوں نے انکار کر دیا، دوسری طرف سورۂ سجدہ کی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے زمین وآسمان کو طاعت کا حکم دیا کہ خواہ پسند ہو یا ناپسند (طوعاً و کرھاً) احکامِ خداوندی کی طاعت کرو۔ اس پر انہوں نے کہا "اَتَیْنَا طَائِعِیْنَ" ہم خوش دلی کے ساتھ احکام خداوندی کے بجالانے پر راضی ہیں یا ہم بخوشی حاضر ہیں جو حکم ہو۔

تمام مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے کم وبیش یہی بات کہی ہے مگر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی بالغ نظری نے اس آیت کی تفسیر، نئی شان سے کی ہے، شاہ صاحب کی بات دل کو لگتی اور دماغ میں اترنے والی ہے ان آیات کو شاہ صاحب

(۱) منقول از تفسیر ماجدی تشریح ۱۵۳ (سورۂ احزاب)

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نے "حجة الله البالغة" کے باب "سر التکلیف" کی ابتداء میں نقل کیا ہے، انسان پر اللہ تعالیٰ نے جو ذمہ داریاں ڈالی ہیں اُس کا راز یہی ہے کہ وہ بارِ امانت اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہے جب کہ دوسری مخلوقات میں یہ صلاحیت نہیں ہے، اور اس کو قرآنِ کریم نے تمثیل کی شکل میں دکھایا ہے جس سے زیادہ قریب ترین، طرزِ تفہیم اور نہیں ہوسکتا شاہ صاحب کے نزدیک لفظ "امانت" کا مفہوم صرف طاعت ہی نہیں ہے، طاعت کے احکام بغیر کسی مجاز و تمثیل کے صراحۃً ایک جگہ نہیں، متعدد مقامات پر اور مختلف آیات میں وارد ہوا ہے، جیسے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (سورہ نساء : ۸۰)

جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی۔

وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (البقرة : ۲۸۵)

اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے آپ کا ارشاد سنا اور خوشی سے مانا ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار، اور آپ ہی کی طرف (ہم سب کو) لوٹنا ہے۔

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (النساء : ۱۳)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایسی بہشتوں میں داخل کردیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (الاحزاب : ۷۱)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اور اسی طرح بیسوں آیاتِ قرآن کریم میں وارد ہوئی ہیں جن میں اللہ کی طاعت کا حکم ہے، اور غیر اللہ کی طاعت چھوڑ دینے کا حکم ہے، لہٰذا تمثیل مجازی کی زبان میں لفظِ ''امانت'' سے کوئی مزید معنی پیدا نہیں ہوئے۔

شاہ صاحبؒ کے نزدیک لفظِ ''امانت'' کا مقصد وہ ذمہ داریاں ہیں جو صرف انسان اٹھا سکتا تھا اور دوسری مخلوق نہیں اٹھا سکتی تھی، اس میں خلافت ارضی اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل، مصلحت بینی کی صلاحیت سب داخل ہے ''عرضِ امانت'' ایک خوبصورت اور معجزانہ طرزِ بیان ہے۔ ''أَبَيْنَ وَ أَشْفَقْنَ مِنْهَا'' اور انکار کرنا اور خوفزدہ ہونے کا مفہوم فطرت اور مزاج کا انکار ہے جس کو عربی میں (الإِبَاءُ الطَّبِيْعِيّ) کہا جائے گا، چوں کہ یہ کتاب اردو میں لکھی جارہی ہے اس لئے مصلحت کا تقاضہ ہے کہ اس لفظ کا مفہوم مثالوں سے واضح کر دیا جائے، جیسے آپ کہیں کہ ہم نے بکریوں، بھیڑوں، خرگوش، اور مرغیوں کو اور اس کے ساتھ تمام جانوروں کو حکم دیا کہ وہ ایک مَن کا بوجھ اٹھا کر پہاڑ پر لے جائیں، اس حکم کا، تمام جانوروں نے انکار کر دیا اور بوجھ لے کر چلنے سے تمام جانور ڈر گئے، صرف اونٹ اِن ذمہ داریوں کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوا، اب یہاں پر جو میں نے کہا کہ ان جانوروں نے میرے حکم کا انکار کیا، اس کا مطلب ان جانوروں کی ساخت اور کمزور ڈھانچہ اور عدمِ قُدرت اپنی جگہ پر بغیر کچھ کہے ہوئے انکار ہے یا ایک مدرسہ میں علوم پڑھانے والے استاذ کی ضرورت ہو اور وہاں کے مہتمم صاحب اعلان کر رہے ہوں کہ کوئی ان کتابوں کو پڑھانے والا آجائے مگر تمام باورچیوں، مالیوں اور دھوبیوں نے انکار کر دیا، صرف ایک کمزور جسم کے مولوی صاحب نے کہا کہ ہم اس ذمہ داری کو قبول کریں گے، کیوں کہ وہ کم علم اور ناواقف تھے، جبکہ باورچیوں، دھوبیوں وغیرہ کو کم علم بھی نہیں کہہ سکتے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کم علم اس کو کہیں گے جس میں زیادہ علم کی صلاحیت ہو مگر اس نے حاصل نہیں کیا، اور دوسرے پیشہ والے افراد جن کو علم وفن کی ہوا بھی نہیں لگی، وہ کم علم بھی نہیں کہیں جائیں گے،

"ظَلُوم و جَهُول" انسان کی صفت بتائی گئی ہے، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جاھل اسی کو کہا جائے گا جس میں حصولِ علم کی صلاحیت ہو آپ پتھر کو جاہل نہیں کہہ سکتے، آپ لکڑی کو ظالم نہیں کہہ سکتے کیوں کہ ان صفات سے کبھی بھی وہ متصف نہیں ہوئے اور نہ ان کے اندر حاصل کرنے کی قدرت ہے۔

شاہ صاحبؒ نے اِس بحث میں یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کو مکلّف کیا گیا اس لئے کہ تحمل کی اس کے اندر صلاحیت تھی، سورۂ بقرہ میں وارد ہوا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا	اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلّف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو
(البقرة : ۲۸۶)	

اللہ نے ہر نفس پر اسی قدر ذمہ داری ڈالی ہے جتنی اس کے اندر صلاحیت ودیعت فرمائی۔ انسان کو کبھی نہیں کہا گیا کہ وہ اڑ کر دکھائے، یا جنات کی طرح اپنی شکلیں بدل لیں کیوں کہ یہ کام اس کی وُسعت میں نہیں تھا، اس کو اسی درجہ مکلّف بنایا گیا جس درجہ، اس کے اندر صلاحیت تھی۔ شاہ صاحبؒ کے نزدیک ذمہ داری ڈالے جانے کا راز یہ ہے کہ جس کو مامور کیا جا رہا ہے اس کے اندر بالقوی صلاحیت موجود ہو، ایک آدمی سے کہا جائے گا کہ: تو قرآن مجید یاد کر مگر بَیل سے یہ بات نہیں کہی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی بعض جھلکیاں جو قرآن نے دکھائی ہیں ان کو جاننے اور سمجھنے کے لئے تاریخِ عالم سے واقفیت ضروری ہے، سَلاطین ومُلوک

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

کے عروج وزوال کی داستان حضرت آدمؑ کے فرزندوں سے لے کر رسول کریم ﷺ کی بعثت تک عبرت وعجائبات کی داستان ہے، قرآن کریم نے اُن کو مختصر سے مختصر الفاظ میں اور انتہائی جامعیت کے ساتھ ان کا کامل ومکمل نقشہ پیش کیا ہے، جس کو ایک نبی امّی تو کیا بڑے بڑے دانشمند اور حقائقِ زمانہ سے واقف ''دانشور'' بیان کرنا چاہتے تو ناکام رہتے۔

ملاحظہ ہو۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ، بِيَدِكَ الْخَيْرُ (آل عمران: ۲۶)	اے محمد! آپ اللہ تعالیٰ سے یوں کہئے اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک جس کو چاہیں دے دیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں غالب کر دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں پست کر دیتے ہیں آپ ہی کے اختیار میں سب بھلائی ہے۔

اسی سے متصل آگے کی آیت میں یہ بتانے کے لئے کہ کبھی کے دن چھوٹے اور کبھی کی راتیں، اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ایک مظہر جس کا انکشاف انسان نے بہت بعد میں کیا ہے۔ اس کو ایک امّی کی زبان سے ادا کرانا قرآنِ کریم کا ایک دائمی معجزہ ہے، اور دنیا کی کوئی زبان بھی بولنے والا سمجھ سکتا ہے اور معجزہ کے اس رُخ کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ وَ تُخْرِجُ	آپ رات (کے اجزاء) کو دن میں داخل کر دیتے ہیں اور (بعض

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ٥

(آل عمران : ۲۷)

فصلوں میں) دن (کے اجزاء) کو رات میں داخل کر دیتے ہیں اور آپ جاندار چیز کو بے جان سے نکال لیتے ہیں (جیسے نطفہ بے جان سے جاندار مخلوق) اور بے جان چیز کو جاندار سے نکال لیتے ہیں (جیسے جاندار مخلوق کو مردہ لاش بنا دینا) اور جس کو چاہتے ہیں بے شمار رزق عطا فرما دیتے ہیں۔

دن کا کچھ حصہ رات میں داخل کرنا "تُوْلِجُ اللَّیْلَ فِی النَّهَارِ ....اور رات کا کچھ حصہ دن میں داخل کر دینا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ایک مظہر ہے، خدائی نظام ہے، جس میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں ہوتی اس کو قرآنِ کریم نے جس طرح بیان کیا ہے اور جس کی زبان سے اس ابدی حقیقت کو بیان کر دیا وہ ایک معجزہ ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قرآنِ کریم کے اعجازی پہلو

قرآنِ کریم کے متعدد اعجازی پہلو ہیں، ان میں سے چند گوشے ایسے ہیں جن کی طرف قرآن نے واضح طور پر رہنمائی کی ہے، جیسے: بعض پیشین گوئیاں، گذشتہ زمانے کے قابلِ عبرت قصے اور زبان و بیان کا وہ حسن و جمال جس کی کوئی نقل نہیں کرسکتا اور جو انسانی دل و دماغ پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں، چند معجزاتی پہلو وہ ہیں جو انسانی عقل نے دریافت کئے ہیں، جیسے، اختصار (ایجاز) کے ساتھ بڑے بڑے حکیمانہ نکتوں کو چند الفاظ میں بتا دینا، مزاجِ بشریت کی کامیاب ترین تصویر کشی، سائنس (علوم) کی تصدیق و توثیق اور ہزاروں گوشے ایسے ہیں جو عقلِ انسانی کے اِدراک سے بلند ہیں اور ہر دور میں ایسے نکتے اور حقائق سامنے آتے رہتے ہیں اور قیامت تک ان شاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا، اس کو یوں سمجھئے کہ فانوس کے اندر بتی ایک ہی ہے اور ایک ہی رنگ کی ہے مگر شیشوں کے تنوع سے وہ "لَو" رنگ برنگ کی نظر آتی ہے۔ قرآنِ کریم کا یہی حال ہے، آفتاب سے زیادہ روشن چَراغ جل رہا ہے اور تفسیروں کے شیشے رنگ برنگ ہیں، ہر دیکھنے والا اپنی بَصارت کے مُطابق اس کا رنگ سمجھتا ہے، سیرت نگارِ نبوی علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ "شعر العجم" کی اولین سطروں میں لکھتے ہیں:

اسلام ایک ابرِ کرم تھا اور سطحِ خاک کے ایک ایک چپّہ پر برسا، لیکن فیض بقدرِ استعداد پہنچا، جس خاک میں جس قدر زیادہ قابلیت تھی، اسی قدر زیادہ فیضیاب ہوئی، عرب، ایران، افغانستان، ہند، ترکستان، تاتار، مصر، شام، روم سب اس کے حلقے میں آئے لیکن قبولِ اثر میں سب یکساں نہ تھے، فرقِ مَراتب

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کی حیثیتیں بھی مختلف تھیں، جس قوم میں جس قسم کی قابلیت تھی اسلام نے اس کو اور چمکایا۔

ہمارے مخدوم ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس اللہ سرہ نے قرآن کریم پر محاضرات میں فرمایا:

قرآن کا سب سے بڑا معجزہ اسلام ہے............

قرآن کا دوسرا معجزہ اس کے وہ بے پایاں علوم ومعارف ہیں جن میں سے ہر ایک مستقل معجزہ ہے، انسانی علم جتنا ترقی کرے گا اور اس کی آنکھوں سے جتنے پردے اٹھتے جائیں گے قرآن کا جمال اس کو بے نقاب نظر آئے گا۔

درحقیقت انسانی فہم کا ظرف، تنگ ہے، قرآن کی وُسعتوں کا متحمل نہیں، اس لئے جو کچھ اس کے حصے میں آئے غنیمت ہے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا	اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا، پھر پرنالے (بھر کر) اپنی مقدار کے موافق چلنے لگے۔ (الرعد: ۱۰۳)

قرآنِ کریم نے حقائق اور حکمت کی باتوں کو انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے، اختصار بھی ایسا کہ بات واضح ہو کر ایک چمک دار ہیرے کی طرح سامنے آجاتی ہے۔

مرحوم مصطفیٰ صادق الرافعی نے ''تحت راية القرآن'' کی ابتدا اس طرح کی ہے کہ معجزہ کا مفہوم کوئی دھندلا یا غیر واضح نہیں ہے، معجزہ کا مفہوم ہماری زبان (عربی) میں جس طرح سمجھا جاتا ہے کہ ایک ''انہونی'' بات جس کی کوئی نظیر پیش نہیں کرسکتا۔

قرآن نے جس معجزہ پر چیلنج کیا وہ زبان وبیان کا حُسن ہے، معانی میں

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ایک ٹھہراؤ، وقار، گہرائی اور معنی خیزی ہے، وہ کسی کے وضع کردہ کلام میں نہیں مل سکتی، جب یہودیوں نے قرآنِ کریم کی اس خصوصیت کا انکار شروع کیا اُس وقت سے علمائے اسلام نے معجزۂ قرآن کے اثبات اور یہودی سازشوں کا منھ توڑ جواب دینے کا کام شروع کیا۔

قرآنِ کریم کا اعجاز جس کو آیت اور برہان وغیرہ کے الفاظ میں ذکر فرمایا گیا ہے اور جس کی تفصیل باب اول میں آچکی ہے، یہ وہ آیات ہیں جن کو معجزہ کا نام دیا گیا، ان کی کئی قسمیں ہیں:

۱۔ اعجازِ بیانی

۲۔ اعجازِ علمی

۳۔ اعجازِ تشریعی

۴۔ اعجازِ غیبی

اعجازِ غیبی کا ابھی ذکر کیا گیا، اعجازِ تشریعی سے مراد قرآن کریم کا زندگی کے تمام بدلتے حالات پر حاوی ہونا اور سب کے لئے احکام کی کنجی عطا کرنا کہ جس مسئلہ کے متعلق چاہیں قرآن سے ہدایت حاصل کرلیں۔

اعجازِ علمی سے مراد وہ مسائل ہیں جن کا تعلق سائنس سے ہے، لفظ سائنس خود علم کے معنی میں بولا جاتا ہے، اسی لئے عرب ان کو "علوم" کہتے ہیں، ان میں وہ تمام علوم وفنون داخل ہیں جن کو عوام عموماً دین سے خارج اور بے تعلق سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر لاتعداد ہیں، زمین سے سبزے کا اُگنا، قطرۂ ناچیز سے انبیاء اور مقربین الی اللہ کا پیدا ہونا، سمندر کی تہہ میں پیدا ہونے والے درخت اور ہر درخت کے الگ الگ خواص، پتے پتے سے ظاہر ہونا اللہ کے کرشمے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پہلی صدی کے علماء نے ان فنون کو اعجازِ قرآنی سے متعلق نہیں کیا ہے، یہ سب قدرتِ الٰہی کے کرشمے ہیں جیسا کہ اوپر کہا، ورنہ زندگی کی ہر سانس ایک معجزہ ہے اور ان چیزوں کو ہمارے علماء نے اللہ کی قدرت تو کہا ہے قرآن کا معجزہ نہیں کہا ہے، مگر اس زمانے میں سائنس زدہ دانشوروں کو قائل کرنے کے لئے ماہرینِ فلکیات وارضیات، قرآن کا معجزہ بتاتے ہیں کہ قرآن نے جو حقائق بیان کردیئے ہیں وہ دنیا کی حقیقت پسندی سے دور نہیں ہیں، کاتب الحروف کے پیشِ نظر جو مَراجع ومَصادر ہیں ''زمخشری'' سے لے کر ''العسکری'' تک اور ان سے لے کر ''جُرجانی'' تک کسی نے ان مضامین کو معجزہ سے مربوط نہیں کیا ہے، لہٰذا میں نے بھی اس کتاب میں اس وسیع موضوع کو نہیں چھیڑا ہے، ہمارے مرحوم دوست مولانا شہاب الدین ندوی بنگلوری نے یہ خدمت انجام دی ہے جو طبقۂ علماء میں منفرد تھے۔

جہاں تک زبان کی فصاحت و بلاغت اور اس کی جلالتِ شان، اس کی اہمیت اور اس کی اثر اندازی کا تعلق ہے کفار میں بھی اگر پائی گئی یعنی کفار کے کلام میں بھی بلاغت پائی گئی تو اس کو قابلِ ذکر سمجھا گیا، مثلاً حسبِ ذیل آیات پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ قرآن نے کس طرح زبان دانی کو قابلِ ذکر سمجھا

فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ (۱)(الاحزاب:۱۹)

وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا (۲)(مریم:۹۷)

وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ (۳)(البقرة:۲۰۴)

---

(۱) پھر جب وہ خوف دور ہو جاتا ہے تو تم کو تیز تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں۔

(۲) اور (نیز) اس سے جھگڑالو آدمیوں کو خوف دلادیں۔

(۳) اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر بتاتا ہے، اپنے مافی الضمیر پر حالاں کہ وہ (آپ کی) مخالفت میں شدید ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وَقَالُوٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ، مَاضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ (۱)(الزخرف:۵۸)

وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ(۲)(المنافقون :۴)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْيَا (۳)(البقرة:۲۰۴)

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِی الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ(۴)(البقرة:۲۰۵)

ایک قدیم شاعر نے تین شعروں میں اپنے حج سے واپسی کا حال لکھا ہے کہ جب ہم حج کر چکے اور حج کے تمام ارکان ادا کر چکے، اونٹ کی پیٹھ پر کجاوے رکھے جا چکے، اور ہم اپنے چند ہم وطنوں کے ساتھ جو حج کر کے واپس آرہے تھے، ہنسی کھیل کی باتیں کر رہے تھے اور بھیڑ اتنی تھی لگتا تھا جیسے وادی بطحا میں اونٹوں کا سیلاب آگیا ہے یا اونٹوں کی گردنیں وادی کو بہانے کے لئے جارہی ہیں

وَ لَمَّا قَضَيْنَا مِنْ مِنًى كُلَّ حَاجَةٍ

وَ مَسَّح بالاَرْکَانِ مَنْ هُوَ مَاسِحُ

---

(۱) اور (اس معترض کے ساتھ ہو کر) کہنے لگے کہ ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا عیسیٰ، ان لوگوں نے جو یہ (مضمون عجیب) آپ سے بیان کیا، تو محض جھگڑے کی غرض سے بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔

(۲) اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی باتیں سن لیں۔

(۳) اور بعض آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے مزہ دار معلوم ہوتی ہے۔

(۴) اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کردے اور (کس کے) کھیت یا مواشی کو تلف کردے (یعنی یہ کفار کی چرب زبانی کا نتیجہ ہے)

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

وَ شُدَّتْ عَلَى دُهْمِ الْمهارى رِحَالُنا
وَ لَم يَنْظُرِ الْغَادِى الَّذِىْ هُوَ رَائِحُ
اَخَذْنَا بِأَطْرَافِ الْأَحَادِيْث بَيْنَنَا
وَ سَالَتْ بِأَعْنَاقِ الْمَطِيِّ الْاَبَاطِحُ(۱)

شیخ عبدالقاھر ''جرجانی'' نے جہاں ان اشعار ک نقل کیا ہے وہاں اپنے تحسین کے جذبات کو اس طرح بیان کیا گویا کہ ان پر ایک قسم کا وجد طاری ہو گیا حالانکہ ان اشعار میں سوائے لفظی خوبیوں کے کوئی معنوی گہرائی نہیں ہے، ان کی تعریف میں شیخ لکھتے ہیں:

"واذا وجدت ذلك امرا بيِّنًا لايعارِضك فيه شكٌ، ولايملكك معه امتراء، فانظر الى الا شعار التى اثنوا عليها من جهة الالفاظ، و وصفوها بالسلاسة، ونسبوها الى الدماثة، وقالوا! : كالماء جريانا، والهواء لطفا، والرياض حسنا، وكانها النسيم، وكانها الرحيق مزاجها التسنيم ، وكانها الديباج الخسروانى فى مرامى الابصار ، و وشى اليمين منشورا على اذرع التجار،'' (۲) ''جو بات آپ کو یقینی محسوس ہو گی جس میں شک کا دور دور پتہ نہ ہو ان اشعار کو دیکھئے جن کی تحسین بر بنائے لفظ کی گئی ہے، اور اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ ان کے اندر رکاکت، ژولیدہ بیانی، الفاظ کی ناہمواری اور حسنِ ترتیب کا فقدان نہیں ہے، ان اشعار میں انوکھا پن پایا جاتا ہے اور کہا کہ ایک بہتا ہوا پانی ہے اور پر لطف خواب آور ٹھنڈی ہوا ہے، حسن الفاظ کے لحاظ سے ایک باغوں کا مجموعہ ہے اور وہ ہوا جیسے نسیم سحری ہے، جیسے وہ

(۱) اسرار البلاغة :صفحہ۲۱
(۲) اسرار البلاغة :صفحہ۲۱

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

شراب ہے، جن میں جلال و جمال کی آمیزش ہے، یا جیسے شاہانہ لباس کا مخصوص کپڑا ہے جو تاحد نگاہ چمک رہا ہے، ایسا لگتا ہے کہ یمنی کپڑے کے گل بوٹے ایک تاجر کے بازو پر پھیلے ہوئے ہیں" ان اشعار اور ان کی تحسین کے الفاظ سے جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ زبان کی خوبی، دلوں پر اثر انداز ہوتی ہے، افسردہ طبیعت کے اندر جوش پیدا کر دیتی ہے، لہٰذا جب انسانی کلام کا یہ اثر، قلوب پر پڑ سکتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے کلام کا اثر دل و دماغ کے ریشوں پر کیوں نہیں پڑے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اعجازِ قرآنی کو بیان کرنے سے پہلے علمائے بلاغت نے فنِ بلاغت کا تجزیہ کر کے سمجھایا ہے کہ بلاغت کس کو کہتے ہیں اور اس کی کیا اقسام ہیں اور اس نوعیت کی بحث کو اعجازِ بیانی کا نام دیا گیا ہے۔

اعجازِ بیانی قرآن کے الفاظ و جملے، جملوں کی تراش خراش، کلام میں حسن کس طرح پیدا ہوتا ہے، قرآنِ کریم نے اپنے متعلق جو اعجاز کا دعویٰ کیا ہے اور جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا گیا ہے وہ صرف قرآن کی خصوصیت ہے، اور اسی بناء پر ایک پورا فن، بلاغت و بیان کا سامنے آیا، کیوں کہ علماء کو قرآنِ کریم کے محاسنِ بیانی کو بتانے کے لئے ایک پورا فن درکار تھا۔

شیخ عبدالقاہر "جُرجانیؒ" (صاحبِ أسرار البلاغۃ، دلائل الاعجاز و رسالۃ شافیۃ) نے لکھا ہے کہ اگر قرآن کریم کے اعجاز کو سمجھانا مقصود نہ ہوتا تو صَرف ونحو، معانی و بدیع کے فن سے عربی زبان کا دامَن خالی رہتا، آج عِبرانی زبان کو ایک حکومت، زندہ کر رہی ہے، اسی طرح قدیم سُریانی اور متوسط عہد کی سریانی جو کبھی خالص دینی زبان تھی مگر اس کی فصاحت و بلاغت پر آٹھ دس کتابوں سے زیادہ ذخیرہ نہیں ملتا، جب کہ عربی کے بیان و معانی بتانے کے لئے سینکڑوں

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کتابیں سامنے آچکی ہیں اور سلسلۂ تالیف وتصنیف قائم ہے، ہم اس باب کی فصلوں میں پہلے علمائے سَلف کی کاوشوں کا ذکر کریں گے اور اِسی ضمن میں بعض مسائل پر روشنی ڈالیں گے۔

مفسرین اور علمائے علمِ بلاغت کے نزدیک یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ قرآنِ کریم کے خلاف یہود ونصاریٰ کی سازشیں بڑھنے لگیں تو مسلم علماء نے عربی زبان کی بلاغت وقواعد اور اصطلاحات کو ایک علمی موضوع قرار دیا، اس سلسلے میں ابوعُبیدہ النحوی، ابوہِلال العسکری، الفرّاء، ابنِ قُتیبہ نے سب سے پہلے فنِ بلاغت کو قرآن کا خادم بنا کر پیش کیا۔ آخر میں عبدُ القاہر جرجانی (جو اگرچہ پانچویں صدی کے بزرگ ہیں اور ماوراء النہر کے جُرجان علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں) نے وہ خدمت انجام دی جو خالص عرب علماء اور ادباء کو بھی نصیب نہیں ہوئی، اسی دوران لفظِ ''اعجاز'' کے تعین کے ساتھ علامہ قَزوِینی، باقِلانی، رُمّانی اور خَطّابی نے اپنی تالیفات پیش کیں جو ایک ہزار برس سے قرآن کے نصاب کا جزءِ اعظم ہیں، مناسب ہوگا ان مشہور محققین کی تحقیقات پر اختصار کے ساتھ بحث کی جائے اور ان کے نظریات کا خلاصہ ان کی مختصر سوانح حیات کے ساتھ سامنے لایا جائے۔

قرآن مجید کی بلاغت کو واضح کرنے کے لئے ان تمام بزرگوں نے اپنی اپنی اصطلاحات الگ وضع کی ہیں اور مثالیں بھی ہر موضوع کی مناسبت سے مختلف ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ابوعبیدہ

''ابوعبیدۃ النحوی معمر بن المثنی ''مولی تیم بن مرۃ کے بارے میں الجاحظ نے ''البیان والتبیین'' میں لکھا ہے۔ ''کہ روئے زمین پر کوئی خارجی ان سے بڑا عالم نہیں گذرا ہے''۔

وہ بصرہ کے علماء میں لغت، ادب، نحو اور اس فن کے واقف کاروں اور خدمت گذاروں میں سب سے زیادہ ممتاز تھے، عصرِ عباسی کی ابتداء میں کوئی دوسرا مصنف اس درجہ مقبول نہیں ہوا، ان کی تصانیف دوسو کے قریب ذکر کی گئی ہیں، جس زمانے میں لوگ شعر و شاعری، نقد اور ادب کے مسائل میں دلچسپی لیتے اور اپنا وقت گذارتے، ابوعبیدہ کا مشغلہ قرآنِ کریم کا پڑھنا، اس کی آیات پر غور و خوض کرنا اور اختلافی مسائل کو حل کرنا تھا۔

ابوعبیدہ نے ''مجاز القرآن'' کے نام سے جو تحقیقی کتاب لکھی، اس کے بارے میں ابن خلکان نے ''وَفیاتُ الاعیان'' میں لکھا ہے کہ:

''ابوعبیدہ نے ''مجاز القرآن'' کے نام سے جو تحقیقی کتاب لکھی اس کا قصہ وہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''مجھ کو فضل بن الربیع نے ''بصرہ'' بلا بھیجا، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے شاہانہ رسم و رواج سے میں واقف تھا جن کا میں نے لحاظ رکھا، ایک بہت بڑا ہال تھا جس میں سفید چاندنی بچھی ہوئی تھی، بیچ میں ایک بڑا تخت تھا، وہ اتنا اونچا تھا کہ اس پر چڑھنے کے لئے ایک کرسی کو زینہ بنانا پڑتا تھا، اس تخت

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کے عین وسط میں وزیر فضل بن الربیع تشریف فرما تھے، میں داخل ہوا اور وزیروں کو جس طرح سلام کیا جاتا ہے، آداب گذار ہوا، وزیر مجھے دیکھ کر مسکرائے اور خندہ پیشانی سے میرا استقبال کیا، میرے بعد ایک بزرگ جن کی حیثیت، حکومت کے ایک بڑے مُحرر کی تھی اور بہت باوقار شخصیت کے مالک تھے، ہال کے اندر آئے اور میرے پہلو میں ان کو جگہ دی گئی، ان سے وزیرِ موصوف نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ کیا تم ان کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں، وزیر نے کہا: یہ اہلِ بصرہ کے علامہ ابوعبیدہ ہیں، میں نے ان کو بلایا ہے، تا کہ ان کی علمی معلومات سے فائدہ اٹھایا جائے، اس شخص نے پُر وقار انداز میں میرا استقبال کیا اور دعاؤں سے مجھے خوش آمدید کہا، پھر میری طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ میں آپ سے ملنے کا بہت مشتاق تھا، علومِ قرآن سے متعلق ایک مسئلہ درپیش ہے، اس میں آپ کی ہدایت اور رہنمائی درکار ہے، میں نے کہا: فرمایئے، عرض کیا کہ کلام پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُؤُوسُ الشَّيَاطِينِ — اس کے پھل ایسے ہیں جیسے سر، شیطانوں کے

(الصافات : ٦٥)

یہاں مشبہ اور مشبہ بہ میں سے دونوں کو کسی نے نہیں دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے کیوں ایسی تشبیہ دی جس کو کسی نے نہیں دیکھا حالانکہ یہاں "شیاطین کا سر نہ ہم نے دیکھا نہ آپ نے، اللہ تعالیٰ نے اس نادیدہ شی کو تشبیہ کے طور پر کیوں کر استعمال فرمایا؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے عربوں کو اس لہجہ اور زبان میں مخاطب فرمایا ہے جس کا ان کی زبان میں چلن تھا، کیا آپ نے امرئ القیس کا یہ شعر نہیں سنا؟

toobaa-elibrary.blogspot.com CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

أَيَقْتُلُنِي وَ الْمَشْرَفِيُّ مَضَاجِعِي
وَ مَسْنُونَةٌ زُرْقٌ كَأَنْيَابِ أَغْوَالِ(۱)

جب کہ شاعر کے مخاطب لوگوں نے بھوت کبھی نہیں دیکھا، لیکن ڈرانے اور دھمکانے کے لئے ایسا لفظ عرب بولا کرتے تھے جس کا اسم ہو مسمّی نہ ہو۔

فضل بن الربیع نے یہ بات پسند کی اور اس جواب سے سوال کرنے والے بھی مطمئن ہوئے، میں نے اسی روز فیصلہ کیا کہ قرآن میں اس طرح کی مثالیں جو عوام کی سمجھ سے باہر ہیں جمع کر کے ان کی شرح تیار کر دی جائے، جب میں بصرہ واپس آیا تو یہ تصنیف شروع کی اور اس کا نام ''مجاز القرآن'' رکھا۔(۲)

(۱) یہ شعر امرئ القیس کا ہے جو جاہلی شعراء میں سب سے بڑا مانا جاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ: کیا شمیرے دشمن مجھ کو قتل کر دیں گے جب کہ میرے پہلو میں دو دھاری تلوار ہے اور جس کی دھار گھستے گھستے نیلی پڑ چکی ہے جیسے کہ بھوت کے دانت ہوں۔

(۲) صرف ''شر'' ہی نہیں بل کہ ''خیر'' بھی اگر مرئی شکل میں پیش کیا جائے تو اس کے لئے ایک ایسا مجسمہ تلاش کرنا ہوگا جس کو کسی نے دیکھا نہ ہو، لہٰذا جس طرح شیطان کا لفظ نمائندہ ہے تمام برائیوں کا تو ''ملك'' (فرشتہ) نمائندہ ہے ہر قسم کے خیر کا، جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے:

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَاهٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ — کہنے لگیں، حاشاللہ نہیں ہے یہ شخص آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ

(یوسف : ۳۱)

جس طرح ''رؤوس الشياطين'' کی تشبیہ پر اعتراض تھا بعینہ یہی اعتراض ''ملك كريم'' پر بھی ہو سکتا ہے، لیکن جیسا کہ ابوعبیدہ نے کہا کہ عربوں کی گفتگو کا انداز یہی تھا، اور یہی عربوں کے بولنے کا طریقہ ہے۔

راقم الحروف کے تجربہ اور مطالعہ کا حاصل یہ ہے کہ صرف عربی نہیں بلکہ ہماری اردو میں بھی اس طرح کے مواقع آتے ہیں جب ''نامعلوم'' سے ڈرایا کرتے ہیں، جیسا کہ ہندوستان میں ایک ماں بچے کو سلانے کے لئے بھوت، چڑیل یا کسی بد منظر جانور کا نام لیتی ہے کہ وہ آرہا ہے؟ کھا جائے گا، اور اس نامعلوم کی ہیبت، دماغ پر بہت سخت پڑتی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جب کتاب مشہور ہوگئی تو یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ لوگ اس کو کس نظر سے دیکھتے ہیں میں نے ایک طالب علم سے پوچھا کہ تم اس کتاب کو جانتے ہو؟ اس نے کہا: کیوں نہیں، یہ وزیر اور ان کے ہمنشینوں کی کتاب ہے (۱)

اس کے بعد سے یہ کتاب علمائے عظام اور طلبہ کے لئے دلیلِ راہ بن گئی جس سے وہ سند لایا کرتے ہیں اور جب بھی کوئی قرآنی ترکیب سمجھ سے باہر ہوئی تو اسی کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں جس میں ہماری نا سمجھی کی بناء پر جو لفظ ثقیل گذرا ہے اس کی تشریح ہے۔

لفظ مجاز سے مراد ابو عبیدہ النحوی کے یہاں بلاغت کی اصطلاح نہیں ہے، بلکہ ان کا مقصد قرآن میں وارد شدہ ایسا لفظ ہے جو اپنی ترکیب کے لحاظ سے پڑھنے والے کے لئے دشوار طلب ہے، ان کو سمجھنے کے لئے عربیت کی، گہرائی کے ساتھ واقفیت ضروری ہے، اس کو مفسرین اور ادباء "مشکل القرآن" اور کہیں اس کی جمع "مشاکل القرآن" استعمال کرتے ہیں اور اسی مفہوم میں ابن القیم، ابن تیمیہ اور السیوطی نے اپنی یادداشتیں مرتب کی ہیں۔

شیخ ابو عبیدہ النحوی جب کسی لفظ کو یا کسی ترکیب کو دشوار سمجھتے تو یوں لکھتے کہ اس کا مفہوم اس طرح ہے اور قرآن کا مجاز یہ ہے، لہٰذا قرآن کے استعمال کردہ لفظ کو کہتے ہیں کہ قرآن کا مجاز یہ ہے، یہ ایک ادبی اندازِ بیان ہے جس میں قرآن کے احترام کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔

ابو عبیدہ کی دوسری کتاب "النقائض بین الجَرِیْر والفَرَزْدَق" ہے، اس کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عربوں کا اندازِ بیان کیا تھا اور

(۱) وَفیات الأعیان وَأنباء أبناء الزمان" لابن خَلُکّان، صفحہ ۲۲۳-۲۲۴، جلد ۴، ت: محی الدین صاحب مکتبۃ النھضۃ المصریۃ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ان کے ذوق کی پرورش جس ماحول میں ہوئی تھی اس کا ادبی معیار اور لسانیاتی اسلوب کیا تھا، اسی سلسلہ میں وہ مسئلہ بھی اٹھا کہ قرآنِ کریم میں غیر عربی الفاظ کتنے اور کس طرح آئے ہیں؟ جب کہ قرآن اپنے آپ کو خالص عربی کلام کہہ رہا ہے۔ راقم الحروف نے اپنی دانست میں اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کر لی ہے جو باب دوم میں ابھی گذر چکی ہے۔

شیخ ابو عبیدہ نے اپنی دونوں کتابوں "مجاز القرآن" اور "النقائضُ بین الجَریر وَالفَرزدَق" میں انہی حقائق کو سامنے رکھا ہے۔

دوسرے مسائل وہ ہیں جن پر "رُمانی، خَطابی اور باقِلانی نے بھی گفتگو کی ہے ان کے علاوہ شیخ عبد القاہر جُرجانی نے اپنے اندازِ بیان میں جن معانی کی تشریح کی ہے ان کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

"الایجاز"

ابو عبیدہ نے اس بات کو باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ایجاز، عربی کلام کی خصوصیت ہے اور جو بھی دو آدمیوں کی گفتگو نقل کرتا ہے، اس کو ایسے جملوں سے سابقہ پڑتا ہے جس میں ایجاز کا ایک مقام ہوتا ہے۔ ایجاز کہتے ہیں مختصر بیانی کو اور کسی سمجھی ہوئی بات کو اشارۃً بتا دینا۔ اس پر سیر حاصل گفتگو شیخ ابو عیسیٰ الرُّمّانی صاحبِ کتاب "النقد فی اعجاز القرآن" نے کی ہے، جو حسبِ ضرورت الرُّمّانی کے ذکر میں نقل کی جائے گی، شیخ ابو عبیدہ نے اس سلسلہ میں جو لکھا ہے وہ یہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ   اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى (الرعد : ۳۱)

ذریعہ سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جاتے، یا اس کے ذریعہ سے زمین جلدی جلدی طے ہو جاتی، یا اس کے ذریعہ مُردوں کے ساتھ کسی کو باتیں کرادی جاتیں۔

یہ آیت مجاز ہے، ''بَلِ لِلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا'' اس کا جواب ہے، مفہوم یہ ہوا کہ قرآن کے ذریعہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے چلایا جاتا تو وہ چل پڑتا، اور مُردہ سے بات کی جاتی تو مُردہ اٹھ پڑتا اور زمین کی مسافت طے کی جاتی تو طے ہو جاتی، اس میں ''لو'' کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، اس لئے کہ سننے والا اچھی طرح جانتا ہے کہ زبان کا قاعدہ یہی ہے کہ جو بات سمجھ میں آچکی ہو یا جو آسانی سے سمجھی جانے کے لائق ہو اس کو دہرایا نہیں کرتے (۱)

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اِیجاز، اِطناب اور تطویل کی بہترین مثالیں جو میری نظروں سے گذری ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں:

خلیفہ مامون نے جب طاہر بن الحسین کو عیسیٰ بن ہامان سے جنگ کرنے والی فوج میں بھیجا تو وہ کامیاب ہوئے اور ابنِ ہامان کی فوج کو شکست دی اور ملک پر قبضہ کرلیا اور طاہر بن الحسین نے لکھا: ''امیر المومنین کی خدمت

---

(۱) مثال: کل آپ سے جو بات کہی تھی وہ آپ نے پوری کر دی؟ جواب: کر دی، جواب میں صرف ایک لفظ ''کر دی'' ایجاز ہے، بجائے یہ کہا جاتا: کل مجھ سے جو بات کہی تھی وہ میں نے پوری کر دی۔ کوئی تم سے پوچھے تمہارے والد کا کیا نام ہے؟ جواب میں کہے گا ''میرے والد کا نام فلاں ہے'' مگر بڑا سمجھدار لڑکا کہے گا فلاں! یہ آئے دن کی گفتگو ہی میں مجاز کا استعمال دیکھا جاتا ہے اس لئے شیخ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ اس کو ایجاز کہنا ہی غلط ہے یہ کوئی فن نہیں بلکہ عام گفتگو کا طریقہ ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

میں میں اپنا خط بھیج رہا ہوں اور عیسی بن ہامان کا سر میرے سامنے رکھا ہے اور اس کی انگوٹھی میرے قبضہ میں ہے اور اس کی فوج میرے زیرِ تصرف ہے(۱)

''المثل السائر'' میں ابنِ اثیر نے لکھا کہ اس درجہ مکمل بات اور اس قدر مختصر الفاظ میں، میں نے پہلے پڑھی اور نہ دیکھی، اس میں اتنی طویل داستان کو مختصر ترین الفاظ میں اس طرح لکھا ہے جہاں نہ ایک حرف زیادہ اور نہ ضرورت سے ایک نقطہ کم ہو اور خلیفہ کو جس بات کا انتظار تھا اس کا مکمل جواب ہو یہی بات اگر ''اطناب'' کے ساتھ کہی جاتی تو ایک طویل مضمون سے سابقہ پڑتا۔ پوری جنگ کا نقشہ، مقصد اور مامون کا اپنے وقت کے تمام حکمرانوں پر غالب ہونا اور اسلام کی حمایت اور دین سے عناد رکھنے والوں سے جنگ کے جذبہ کو ابھار کر دکھایا جانا اور مرتد باغیوں کی سرکوبی میں اس کا کردار دکھایا جاتا، کیوں کہ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ عیسی بن ہامان نصرانی تھا اور اسلام کا بدترین دشمن، اس کے بارے میں اگر یہ کہا جاتا کہ ''اس کو ایک مسلمان سپاہی نے قتل کیا اور امیر المؤمنین کے اقبال کا جھنڈا اس علاقہ میں لہرانے لگا، دشمن کی کھوپڑی چیل اور کووں کی خوراک بن گئی'' تو اس طرح کی تفصیلات سے واقعہ کے بیان میں اضافہ نہ ہوتا اور طویل عبارت سے قاری کو کوئی فائدہ نہ ہوتا تو ایجاز کا مقصد ظاہر ہو گیا کہ ضرورت سے زیادہ نہ کوئی نقطہ ہو، اور نہ ضرورت سے کم کسی طرح کا شوشہ رہ گیا ہو۔

اسی ضمن میں علامہ العلوی ''اطناب'' کی کئی قسمیں بیان کرتے ہیں اس

---

(۱) اصل عربی الفاظ یہ ہیں: ''کتابی الی امیر المؤمنین و رأس عیسی بن ہامان بین یدی و خاتمه فی یدی، و عسکره متصرف تحت امیری، والسلام''

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner
toobaa-elibrary.blogspot.com

کی ایک قسم وہ ہے جسے ہم اپنی روزمرہ گفتگو میں آئے دن کہا کرتے ہیں: ''میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اپنے ہاتھوں سے پکڑا، اپنے پیروں سے روندا، اپنی زبان سے چکھا''، بعض لوگوں نے سمجھا ہے کہ یہ بھی اطناب کی ایک قسم ہے کہ کام کے وسائل کو اصل کام میں مخلوط کر دیا جائے، جب کسی نے کہا: ''رَأَیْتُه بعینی ''(اس کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا) ظاہر ہے کہ آدمی آنکھوں ہی سے دیکھتا ہے اس لئے اس کا صرف یہ کہہ دینا ''میں نے دیکھا'' مفہوم کو سمجھا دینے کے لئے کافی تھا اور یہ قید ''اپنی آنکھوں سے'' غیر ضروری اضافہ ہے، اسی طرح یہ کہنا: ''اپنے ہاتھوں سے پکڑا'' اس جملہ میں اس آلہ کا ذکر جس سے کسی نے کسی کو پکڑا ''اطناب'' ہے اپنے پاؤں سے روندا اور زبان سے چکھا، ان تمام جملوں میں فعل کا ذکر کافی تھا، ادائیگیِ فعل کے وسیلے کا ذکر بلا فائدہ ہے بلکہ لغو اور بے کار ہے اور اسی پر لوگ قیاس کرتے ہیں قرآن کریم کی آیت:

ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاهِکُمْ (الاحزاب:۴)	یہ صرف تمہارے منھ سے کہنے کی بات ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِکُمْ (النور: ۱۵)	جب کہ تم اس (جھوٹ) کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے

یہ آیت ''افک'' کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے جہاں کہ بہت سختی کے ساتھ تردید کی ضرورت تھی اور اسی طرح منھ بولے فرزند کو اپنے خونی رشتے کے مطابق قرار دینا اور اس کو ایک فقہی اصول بنا لینا ظلم تھا، جس کا ازالہ ضروری تھا اور انکار کے لئے سخت لہجہ درکار تھا، یہاں پر قرآنِ کریم کا یہ اعجاز ظاہر ہوتا ہے جہاں سخت لہجہ کی ضرورت تھی وہاں سخت لہجہ اختیار کیا گیا، یہ کہنا صحیح ہے کہ ''ذلکم

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قولکم ’’یعنی یہ تمہاری من گھڑت ہے مفہوم کوادا کر دیتا ہے مگر ’’بافواھکم‘‘ کہنے سے بات کی اہمیت ظاہر ہوگئی، اس میں جو شدت اور لہجہ کی کرختگی ہے وہ وقت اور ضرورت کا اقتضاء ہے، اگر اس کو ’’اطناب ‘‘ کی ایک قسم بتایا جائے تو وہ بھی بلا ضرورت نہیں کہا جائے گا۔

اسی طرح قرآن مجید کی آیت

مَاجَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَیۡنِ فِیۡ جَوۡفِہٖ — اللہ نے کسی شخص کے سینہ میں دودل نہیں بنائے

(الاحزاب : ۴)

یہ معلوم ہے کہ انسان کے اندرونی ڈھانچے میں قلب ہوتا ہے، پھر اسکو کہنے کی کیا ضرورت تھی: ’’فی جوفه‘‘ الا یہ کہ ایک بات کوایک طاقتور لفظ کے ذریعہ بیان کیا جائے کہ کسی کو دوبارہ سوال کرنے کی گنجائش نہ رہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد

فَخَرَّ عَلَیۡهِمُ السَّقۡفُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ — پھر اوپر سے ان پر چھت آپڑی (ہو)

(النحل : ۲۶)

ایک ’’اطناب‘‘ ہے جو ہر ایک کو معلوم ہے کہ ’’سقف‘‘ اوپر کی چھت کو کہتے ہیں، پھر ’’من فوقھم‘‘ (اوپر کی) کہنے کی کیا ضرورت تھی، الا یہ کہ دھمکی دینا اور خوفزدہ کرنا، بعض وقت ضروری ہوتا ہے اور اس کے لئے اسی طرح کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، جس میں سختی، دھمکی اور انجامِ کار سے آگاہی کے تمام مفہوم واضح ہوتے ہیں اسی طرح ’’سورۃ الحاقة‘‘ میں قرآن کا ارشاد ہے:

نَفۡخَةٌ وَّاحِدَةٌ — یکبارگی کی پھونک ماری جاوے گی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً — پھر دونوں ایک ہی دفعہ میں ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے۔
(الحاقة : ۱۳۔۱۴)

اس میں آخری حرف ''ۃ'' صرف وحدت کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ شدت اور تاکید کا معنی بھی اس میں داخل ہے، لیکن ''سجع'' کا خیال کرتے ہوئے کہا جائے:

وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى — اور تیسرے منات کے حال میں غور بھی کیا ہے
(النجم : ۲۰)

تو یہ ''اطناب'' میں داخل نہیں ہوگا، اس میں کوئی دھمکی یا سختی نہیں ہے۔ اور اس طرح مکررات جہاں بھی آئی ہیں ان میں جواب کے لہجہ کی سختی اور مفہومِ وحی کو اچھی طرح ذہن نشیں کرانے کا انداز پایا جاتا ہے، جیسے:

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا — اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی
(الشوریٰ : ۴۰)

یہ دوسرا ''سیئۃ'' کا دوبارہ لانا ظاہر ہے مقامِ باری تعالیٰ سے فروتر ہے، اللہ اور برائی کا طریقہ اختیار کرے، عقل میں آنے والی بات نہیں ہے اور اس کی تاویل صرف یہی کی جائے گی کہ قرآن جن لوگوں کی زبان میں اترا ان کا محاورۂ کلام یہی تھا، جن عجمیوں نے گستاخانہ اور شوخی کے انداز میں حیرت کا اظہار کیا وہ عربی زبان کی نزاکت سے واقف نہ تھے، جیسے خیام کا یہ مشہور شعر ؎

من بد کنم و تو بد مکافاۃ دہی — پس فرق میان من و تو چیست بگو

اگر چہ یہ شعر صرف شوخ بیانی اور شاعرانہ مستی اور دین سے بے پرواہی کا مظہر ہے، لیکن اس کے ساتھ عربیت کی اصل روح سے بیگانگی اور شاعر کی جہالت بھی نمایاں ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اسی طرز پر آیاتِ کریمہ:

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (آلِ عمران : ۵۴)

اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی، اور اللہ تعالیٰ سب تدبیر کرنے والوں میں اچھے ہیں۔

آیت میں ذاتِ قدوسبت اور عظمتِ خداوندی کے منافی مفہوم بھی کچھ لوگوں نے لیا ہے، ''مکر'' چھپی سازش کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کھلا حکم بھی، دریاؤں کو ریگستان کرنے میں اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرنے میں اپنی عظمت کا اظہار کر سکتا ہے، اس کو منافقوں اور پست درجے کے انسانوں، عاجزو ناتواں مہروں کی طرح چھپ کر سازش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب بھی ابوعبیدہ اور ابوھلال العَسکری اور زمخشری نے دیا ہے وہ ان لوگوں کے لئے قابلِ اطمینان اور شرحِ صدر کا باعث ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے عربیت کا صحیح ذوق عطا کیا ہے اور جو عربیت کے صحیح ماحول کو سمجھ سکے ہیں، یہی بات

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا (الطارق : ۱۵-۱۶)

(ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ) یہ لوگ (نفی حق کے لئے) طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں، اور میں بھی (ان کی ناکامی اور عقوبیت کے لئے طرح طرح کی) تدبیریں کر رہا ہوں۔

کے سلسلہ میں کہی جا سکتی ہے۔

اگرچہ ابوعبیدہ النحوی کی بات چل رہی ہے لیکن درمیان میں امام یحییٰ العلوی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اور ابن اثیر الجزری کے حوالہ سے چند مربوط باتیں کہی گئیں اور آئندہ فصلوں میں اس کی مزید وضاحت کی جائے گی۔

ابو عبیدہ نے ''اطناب'' کی مثالیں قرآنِ کریم کی ان آیات سے دی ہیں جہاں ایک لفظ مکرر آیا ہے اور تکرار کا سبب، صرف کلام میں زور پیدا کرنا (جس کو عربی میں توکید کہتے ہیں) سمجھا ہے، جیسے:

اِنِّیْ رَأَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَیْتُهُمْ لِیْ سَاجِدِیْنَ (یوسف : ۴)	میں نے (خواب میں) گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے ہیں، ان کو اپنے رو برو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اس آیت میں ''رأیت'' کا لفظ دو جگہ آیا ہے، لہٰذا ان کے نزدیک یہ اطناب ہوا، جیسے:

اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی (القیامة : ۳۴)	تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے۔

ایک آیت میں ایک لفظ دو مرتبہ وارد ہوا

فَصِیَامُ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ کَامِلَةٌ (البقرة : ۱۹۶)	......(اس کے ذمہ) تین دن کے روزے ہیں (ایامِ) حج میں، اور سات ہیں جب کہ حج سے تمہارے لوٹنے کا وقت آجاوے، یہ پورے دس ہوگئے

اس میں حساب کے میزان ''تِلْكَ عَشَرَةٌ کَامِلَةٌ'' کے بیان سے حسن ضرور آگیا، جیسے کسی بہترین شعر میں قافیہ کی رعایت اور وزن کی ضرورت دیکھ کر

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کہا جاتا ہے کہ یہی لفظ شعر کی جان ہے۔

تو یہاں بھی یہ میزان '' تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ '' مفہوم میں چمک عطا کر رہا ہے اور یہ '' اطناب '' محبوب و مطلوب ہے۔

شیخ ابو عبیدہ نے '' النقائض '' میں اور امام یحییٰ بن حمزۃ الیمنی نے '' الطراز '' میں '' اطناب '' کی کئی قسمیں نقل کی ہیں، جس میں ایک قسم وہ تھی جس کا ذکر ابھی کیا گیا اور اس سلسلہ میں دوسرے ائمہ بلاغت کی تاویلات بھی ایک حد تک بیان کر دی گئی، مزید یہ حضرات '' اطناب '' کی ایک قسم مجازی مانتے ہیں، جیسے آیتِ کریمہ:

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (الحج: ۴۶)	سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی پر اندھے ہو جاتے ہیں دل جو سینوں میں ہیں

اس آیتِ کریمہ میں '' بے بصری '' کی نسبت قلوب کی طرف کی گئی ہے اور اس تاکید کے ساتھ کہ قلوب کو قلوب ہی سمجھو (القلوب التی فی الصدور) اور یہ معلوم ہے کہ بصارت اور عدمِ بصارت کا تعلق حلقۂ چشم سے ہے نہ کہ قلب کے اس لوتھڑے سے جو اُلٹتا پلٹتا رہتا، پھولتا اور سکڑتا، کبھی تنگ ہوتا اور کبھی وسیع ہوتا ہے، لہٰذا اس کو مجاز تسلیم کئے بغیر چارہ کار نہیں ہے، مگر قرآن کو یہ بتلانا ہے کہ روشنی عطا کرنے کا کام دل کا ہے اور حلقۂ چشم اس کا ایک ذریعہ ہے، لہٰذا روشنی کا منبع اگر دل کو مانتے تو یہ کہنا پڑتا کہ دل نہیں دیکھتا جو دل میں ہے غرض مکرر کہے بغیر مفہوم ادا نہ ہوتا اور اس صورت میں جب کہ قلوب کی جگہ متعین کر دی گئی اور اندھے پن کا محل اور مصدر قلوب کو قرار دیا گیا تو '' التی فی الصدور '' کہنا مفہوم کی زیادہ وضاحت کرتا ہے اور کلام کو منجانب اللہ ہونے کی شہادت دیتا ہے'

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

امام یحییٰ نے لکھا ہے: ”وھذا من لطائف علم البیان و محاسنه“ یعنی حسنِ بیان اور لطیف انداز میں پیچیدہ مفہوم کو بیان کرنے کی اعلیٰ مثال ہے، لہٰذا اس طرح کا ”اطناب“ محمود اور مطلوب ہے نہ کہ داستان کو طول دینا۔

علمائے بلاغت نے اس ”اطناب“ کا ذکر تفصیل سے کیا ہے جو قرآن میں وارد ہوا ہے اور اس کی کئی قسمیں نکالی ہیں اور چوں کہ سابق شاہِ یمن علامہ یحییٰ اس دور کے فاضل تھے جب کہ منطقِ یونانی کو ایک دینی علم سمجھا جاتا تھا، لہٰذا اسی طرز پر ہر صفت کے اقسام انہوں نے بیان کئے ہیں، اس سلسلہ میں ابوھلال العسکری کی ”کتاب الصناعتین“ اور زمخشری کی تفسیرِ ”کشاف“ نے برمحل اس کی مثالیں دی ہیں علی ابن عیسیٰ الرمانی نے اس پر مختصر بحث کی ہے جو ہم ان کی کتاب ”کتاب النکت فی اعجا القرآن“ کے سلسلہ میں نقل کریں گے۔

تقدیم وتاخیر

ابوعبیدہ، تقدیم وتاخیر کے مقامات واضح کرتے ہیں اور کوئی تاویل نہیں کرتے، اس سے ظاہر ہو کہ یہی طرزِ بیان عربوں کا پایا جاتا تھا، جیسے:

اَحْسَنَ کُلَّ شَیْئٍ خَلَقَهٗ — جو چیز بنائی خوب بنائی

(السجدة: ۷)

جب کہ نحوی منطق، متقاضی ہے، ”احسن خلق کل شئی“ کا، یعنی فعل، فاعل کے بعد مفعول ہوتا۔ عبداللہ العُکبُری اپنی کتاب ”املاء مامن به الرحمن من وجوه الاعراب والقراء ات فی جمیع القرآن“ میں اس سلسلہ میں یہ شعر مثال میں لائے ہیں:

من یفعل الحسنات الله یشکرها — والشر بالشر عند الله مثلان

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اچھے کام کا اللہ قدرداں ہوتا ہے، اور برائی جو کسی برائی کے بدلہ میں کی جائے وہ بھی بُری ہے۔

موضعِ استدلال، خبر (الله يشكرها) کا مقدم ہونا ہے۔(۱)

استفہام

ابو عبیدہ نے جن گوشوں پر روشنی ڈالی ہے اور ان کے لئے نئی اصطلاحات ایجاد کی ہیں اس میں استفہام کا مفہوم اور اس کی اصطلاح دونوں بہت اہم ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا (البقرة : ۳۰) کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے۔

میں '' همزه '' حرف استفہام ہے، جس کا مفہوم یہ ہوا کہ فرشتے اللہ سے پوچھ رہے ہیں کہ آپ کس طرح ان عناصر سے جن سے صرف شَر کا صدور ہوتا ہے اپنا خلیفہ پیدا کریں گے، فرشتوں کی یہ مجال نہیں تھی کہ اللہ رب العزت کے اس کے کام پر اعتراض کرتے یا اپنی حیرت کا اظہار کرتے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس حرف کو حرفِ استفہام سمجھا جا رہا ہے (أ) یہ حرف تاکید ہے، فرشتے اپنے پر سمیٹے حکم الٰہی کے آگے سجدہ ریز کہہ رہے ہیں کہ بے شک تو ایسا کرے گا۔

عربی ذوق رکھنے والوں کے لئے ابو عبیدہ نے جریر کا یہ شعر نقل کیا ہے:

الستم خير من ركب المطايا وانّدى العالمين بطون راح

(کیا تم سب سے اچھے شہسوار نہیں ہو اور کھلے ہاتھوں لوگوں کو دینے والے سخی نہیں ہو؟)

---

(۱) کتاب مذکور: صفحہ ۶۹۱

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اس شعر میں جملہ سوالیہ ہے، مگر مفہوم اقرار یہ ہے جس کے اندر تاکید پائی جاتی ہے شاعر اپنے ممدوح سے کہہ رہا ہے کہ تم خاندانی شہسوار ہو اور لوگوں کو کھلے ہاتھوں دینے والے ہو، اس کے بعد ضرورت ہوئی کہ اس بات کو یوں مکمل کیا جائے کہ چوں کہ تم بہت بڑے آدمی ہو، خاندانی سخی ہو تو ہم کو بھی دو۔ اور اس شعر میں سوالیہ جملہ جو حرفِ استفہام سے شروع ہو رہا ہے اس میں مدح مکمل ہے، طلب ظاہر ہے اور زبان کا اعلیٰ ترین معیار اپنی جگہ پر۔

یا جس طرح کہا جائے کہ ایک آدمی اپنے لڑکے کو مار رہا ہے اور وہ اچھی طرح جان رہا ہے کہ کیوں مار رہا ہے اور مار کھانے والا لڑکا بھی جانتا ہے کہ اس نے کیا قصور کیا ہے مگر وہ شخص جو اپنے لڑکے کو مار رہا ہے کہتا جاتا ہے، پھر تم نے وہی حرکت کی؟ پھر بازار گئے؟ پھر اسکول سے بھاگ آئے؟ تو یہ جملہ اگر چہ اپنے ڈھانچہ کے لحاظ سے استفہامی ہیں لیکن تقریری ہے، یعنی ثابت کرنا نہ کہ سوال کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

أَوَلَوْ كَانَ اٰبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا (البقرة : ۱۷۰)	کیا اگر چہ ان کے باپ دادا (دین کی) نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں؟

اس میں "ہمزہ" استفہامیہ نہیں ہے بلکہ تاکیدی ہے، یعنی" ان کان اٰباوھم ......" الخ اللہ تعالیٰ کی ارشاد

أَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ...... (المائدة : ۱۱۴)	کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ خدا کے معبود قرار دے لو؟

ابو عبیدہ اس سوال کو استفہام کی قسم نہیں قرار دیتے ہیں، کیوں کہ استفہام کے

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

معنی ہیں کسی نامعلوم شئے کو معلوم کرنا، جیسے کہ آپ پوچھیں کہ تمہارا وطن کہاں ہے؟ اسکے جواب میں ہم اپنے وطن کا نام لیں گے جو پوچھنے والے کو معلوم نہیں تھا، لیکن اگر یوں پوچھیں کہ ”کیا تم عرب نہیں ہو؟“ تو اس کا مطلب ہوگا کہ پوچھنے والے کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میرا وطن کہاں ہے، مگر سوالیہ جملہ دھوکہ میں ڈال سکتا ہے کہ پوچھنے والا پہلے ناواقف تھا اور اس کا مقصد یہ جتلانا ہے کہ تم جانتے ہو، ہم جانتے ہیں اور ساری دنیا جانتی ہے کہ تم عرب ہو، ایسے سوالیہ جملے کو استفہامی نہیں تفہیمی کہا جاتا ہے اور کبھی اقراری سوال بنایا جاتا ہے، آپ کسی سے خفا ہو کر کہیں کہ تم مسلمان نہیں ہو؟ کیا تمہارا، کلمہ پر ایمان نہیں ہے؟ کیا تمہارے دل میں خوفِ خدا نہیں ہے؟ ان جملوں کا مطلب یہ نہیں ہوگا یہ سوالات بر بنائے جہل و ناواقفیت کئے جا رہے ہیں بلکہ اقرار کرایا جا رہا ہے کہ جب تم کو معلوم ہے کہ تم مسلمان ہو، تمہارے دل میں خوفِ خدا ہے تو تم نے پھر ایسا کیوں کیا؟ ابو عبیدہ کی اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ ہر جملہ جو سوالیہ علامت رکھتا ہو وہ صرف استفہام کے لئے اور کسی چیز کو معلوم کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد کہیں اس کے زبان سے اقرار کروانا، کہیں شرمندہ کرنا اور کہیں باور کرانا ہے۔ جیسے پچھلے سطور میں جریر کا شعر نقل کیا گیا: کیا تم شہسوار نہیں ہو؟ یہ سوال بر بنائے جہل اور استفہام کی غرض سے نہیں بلکہ بر بنائے اثبات اور تاکید ہے۔ ____ آیت کریمہ

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ (سورۃ سبا: ۴۰)	اور وہ دن (قابلِ ذکر ہے) جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو (میدانِ قیامت میں) جمع فرماوے گا پھر فرشتوں سے ارشاد فرماوے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اس آیت میں '' أھولاء '' ہمزہ استفہام سے شروع ہوتا ہے جو ظاہر ہے کہ مجاز ہے جو ایجاب، اخبار اور اثبات کے لئے آیا ہے۔ یہ استفہام کا ہمزہ، سوالیہ نہیں ہے بلکہ ایک طے شدہ بات کو پیش کر کے لوگوں کو اس کا قائل بنانا مقصود ہے خاص کر وہ لوگ جو فرشتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کی کسی تحقیر کو گوارا نہیں کرتے تھے، اسی طرح ارشادِ الٰہی:

اَفَسِحۡرٌ هٰذَآ　　　تو کیا (یہ بھی) سحر ہے؟ (دیکھ کر بتلاؤ)　　　(الطور : ۱۵)

استفہام کے لئے نہیں ہے بلکہ دھمکی کے غرض سے اس طرح کے سوالیہ جملہ بنائے جاتے ہیں، یا:

هَلۡ يَسۡتَوِيَانِ مَثَلًا　　　کیا یہ دونوں شخص حالت میں برابر ہیں؟　　　(ھود : ۲۴)

لفظِ '' ھل '' سے مقصود استفہام نہیں ہے، بلکہ مقامِ اقرار ہے کہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے، ابو عبیدہ کی تعبیر میں یہ مقامِ تقریر و تخبیر ہے نہ کہ مقامِ استفہام و استعلام، (یہ مصطلحات، استفہام، استعلام، تقریر، تنکیر، تحدید سب ابو عبیدہ کی وضع کردہ ہیں، جن کی تشریح ایک جگہ ہو چکی ہے، اس لئے بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں ہے)

التفات

ابو عبیدہ نے اپنی تحقیق کے مطابق جو اصطلاحات وضع کی ہیں ان میں '' التفات '' بھی ہے، اس کے بارے میں وہ کہتے ہیں، مجاز کے ضمن میں ایک غائب شئے کو اس طرح ذکر کرنا جیسے وہ حاضر اور سامنے موجود ہے، مثال کے طور پر:

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتَابُ — الم یہ کتاب ایسی ہے

(البقرۃ :۱-۲)

اس کا مجاز ہے،"الم ھذا القرآن" اسی ضمن میں ابوعبیدہ شاھد کو غائب کے معنی میں استعمال کرنا قرآنی مجاز سمجھتے ہیں، جیسے ارشاد ہے:

حَتّٰی اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ — یہاں تک کہ جب (بعض اوقات) تم کشتی میں سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ لے کر چلتی ہیں۔

(یونس: ۲۲)

اس آیت میں "بھم" "بکم" کی جگہ پر ہے، مزید یہ کہ مجاز ہی میں وہ جملہ بھی ہے جو غائب سے تعلق رکھتا ہے، پھر اسی سے حاضر کو مخاطب کیا جاتا ہے، جیسے ارشاد ہے:

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى (۱) — پھر ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا، تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے۔

(القیامۃ : ۳۳-۳۴)

یہاں "ذھب" اور "یتمطی" غائب کا صیغہ ہے اور "اولیٰ لك فاولیٰ" ان کے میں مخاطب حاضر ہے۔

مضارع کی جگہ ماضی کا استعمال

ابوعبیدہ نے اپنے تجربہ اور استقراء سے یہ بات تسلیم کی ہے کہ عرب بول چال

(۱) یہ لفظ بظاہر اول کے مادہ سے ہے، مگر اس کی جتنی تفصیلات دوسری آیتوں میں وارد ہوئی ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ "اول" کا مؤنث "اولی" اور "اولی" اسم تفضیل ہے، مؤنث و مذکر کے لئے، اور ہمیشہ مکرر آیا کرتا ہے یہ حرف بددعا اور تہدید کا اظہار ہے، بظاہر ایک لفظ جامد ہے؟ جس کا مصدر، مذکر اور اس سے متفرع دوسرا لفظ نہیں ملتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

میں مضارع کی جگہ ماضی کا استعمال کرتے ہیں اور اس کے لئے کسی فنّی موشگافی اور منطقیانہ تاویل کی ضرورت نہیں ہے، اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ عربوں کی روز مرہ میں اس طرح کے تصرفات عام ہیں، ارشاد باری:

وَ مَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ (المائدة : ۹۵) — اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا تو اللہ تعالیٰ انتقام لیں گے۔

کے بارے میں کسی نے بحث نہیں کی جو کہ مجاز ہے، یہاں پر "عاد" ماضی "یعود" مضارع کے معنی میں ہے، جیسے، تغب بن ام صاحب کا قول ہے:

ان یسمعوا ریبة طاروا بها فرحا   وان ذکرت بسوء عندهم اذنوا

(جب لوگ شک کی بات سنتے ہیں تو خوشی سے ناچنے لگتے ہیں اور جب ان کے سامنے کسی برائی کا ذکر ہوتا ہے تو ایک دوسرے سے اس بات کا چرچا کرنے لگتے ہیں) اس شعر کے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ "یطیروا" کی جگہ پر "طاروا" استعمال کیا گیا ہے، اسی طرح ارشاد باری:

وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ (الاحزاب : ۵۰) — ...... اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلاعوض اپنے کو، پیغمبر کو دیدے۔

میں "وهبت" اس مقام پر وارد ہوا ہے جہاں "تهب" کا استعمال ہوتا ہے، لیکن یہ عربوں کا روز مرہ استعمال ہے، اس میں بحث کی گنجائش نہیں۔

مجازِ عقلی

مجازِ عقلی کی اصطلاح ابو عبیدہ کے وقت تک وضع نہیں ہوئی تھی، چنانچہ ابو عبیدہ نے اس طرح کی آیات کو جس میں مجازِ عقلی پایا جاتا ہے بغیر عنوان کے ذکر کیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وَالنَّهَارَ مُبْصِراً — اور بنایا دن جس میں دیکھیں

(النمل: ٨٦)

اس کا مجاز یہ ہے کہ اصلی فعل دوسرے کا ہے اور اس کی نسبت مجازاً دوسری شی کی طرف ہے جو اصل نہیں ہے، مگر اصل سے تعلق رکھتی ہے، آپ آیت میں دیکھتے ہیں کہ بصارت کا تعلق ''نہار'' سے کیا گیا ہے، لہٰذا ''بصر'' کی نسبت ''نہار'' کی طرف کی گئی ہے اور ''نہار'' ''نہیں دیکھتا'' ''آنکھ'' دیکھتی ہے، جیسے:

لیله نائم و نهاره صائم اس کی رات سوتے گذرتی ہے اور دن بھوک میں گذرتا ہے۔ مجازاً کہا جاتا ہے، اسی طرح:

فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ — خاطر خواہ آرام میں ہوگا (یعنی ناجی ہوگا)

(القارعة: ٧)

کا مطلب ہے کہ جو اس طرح کی زندگی گذارتا ہے وہ اپنے حالات پر یا زندگی سے مطمئن ہے تشبیہ اور استعارے کے سلسلہ میں رُمانی نے بہت تفصیل سے مثالیں ذکر کی ہیں، جس کا تفصیلی بیان آگے آرہا ہے۔

ابوعبیدہ نے اپنی کتاب مجاز القرآن میں:

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ — تمہاری بیبیاں تمہارے لئے (بمنزلہ) کھیت (کے) ہیں۔

(البقرة: ٢٢٣)

کو کنایہ اور تشبیہ بتایا ہے، اور کسی نے اس کو تمثیل اور مجاز بتایا ہے، لیکن وہ خود اس بات کے قائل ہیں کہ مجازی مفہوم میں اس طرح کے جملے لانا کلامِ عرب میں داخل ہے، تشبیہ کے تمام فوائد اس میں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ — ...... کسی گھاٹی (یعنی غار) کے کناہ پر جو کہ گرنے ہی کو ہو......

(التوبة: ١٠٩)

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

"شفا جرف" "شفیر" کے معنی میں اور "ھار" "ھائر" کے معنی میں مجازاً استعمال ہوا ہے، اسی طرح پوری آیت:

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَاجُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَايَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (التوبة: ۱۰۹)

پھر آیا: ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت (یعنی مسجد) کی بنیاد خدا کے ڈرنے پر اور خدا کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی (یعنی غار) کے کنارہ پر جو کہ گرنے ہی کو ہو رکھی ہو، پھر وہ (عمارت) اس (بانی) کو لے کر آتشِ دوزخ میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو (دین کی) سمجھ نہیں دیتا۔

مجاز تمثیل ہے۔ نیز

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِیْ عَلٰى بَطْنِهٖ

پھر ان میں سے بعضے تو وہ (جانور) ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں

تشبیہ کے باب میں داخل ہے۔

مجاز

ابوعبیدہ نے اپنی کتاب کا نام "مجاز القرآن" رکھا ہے، اس میں جو مسائل ان کے پیشِ نظر ہے ان کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں، ان میں بعض الفاظ کی شرح اور بعض آیات کی نحوی ترکیب سے جو مشکلات پیش آتی ہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ان کا حل بتایا ہے اور تمام مباحث کا حاصل یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے بیانی پہلو کو واضح کیا جائے، بعض لوگوں نے لفظِ "مجاز" کو لفظ "نحو" کا بدل سمجھا ہے، گویا مجاز القرآن کا مطلب ہوا "نحو القرآن"، بعض لوگوں نے مجاز کے معنی تاویل اور تفسیر سمجھا ہے اور اس حد تک یہ واقعہ صحیح ہے کہ ابوعبیدہ کے وقت تک نحو و بلاغت کی اصطلاحات متعین نہیں ہوئی تھیں، ڈاکٹر عبدالعزیز عبدالمعطی عرفۃ نے "قضية الاعجاز القرآنى و اثرها" میں لکھا ہے کہ: حقیقت یہ ہے کہ "مجاز" کا لفظ معنی اور تفسیر کے لفظ سے زیادہ وسیع مفہوم پر حاوی ہے، ابوعبیدہ نے چند مقامات پر "مجاز" بلاغت کی اصطلاح کے مطابق بھی استعمال کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد

اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَا صِيَتِهَا (هود: ۵۶)	......سب کی چوٹی اس نے پکڑ رکھی ہے

میں "آخذ بناصيتها" کا مطلب "الا هو فى قبضته و ملكه و سلطانه" بتایا ہے۔ اور اسی طرح:

وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا (الانعام: ٦)	اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں

میں "السماء" مجاز ہے، مقصد: "المطر" ہے۔

استعارہ:

ابوعبیدہ نے کہیں مجاز کا لفظ اس جگہ استعمال کیا ہے جہاں اصطلاحات متعین ہونے کے بعد۔ "استعارہ" استعمال کیا جاتا ہے، یعنی اہل لفظ کو دوسرے معنی میں استعمال کرنا، جیسے قرآنِ کریم میں ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وَقَدِمْنَا اِلٰى مَاعَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا
(الفرقان: ۲۳)

ہم (اس روز) ان کے (یعنی کفار کے) ان (نیک) کاموں کی طرف جو کہ وہ (دنیا میں) کر چکے تھے متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا (بیکار) کردیں گے جیسے پریشان غبار۔

"قد منا" کا مفہوم "عمدنا" یا "باشرنا فی العمل" ہے، یہ بحث "رُمّانی" نے زیادہ تفصیل سے پیش کی ہے، ابوعبیدہ نے چند اضافہ بھی کیا ہے، جیسے، "الاستعارة التمثیلیة" مثال کے طور پر، وہ قرآنِ کریم کی آیت پیش کرتے ہیں:

فَرَدُّوْآ اَيْدِيَهُمْ فِىْٓ اَفْوَاهِهِمْ
(ابراهیم: ۹)

سو ان قوموں نے اپنے ہاتھ ان پیغمبروں کے منہ میں دے دیئے

یہ تمثیلی مجاز ہے، اس موقعہ پر بولا جاتا ہے جب کہ حق کی دعوت دی گئی لیکن نہ اس نے اس کو مانا اور نہ اعتراف کیا بلکہ اپنے منہ کو اپنے ہاتھ سے بند کیا، تو اپنے منہ پر ہاتھ دھرنا جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ بولنے سے عاجز ہے یا بولنے کی مصلحت نہیں سمجھتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ
(النحل: ۲۶)

سو اللہ تعالیٰ نے ان کا بنا بنایا گھر جڑ بنیاد سے ڈھا دیا۔

مجاز مثل اور مجاز تشبیہ ہے، قواعد کے معنی بنیاد، اُساس، جب کسی عمارت کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دیتے ہیں یا کسی شئے کو نیست و نابود کر دیتے ہیں اس وقت یہ محاورہ بولا جاتا ہے، ابوعبیدہ نے اس کے لئے اصطلاح وضع نہیں کی اور اس کے لئے بھی "مجاز" کا لفظ باقی رکھا، لیکن اپنی کتاب "النقائض" میں اس پر بحث

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ضروری ہے، غالباً ابوعبیدہ، علم البیان کے تمام اقسام کا جامع لفظ ''مجاز'' کو سمجھتے تھے، اسی لئے تشبیہ، تمثیل، کنایہ، مثل، تقدیم وتاخیر، ایجاز اور اس طرح کے الفاظ جو زبان پہ چڑھے ہوئے ہیں ان کے بجائے ''مجاز'' کو باقی رکھا۔

کنایہ

ابو عبیدہ نے اپنی دونوں کتابوں '' النقائض ''(۱) اور ''مجاز القرآن ''میں ''کنایہ'' کو ٹھیک اسی معنی میں استعمال کیا ہے جن معنوں میں علمائے بلاغت استعمال کرتے ہیں، چنانچہ ابوعبیدہ آیت کریمہ:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ — تمہاری بیبیاں تمہارے لئے

(البقرۃ : ۲۲۳) — (بمنزلہ) کھیت (کے) ہیں

کو کنایہ اور تشبیہ قرار دیا ہے، اور آیتِ کریمہ:

بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا — دونوں کا پردہ کا بدن ایک دوسرے

(الاعراف : ۲۲) — کے روبرو بے پردہ ہوگیا

میں ''سوءۃ'' کو شرمگاہ سے کنایہ قرار دیا ہے، اور آیت کریمہ:

اَوْجَاءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ — یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو

(المائدۃ : ۶)

پیٹ سے آلائش کے نکالنے کے لئے'' غائط '' کا لفظ ''کنایہ'' قرار دیا ہے، اسی طرح:

اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ — یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو

(المائدۃ :۶)

---

(۱) النقائض بنن الجریر و فرزدق"

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کنایہ ہے مردہ کا مخالف جنس کے جسم کو ڈھانک لینے سے، کبھی کنایہ ضمیر کے لئے استعمال ہوتا ہے، آیت کریمہ:

ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ (المائدۃ: ۷۱) — پھر بھی اندھے، بہرے بنے رہے، یعنی ان میں کے بہتیرے

میں "مجاز" کے دو رخ ہیں، ایک وہ جس کو بعض عرب فعل کے بعد آنے والے اسم کو سامنے رکھتے ہوئے کنایہ کہتے ہیں، جیسے "اکلونی البراغیث" (مجھ کو کھا گئے مچھر) اس میں کنایہ جمع کی علامت بھی ہے۔

حرفِ زائد

ابوعبیدہ کا خیال ہے کہ بعض حروف کا اضافہ کلام کو مکمل جملے کی شکل دینے کے لئے وارد ہوا ہے، جیسے قرآنِ کریم کی آیت:

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحۃ: ۷) — نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا جو رستے سے گم ہو گئے۔

ابوعبیدہ کے نزدیک لفظِ "لا" حرف زائد ہے، کیوں کہ "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَالضَّالِّيْنَ" سے مفہوم ادا ہو جاتا ہے، اسی طرح:

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (العنکبوت: ۶۳) — اور اصل زندگی عالمِ آخرت ہے۔

میں "لام" (لھی میں) کا اضافہ، تاکید کے لئے ہے، ورنہ "و ان الدار الآخرة هی الحیوان" کافی تھا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

الفرّاء (م:۲۰۷)

الفرّاء (م:۲۰۷) کوفہ کے عالمِ نحو ولغات تھے، ادب کے فنون پر ماہرانہ رائے رکھتے تھے، نام عبداللہ بن زیاد بن منظور تھا، ان کو "فرّاء" کہا گیا جس کے لفظی معنی ہیں، کاغذ یا چمڑے پر نشان لگا دینا جہاں سے کاٹنا ہو، وفیات الأعیان میں ابنِ خلکان نے یہی تحقیق بیان کی ہے، مقاماتِ حَریری میں یہ لفظ اس طرح آیا ہے: "انا اخلق بما افری" اس کا مطلب یہ بھی ہے: "نشانے پر تیر لگانا" ان کو "فرّاء" اس لئے کہا جاتا ہے کہ کسی نحوی مسئلہ کو غلط نہیں کہتے تھے، فرّاء کا مقولہ تھا: "النحوی لایلحن "یعنی نحو کا عالم وہ ہے جو کسی عبارت کو غلط نہ کہے اور ایسی نحوی توجیہ بیان کرے کہ اس کا صحیح ہونا ثابت ہو۔ فرّاء کی شخصیت ان لوگوں میں شمار ہوتی ہے جنہوں نے قرآنِ مجید کی ادبی اور نحوی خدمت کی ہے۔

ان کی تصنیف "معانی القرآن" اس لحاظ سے قابلِ ذکر ہے کہ اس میں قرآنِ کریم کی آیات میں اہلِ عجم کو جو اُلجھن نظر آتی ہے، اس کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

فرّاء کی کتاب "معانی القرآن" کی تصنیف اس طرح عمل میں آئی کہ اس کے ایک دوست عمر بن بکیر جو حسن بن سھل کے ساتھ رہا کرتا تھا اس نے فرّاء کو لکھا کہ شہزادہ حسن، قرآن سے متعلق مجھ سے ایسے سوالات کیا کرتے ہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

جس کا جواب مجھ سے نہیں بن پڑتا، اگر تم ایسے اصول کو یکجا کر دیتے جس کی طرف بوقتِ ضرورت مراجعت کی جاتی تو تمہارا بڑا احسان ہوتا، فرّاء نے جب یہ خط پڑھا تو اپنے شاگردوں سے کہا کہ میرے پاس ہفتے میں ایک دن اس موضوع پر املاء لے لیا کرو، جب اس کے شاگرد جمع ہوئے تو مسجد کے صحن میں نکل کر آیا، وہاں ایک مؤذن تھا جو قرآن کی تلاوت کر سکتا تھا، اس سے کہا: کچھ پڑھو، اس نے سورہ فاتحہ پڑھی اور انہوں نے تفسیر کی یہاں تک کہ پورے قرآن کا ایک ختم کر ڈالا، فرّاء کی یہ تفسیر، معانی القرآن'' کے نام سے مشہور ہے، اس تفسیر میں پیشِ نظر بلاغت اور نحو کے مسائل تھے، معانی القرآن میں فرّاء نے بلاغت کے جو گوشے ظاہر کئے ہیں ان کو اختصار کے ساتھ عبد العزیز بن عبد المعطی نے نقل کیا ہے، وہ حسبِ ذیل ہیں:

ایجاز

فرّاُ کا خیال ہے کہ عرب کم الفاظ بول کر زیادہ معانی سے اپنا مقصد ظاہر کرنے کے عادی ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ بولنے والا جو بات کہہ رہا ہے وہ سننے والے کو معلوم ہو، آیت کریمہ

فَاِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقاً فِیْ الأَرْضِ اَوْ سُلَّماً فِیْ السَّمَاءِ فَتَأْتِیَهُمْ بِآیَةٍ (الأنعام : ۳۵)	تو اگر آپ کو قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو پھر کوئی معجزہ لے آؤ (تو کرو)

یہاں لفظ'' فافعل'' مضمر ہے، ترجمہ وتفسیر میں اس محذوف شدہ لفظ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کے مساوی لفظ سننے والے کے ذہن میں آجاتا ہے، عرب جہاں محسوس کرتے ہیں کہ سننے والا جواب سمجھتا ہے وہاں وہ لفظ حذف کر دیتے ہیں، جیسے عربوں کا کہنا: فلاں شخص ضرورت مند ہے اگر تم صدقہ کر سکو، ہم باغ جا رہے ہیں اگر تم چل سکو، یہاں پر یہ لفظ محذوف مانا جائیگا کہ "صدقہ کرو" اور "ساتھ چلو" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ وَ عَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (البقرة: ۷)

بند لگا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔

"خَتَمَ" کا معنیٰ "سمعهم" پر ختم ہو گیا اور دوسرا لفظ، رفع "غشاوة" مہر کرنے کے معنیٰ میں نہیں ہے، اگر یہاں پر "وَعَلٰى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ" کے بجائے "وجعل على أبصارهم غشاوة" ہوتا تو ہمارے نحوی علم کے مطابق بات بن جاتی، عاصم ابن ابی النجود اس کو نصب دیا کرتے تھے، جس طرح سورہ جاثیہ میں ہے:

اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً۔ (الجاثية: ۲۳)

سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے اور خدائے تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور خدائے تعالیٰ نے اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کے آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دونوں آیتوں کا ایک ہی مفہوم ہے، اضمار کہاں پر جائز ہوگا اور ابتداء اور انتہاء دونوں حسنِ بلاغت کی دلیل ہوگا اس کی مثال یہ ہے کہ آپ کہیں کہ فلاں شخص کو مال ملا تو اس نے گھر بنائے اور غلام، باندیاں اور اچھے لباس، اس جملے میں، غلام، باندیاں، اچھے کپڑے کو فعل کے تابع کر دیا گیا حالاں کہ فعل ''بنا'' کا ''مفعول'' یہ چیزیں نہیں ہو سکتیں لیکن خوشحالی و فارغ البالی سے تعلق سب کا ہے، اس لئے ''اضمار'' جائز قرار پایا، سورہ واقعہ میں اس کی مثال ہے۔

يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۝ بِأَكْوَابٍ وَّأَبَارِيقَ وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ۝ (الواقعة: ۱۷-۱۸)	ان کے آس پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمد و رفت کیا کریں گے، آبخورے اور آفتابے اور ایسے جامِ شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جاویگا۔

پھر ارشاد فرمایا:

وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۝ وَ لَهُمْ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝ وَ حُورٌ عِينٌ ۝ (الواقعة: ۱۹-۲۱)	اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہوگا، اور ان کے لئے گوری گوری بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی۔

بعض قُرّاء نے تخفیض کے ساتھ اور بعض نے مرفوع پڑھا ہے، جیسے: ''وحورٍ عین'' بعض اعتراض کرنے والوں نے کہا کہ بڑی آنکھوں والی حوروں کا طواف نہیں کیا جاتا لہٰذا انہوں نے ''عندھم'' کا لفظ محذوف مان کر تفسیر کی، یعنی: ''و عندھم حورٌ عینٌ'' غرض اس طرح کی مثالیں عربی

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

زبان میں عام طور سے ملتی ہیں اور ان کو مشاکل القرآن سمجھنا غلطی ہے، اور اسی طرح ''اطناب''، ''تقدیم و تاخیر''، ''التفات''، ''مجاز عقلی''، ''ماضی کی جگہ مضارع کا استعمال''، ''استعارہ''، ''کنایہ''، ''توجیہ'' اور مشاکلہ (مخالف کا منہ بند کرنے کے لئے اسی کی زبان اور لہجے میں جواب دینا) جیسے:

وَ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا — اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی

(الشوریٰ : ۴۰)

اور

فَمَنِ اعْتَدىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ " بِمِثْلِ مَااعْتَدىٰ عَلَيْكُمْ — سو جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو، جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

(البقرة : ۱۹۴)

عربوں کا عام اسلوبِ کلام تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا'' اعتدوا'' یا ''جزاء سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا'' کسی توجیہ کا طالب نہیں ہے، ''الفرّاء'' نے ابو عبیدہ کی طرح بجائے لغوی تعلیل کے لسانیاتی اسلوب کی طرف محوّل کیا ہے۔

اسلامی تاریخ میں تیسری ہجری علمی کارناموں اور قرآن و سنت کی خدمت کے لحاظ سے ناقابلِ فراموش ہے، احادیث کے چھ مشہور مع جن کو ''صحاحِ ستہ'' کہا جاتا ہے اسی دور میں مُرتب ہوئے، چاروں فقہی مسالک حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب اسی تیسری صدی ہجری میں آئینی اور قانونی شکلوں میں نمایاں ہوئے اور اسی کے ساتھ ساتھ یونانی، ایرانی، فلاسفہ اور ملحدین مختلف پیرایہ و بیان میں اسلام پر حملہ آور ہوئے اسلام پر حملہ آور ہونے کا قریب ترین راستہ قرآن تھا اور اہلِ سلیقہ عرب کی کمی اور غیر عرب عناصر کی زیادتی نے ایسے مسائل مسلمانوں کے اندر پیدا کر دیئے جو نہ صرف دماغی الجھن کا سبب ثابت

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہوئے بلکہ قرآن کو ایک مشتبہ انسانی کاوش کا نتیجہ اور جنگل میں رہنے والے "بدو" کی اصلاح کا ذریعہ بتاتے رہے، خلقِ قرآن کا مسئلہ بھی ایرانیوں کا اٹھایا ہوا تھا، جس کا شکار بڑے بڑے علماء اور فقہاء اور سادہ مزاج دینی اتباع کرنے والے مجاہدین ہوئے، سادہ مزاج عرب جانتے تھے کہ ہماری اصلاح کے لئے ہمارے رب نے ہماری اپنی زبان میں احکام نازل فرمائے ہیں، ایرانیوں نے اس کا جوڑ، مسئلہ توحید سے جوڑا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ جب "لیس کمثله شئی" کی صفت رکھتا ہے تو پھر "ید الله" "وجه الله" "صاحبِ عرش ہونا" جس کو فرشتے اٹھائیں گویا کہ وہ "محمول" ہوا اور فرشتے "حامل" ہوئے اور فرشتے مخلوق ہیں، گویا خالق اپنی مخلوق کا محتاج اور تابع ہوا۔

اسی ضمن میں خلقِ قرآن کا مسئلہ سامنے آیا بلکہ یوں کہئے کہ ایک مصنوعی مسئلہ سامنے لایا گیا کہ صفتِ کلام جزوِ ذات ہے یا خارجِ ذات؟ اگر خارجِ ذات ہے تو قرآن، خدا کا کلام نہیں ہوا اور داخلِ ذات ہے تو بھی اللہ کی صفات میں ایک صفت ہوا اور اس میں نسخ منسوخ کا مسئلہ، شانِ نزول کا مسئلہ اور وہ مسائل جہاں اللہ کے اعضاء، اس کی پسند اور ناپسند، واقفیت اور عدم ناواقفیت کا ذکر ہونا سب لاطائل مسائل ہوئے، مثال کے طور پر شفاعت کا مسئلہ کسی کی سفارش حاکمِ وقت سے یہ کہہ کر کی جاتی ہے کہ یہ بہت محتاج ہے، ضرورت مند ہے، قابلِ رحم ہے، گویا کہ حاکم کو کچھ معلوم نہیں تھا اور اس کی سلطنت جہاں تک ہے اس سے آگے وہ تصرف نہیں رکھتا، لہٰذا اپنے مقابل کے بادشاہ سے سفارش کردے، یہی جاہلی عقیدہ، مشرکینِ مکہ کا بھی تھا اور ایرانیوں کا بھی اسی پر ایمان تھا، قرآن نے ان دونوں کا منہ یہ فرما کر بند کر دیا: "مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَایُحِیْطُوْنَ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرۡسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَلَا یَـُٔوۡدُہٗ حِفۡظُہُمَا "حضرت مولانا فضلِ رحمان گنج مرادآبادی نے "وَسِعَ کُرۡسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ" کا ترجمہ فرمایا ہے اس کی "راج چوکی" ہر جگہ سمائی ہوئی ہے اور اسی آیت میں یہ باور کرادیا گیا کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے قبل اس کے کہ وہ وقوع پذیر ہو، صفاتِ اُلوہیت کے منکر مَلاحِدہ نے لفظِ "کرسی" اور "لَا یَـُٔوۡدُہٗ حِفۡظُہُمَا" یعنی تھکا تا نہیں ہے سے یہ امکان کہ کسی سے تھک بھی جاتا ہے پیدا کیا کہ یہ قرآن سے ثابت ہے۔

ہمارے موضوع سے متعلق قرآنِ کریم کے ساتھ قرآن کے ماننے والوں کا برتاؤ ہے، اس لئے خلق قرآن کا مسئلہ اگرچہ ختم ہو چکا اور لوگوں کی دلچسپی نہ قرآن سے رہی اور نہ قرآن کے مسائل سے، لیکن علمی اور تحقیقی دیانت کا تقاضہ ہے کہ اس مسئلہ پر کسی قدر روشنی ڈالی جائے جس سے پتہ چلے گا کہ مُلحِدوں نے اپنی سی کوشش کی ہے اور مومنوں نے عزیمت کے وہ جوہر دکھائے جو اس روئے زمین پر آسمان نے کبھی نہیں دیکھے ہوں گے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کی تاریخ کبیر وصغیر اور تاریخِ طبری سے نیز "ترجمۃ الامام احمد من تاریخ الاسلام" للحافظ الذہبی سے اخذ کر کے اس لرزہ خیز حادثہ کی تشریح "تاریخِ دعوت وعزیمت" کے پہلے حصہ میں مرتب فرمائی ہے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

فتنۂ خلقِ قرآن

مامون نے خلقِ قرآن کے مسئلہ پر اپنی پوری توجہ مرکوز کردی، ۲۱۸ھ میں

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اس نے والیٔ بغداد، اسحٰق بن ابراہیم کے نام ایک مفصل فرمان بھیجا جس میں عامۃ المسلمین بالخصوص محدثین کی سخت مذمت اور حقارت آمیز تنقید کی، ان کو خلقِ قرآن کے عقیدہ سے اختلاف کرنے کی وجہ سے توحید میں ناقص، مردود الشہادۃ، ساقط الاعتبار اور شرارِ اُمت قرار دیا، اور حاکم کو حکم دیا کہ جو لوگ اس مسئلہ کے قائل نہ ہوں، ان کو ان کے عہدوں سے معزول کر دیا جائے، اور خلیفہ کو اس کی اطلاع کی جائے۔(۱)

یہ فرمان مامون کی وفات سے چار مہینے قبل کا ہے، اس کی نقلیں تمام اسلامی صوبوں کو بھیجی گئیں اور صوبہ داروں (گورنروں) کو ہدایت کی گئی کہ اپنے اپنے صوبوں کے قُضاۃ کا، اس مسئلہ میں امتحان لیں، اور جو اس عقیدہ سے متفق نہ ہوں، اس کو اس کے عہدہ سے ہٹا دیا جائے۔

اس فرمان کے بعد مامون نے حاکم بغداد کو لکھا کہ سات بڑے محدثین کو (جو اس عقیدہ کے مخالفین کے سرغنہ ہیں) اس کے پاس بھیج دیا جائے، وہ سب آئے تو مامون نے ان سے خلقِ قرآن کے متعلق سوال کیا، ان سب نے اس سے اتفاق کیا، اور ان کو بغداد واپس کر دیا گیا، جہاں انہوں نے علماء و محدثین کے ایک مجمع کے سامنے اپنے اس عقیدہ کا اقرار کیا، لیکن شورش ختم نہیں ہوئی، اور عام مسلمان اور تقریباً تمام محدثین اپنے خیال پر قائم رہے۔

انتقال سے پہلے مامون نے اسحٰق بن ابراہیم کو تیسرا فرمان بھیجا، جس میں ذرا تفصیل سے پہلے خط کے مضمون کو بیان کیا تھا، اور امتحان کے دائرہ کو وسیع کر کے اہلکارانِ سلطنت اور اہلِ علم کو بھی اس میں شامل کر لیا تھا، اور سب کے لئے اس عقیدہ کو ضروری قرار دیا تھا، اسحٰق نے فرمانِ شاہی کی تعمیل کی، اور

(۱) اس خط کا مکمل مضمون ''تاریخ طبری'' اور خطیب کی ''تاریخ بغداد'' میں موجود ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مشاہیر علماء کو جمع کر کے ان سے گفتگو کی، اور ان کے جوابات اور مکالمہ کو بادشاہ کے پاس لکھ کر بھیج دیا، مامون اس محضر کو پڑھ کر سخت برافروختہ ہوا، ان علماء میں سے دو (بشر بن الولید اور ابراہیم ابن المہدی) کے قتل کا حکم دیا، اور لکھا کہ بقیہ میں سے جس کو اپنی رائے پر اصرار ہو، اس کو پابجولاں اس کے پاس بھیجدیا جائے چنانچہ بقیہ تیس علماء میں سے (جو پہلے قائل نہیں ہوئے تھے) چار اپنی رائے (عدمِ خلقِ قرآن) پر قائم رہے، یہ چار اشخاص امام احمد ابن حنبل، سجادہ، قواریری، اور محمد بن نوح تھے، دوسرے دن سجادہ اور تیسرے دن قواریری نے بھی اپنی رائے سے رجوع کیا، اور صرف امام احمد اور محمد بن نوح باقی رہے جن کو مامون کے پاس ''طَرطوس'' ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں روانہ کر دیا گیا، ان کے ہمراہ اُنیس دوسرے مقامات کے علماء تھے، جو خلق قرآن کے منکر اور اس کے غیر مخلوق ہونے کے قائل تھے، ابھی یہ لوگ رقّہ ہی پہنچے تھے کہ مامون کے انتقال کی خبر ملی، اور ان کو حاکم بغداد کے واپس بغداد واپس کر دیا گیا، راستہ میں محمد بن نوح کا انتقال ہو گیا، اور امام احمد اور ان کے رفقاء بغداد پہنچے۔

مامون نے اپنے جانشین معتصم بن الرشید کو وصیت کی تھی کہ وہ قرآن کے بارے میں اس کے مسلک اور عقیدہ پر قائم رہے، اور اسی کی پالیسی پر عمل کرے (وخذ بسيرة اخيك فى القرآن) اور قاضی ابن ابی دواد کو بدستور اپنا مشیر اور وزیر بنائے رہے، چنانچہ معتصم نے ان دونوں وصیتوں پر پورا پورا عمل کیا۔

امام احمد، ابتلاء وامتحان میں

اب مسئلۂ خلقِ قرآن کی مخالفت اور عقیدۂ صحیح کی حمایت، اور حکومت

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وقت کے مقاملہ کی ذمہ داری تنہا امام احمد بن حنبل کے اوپر تھی، جوگروہِ محدثین کے امام اور سنت وشریعت کے اس وقت امین تھے۔

امام احمد کورقہّ سے بغداد لایا گیا چار چار بیڑیاں ان کے پاؤں میں پڑی تھیں، تین دن تک ان سے اس مسئلہ پر مناظرہ کیا گیا، لیکن وہ اپنے اس عقیدہ سے نہیں ہٹے، چوتھے دن والیٔ بغداد کے پاس ان کو لایا گیا، اس نے کہا کہ احمد! تم کو اپنی زندگی ایسی دوبھر ہے، خلیفہ تم کو اپنی تلوار سے قتل نہیں کرے گا، لیکن اس نے قسم کھائی ہے کہ اگر تم نے اس کی بات قبول نہ کی تو مار پر مار پڑے گی، اور تم کو ایسی جگہ ڈال دیا جائے گا، جہاں کبھی سورج نہیں آئے گا، اس کے بعد امام کو معتصم کے سامنے پیش کیا گا، اور ان کو اس انکار واصرار پر ۲۸ کوڑے لگائے گئے، ایک تازہ جلاد صرف دو کوڑے لگاتا تھا، پھر دوسرا جلاد بلایا جاتا تھا، امام احمد ہر کوڑے پر فرماتے تھے:

اعطونی شیئا من کتاب الله اوسنة رسوله حتی اقول به	میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اس کے رسول کی سنت سے کچھ پیش کرو تو میں اسکو مان لوں۔

واقعہ کی تفصیلات امامِ احمد کی زبان سے

امام احمد نے اس واقعہ کو خود تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''میں جب اس مقام پر پہنچا، جس کا نام باب البستان ہے تو میرے لئے سواری لائی گئی، اور مجھ کو سوار ہونے کا حکم دیا گیا، مجھے اس وقت کوئی سہارا دینے والا نہیں تھا، اور میرے پاؤں میں بوجھل بیڑیاں تھیں، سوار ہونے کی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کوشش میں کئی مرتبہ اپنے منہ کے بل گرتے گرتے بچا، آخر کسی نہ کسی طرح سوار ہوا اور معتصم کے محل میں پہنچا، مجھے ایک کوٹھری میں داخل کر دیا گیا، اور دروازہ بند کر دیا گیا، آدھی رات کا وقت تھا، اور وہاں کوئی چراغ نہیں تھا، میں نے نماز کے لئے تیمّم کرنا چاہا، اور ہاتھ بڑھایا تو پانی کا ایک پیالہ اور طشت رکھا ہوا ملا، میں نے وضو کیا، اور نماز پڑھی، اگلے دن معتصم کا قاصد آیا اور مجھے خلیفہ کے دربار میں لے گیا، معتصم بیٹھا ہوا تھا، قاضی القضاۃ ابن ابی دواد بھی موجود تھا، اور ان کے ہم خیالوں کی ایک بڑی جمعیت تھی، ابوعبدالرحمٰن الشافعی بھی موجود تھے، اسی وقت دو آدمیوں کی گردنیں بھی اڑائی جاچکی تھیں، میں نے ابوعبدالرحمٰن الشافعی سے کہا کہ تم کو امام شافعی سے مسح کے بارے میں کچھ یاد ہے؟ ابن ابی دُواد نے کہا کہ اس شخص کو دیکھو کہ اس کی گردن اڑائی جانے والی ہے، اور یہ فقہ کی تحقیق کر رہا ہے، معتصم نے کہا کہ ان کو میرے پاس لاؤ، وہ برابر مجھے پاس بلاتا رہا، یہاں تک کہ میں اس سے بہت قریب ہوگیا، اس نے کہا بیٹھ جاؤ، میں بیڑیوں سے تھک گیا تھا، اور بوجھل ہو رہا تھا، تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا کہ مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے، خلیفہ نے کہا کہو! میں نے کہا کہ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اللہ کے رسول نے کس چیز کی طرف دعوت دی ہے؟ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا کہ "لا اله الا الله" کی شہادت کی طرف، میں نے کہا تو میں اس کی شہادت دیتا ہوں، پھر میں نے کہا کہ آپ کے جد امجد ابنِ عباسؓ کی روایت ہے کہ جب قبیلۂ عبدالقیس کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے ایمان کے بارے میں آپ سے سوال کیا، فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ ایمان کیا ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ معلوم ہے، فرمایا اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی، اور مالِ غنیمت میں سے پانچویں حصہ کا نکالنا، اس پر معتصم نے کہا کہ اگر تم میرے پیش رَو کے ہاتھ میں پہلے نہ آگئے ہوتے تو میں تم سے تعرض نہ کرتا، پھر عبد الرحمٰن بن اسحٰق کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے تم کو حکم نہیں دیا تھا کہ اس آزمائش کو ختم کرو، امام احمد کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ اکبر اس میں تو مسلمانوں کے لئے کشایش ہے، خلیفہ نے علماء حاضرین سے کہا کہ ان سے مناظرہ کرو اور گفتگو کرو، پھر عبد الرحمٰن سے کہا کہ ان سے گفتگو کرو (یہاں امام احمد اس مناظرہ کی تفصیل بیان کرتے ہیں):

ایک آدمی بات کرتا، اور میں اس کا جواب دیتا، دوسرا بات کرتا، اور میں اس کا جواب دیتا، معتصم کہتا، احمد! تم پر خدا رحم کرے، تم کیا کہتے ہو، میں کہتا امیر المومنین! مجھے کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ ﷺ میں سے کچھ دکھایئے تو میں اس کا قائل ہو جاؤں، معتصم کہتا کہ اگر یہ میری بات قبول کر لیں تو میں اپنے ہاتھ سے ان کو آزاد کر دوں، اور اپنے فوج و لشکر کے ساتھ ان کے پاس جاؤں اور ان کے آستانہ پر حاضر ہوں، پھر کہتا احمد! میں تم پر بہت شفیق ہوں اور مجھے تمہارا ایسا ہی خیال ہے، جیسے اپنے بیٹے ہارون کا، تم کیا کہتے ہو، میں وہی جواب دیتا کہ مجھے کتاب اللہ یا سنتِ رسول ﷺ میں سے کچھ دکھاؤ تو میں قائل ہوں، جب بہت دیر ہو گئی تو وہ اُکتا گیا اور کہا جاؤ، اور مجھے قید کر دیا اور میں اپنی پہلی جگہ پر واپس کر دیا گیا، اگلے دن پھر مجھے طلب کیا گیا، اور مناظرہ ہوتا رہا اور میں سب کا جواب دیتا رہا، یہاں تک کہ زوال کا وقت ہو گیا، جب اُکتا گیا تو کہا کہ ان کو لے جاؤ، تیسری رات کو میں سمجھا کہ کل کچھ ہو کر رہے گا، میں نے ڈوری منگوائی اور اس سے اپنی بیڑیوں کو گس لیا، اور جس اِزار بند سے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

میں نے بیڑیاں باندھ رکھی تھیں، اس کو اپنے پائجامہ میں پھر ڈال لیا کہ کہیں کوئی سخت وقت آئے اور میں برہنہ ہو جاؤں، تیسرے روز مجھے پھر طلب کیا گیا، دیکھا دربار بھرا ہوا ہے، میں مختلف ڈیوڑھیاں اور مقامات طے کرتا ہوا آگے بڑھا، کچھ لوگ تلواریں لئے کھڑے تھے، کچھ لوگ کوڑے لئے، اگلے دونوں دن کے بہت سے لوگ آج نہیں تھے، جب میں معتصم کے پاس پہنچا تو کہا بیٹھ جاؤ، پھر کہا ان سے مناظرہ کرو اور گفتگو کرو، لوگ مناظرہ کرنے لگے، میں ایک کا جواب دیتا، پھر دوسرے کا جواب دیتا، میری آواز سب پر غالب تھی، جب دیر ہوگئی تو مجھے الگ کر دیا اور ان کے ساتھ تخلیہ میں کچھ بات کہی، پھر ان کو ہٹا دیا، اور مجھے بُلا لیا، پھر کہا احمد تم پر خدا رحم کرے، میری بات مان لو، میں تم کو اپنے ہاتھ سے رہا کروں گا۔(۱)

میں نے پہلا سا جواب دیا، اس پر اس نے برہم ہو کر کہا کہ ان کو پکڑو اور کھینچو، اور ان کے ہاتھ اکھیڑ دو، معتصم کرسی پر بیٹھ گیا، اور جلاّدوں اور تازیانہ لگانے والوں کو بلایا، جلاّدوں سے کہا آگے بڑھو، ایک آدمی آگے بڑھتا اور مجھے دو کوڑے لگاتا، معتصم کہتا زور سے کوڑے لگاؤ، پھر وہ ہٹ جاتا، اور دوسرا آتا اور دو کوڑے لگاتا، اُنیس کوڑوں کے بعد پھر معتصم میرے پاس آیا، اور کہا کیوں احمد اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو، بخدا مجھے تمہارا بہت خیال ہے، ایک شخص عجیف مجھے اپنی تلوار کے دستے سے چھیڑتا، اور کہتا کہ تم ان سب پر غالب آنا چاہتے ہو، دوسرا کہتا کہ اللہ کے بندے! خلیفہ تمہارے سر پر کھڑا ہوا ہے، کوئی کہتا کہ امیر المومنین! آپ روزے سے ہیں، اور آپ دھوپ میں کھڑے ہوئے ہیں، معتصم پھر مجھ

(۱) معتصم امام احمد کے معاملہ میں نرم پڑ گیا تھا، مگر احمد بن دؤاد برابر اس کو گرم کرتا رہا، اور غیرت دلاتا رہا کہ لوگ کہیں گے کہ معتصم اپنے بھائی مامون کے مسلک سے ہٹ گیا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سے بات کرتا، اور میں اس کو وہی جواب دیتا، وہ پھر جلاّد کو حکم دیتا کہ پوری قوت سے کوڑے لگاؤ، امام کہتے ہیں کہ پھر اس اثناء میں میرے حواس جاتے رہے، جب میں ہوش میں آیا تو دیکھا کہ بیڑیاں کھول دی گئی ہیں، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم نے تم کو اوندھے منہ گرادیا، تم کو روندا، احمد کہتے ہیں کہ مجھ کو کچھ احساس نہیں ہوا۔" (۱)

بے نظیر عزیمت واستقامت

اس کے بعد احمد بن حنبل کو گھر پہنچا دیا گیا، جب سے وہ گرفتار کئے گئے، رہائی کے وقت تک اٹھائیس مہینے ان کو حبس میں گذرے، ان کو ۳۳، ۳۴ کوڑے لگائے گئے، ابراہیم بن مصعب جو سپاہیوں میں سے تھے، کہتے ہیں کہ میں نے احمد سے زیادہ جری اور دلیر نہیں دیکھا، ان کی نگاہ میں ہم لوگوں کی حقیقت بالکل مکھی کی سی تھی ـــــ محمد بن اسمٰعیل کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ احمد کو ایسے کوڑے لگائے گئے کہ اگر ایک کوڑا ہاتھی پر پڑتا تو چیخ مار کر بھاگتا، ایک صاحب جو واقعہ کے وقت موجود تھے، بیان کرتے ہیں، کہ امام روزے سے تھے، میں نے کہا بھی کہ آپ روزے سے ہیں، اور آپ کو اپنی جان بچانے کے لئے اس عقیدہ کا اقرار کر لینے کی گنجائش ہے، لیکن انہوں نے اس کی طرف التفات نہیں کیا، ایک مرتبہ پیاس کی بہت شدت ہوئی تو پانی طلب کیا آپ کے سامنے برف کے پانی کا پیالہ پیش کیا گیا، آپ نے اس کو ہاتھ میں لیا، اور کچھ دیر اس کو دیکھا، پھر بغیر پئے واپس کر دیا۔ (۲)

---

(۱) تاریخ الاسلام للذہبی، ترجمة الامام احمد صفحہ ۴۱، ۴۲ باختصار و تلخیص۔

(۲) تاریخ الاسلام للذہبی، ترجمة الامام احمد صفحہ ۴۹، ۵۰ باختصار و تلخیص

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

صاحبزادہ کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت میرے والد کے جسم پر ضرب کے نشان تھے، ابوالعباس الرقی کہتے ہیں کہ احمد جب رقہ میں محبوس تھے، تو لوگوں نے ان کو سمجھانا چاہا، اور اپنے بچاؤ کرنے کی حدیثیں سنائیں، انہوں نے فرمایا کہ خبّاب کی حدیث کا کیا جواب ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ پہلے بعض لوگ ایسے تھے، جن کے سر پر آرا رکھ کر چلا دیا جاتا تھا، پھر بھی وہ اپنے دین سے ہٹتے نہیں تھے۔

یہ سن کر لوگ ناامید ہو گئے اور سمجھ گئے کہ وہ اپنے مسلک سے نہیں ہٹیں گے اور سب کچھ برداشت کریں گے۔

امام احمد کا کارنامہ اور اس کا صلہ

امام احمدؒ کی بے نظیر ثابت قدمی اور استقامت سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا، اور مسلمان ایک بڑے دینی خطرہ سے محفوظ ہو گئے، جن لوگوں نے اس دینی ابتلاء میں حکومتِ وقت کا ساتھ دیا تھا، اور موقع پرستی اور مصلحت شناسی سے کام لیا تھا، وہ لوگوں کی نگاہوں سے گر گئے، اور ان کا دینی و علمی اعتبار جاتا رہا، اس کے بالمقابل امام احمد کی شان دو بالا ہو گئی، ان کی محبت، اہلِ سنّت اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کا شعار اور علامت بن گئی، ان کے ایک معاصر قتیبہ کا مقولہ ہے کہ:

اذا رأيت الرجل يحب احمد بن حنبل فاعلم انه صاحب سنة ـ(۱)	جب تم کسی کو دیکھو کہ اس کو احمد بن حنبل سے محبت ہے تو سمجھ لو کہ وہ سنت کا متبع ہے۔

ایک دوسرے عالم احمد بن ابراہیم الدورقی کا قول ہے:

(۱) تاریخ الاسلام للذہبی، ترجمۃ الامام احمد صفحہ:۱۶

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

من سمعتموه يذكر احمد بن حنبل بسوء فاتهموه على الاسلام (١)	جس کو تم احمدؒ بن حنبل کا ذکر برائی سے کرتے سنو اس کے اسلام کو مشکوک نظر سے دیکھو۔

امام احمدؒ، حدیث میں امامِ وقت تھے، مسند کی ترتیب و تالیف ان کا بہت بڑا علمی کارنامہ ہے وہ مجتہد فی المذہب اور امامِ مستقل ہیں، وہ بڑے زاہد و عابد تھے، یہ سب فضیلتیں اپنی جگہ پر مسلم ہیں، لیکن ان کی عالمگیر مقبولیت و محبوبیت اور عظمت و امامت کا اصل راز ان کی عزیمت اور استقامت، اس فتنۂ عالم آشوب میں دین کی حفاظت اور اپنے وقت کی سب سے بڑی بادشاہی کا تنہا مقابلہ تھا، یہی ان کے قبولِ عام اور بقائے دوام کا اصل سبب ہے۔

آوازۂ خلیل زتعمیرِ کعبہ نیست مشہور شد ازاں کہ در آتش نکونشت

ان کے معاصرین نے جنہوں نے اس فتنہ کی عالم آشوبی دیکھی تھی، ان کے اس کارنامہ کی عظمت کا بڑی فراخ دِلی سے اعتراف کیا ہے، اور اس کو دین کی بروقت حفاظت اور مقامِ صدّیقیت سے تعبیر کیا ہے، ان کے ہمعصر اور ہم استاد مشہور محدثِ وقت علیؒ بن المدینی (جو امام بخاری کے مایہ ناز استاد ہیں) کا ارشاد ہے:

ان الله اعز هذا الدين برجلين ليس لهما ثالث، ابو بكر ن الصديق يوم الردة واحمد بن حنبل يوم المحنة (٢)	اللہ تعالیٰ نے اس دین کا غلبہ وحفاظت کا کام دو شخصوں سے لیا ہے جن کا کوئی تیسرا ہمعصر نظر نہیں آتا، ارتداد کے موقع پر ابو بکر صدیقؓ اور فتنۂ خلق قرآن کے سلسلہ میں احمد بن جنبل۔

(۱) تاریخ بغداد للخطیب جلد ۴، صفحہ: ۴۲۱ (۲) تاریخ بغداد للخطیب جلد ۴، صفحہ ۴۱۸

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اسی عظمت و مقبولیت کا نتیجہ یہ تھا کہ ۲۴۱ھ میں جب اس امامِ سنت نے انتقال کیا تو سارا شہر امنڈ آیا، کسی کے جنازہ پر خلقت کا ایسا ہجوم اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا تھا، نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کا اندازہ یہ ہے کہ آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں تھیں۔(۱)

اس طویل اقتباس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ غیرتِ قرآنی نے ہمارے ائمہ سے کتنی قربانیاں لیں وہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآنِ کریم کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ — ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ (اور نگہبان) ہیں

(الحجر : ۹)

اللہ کے بندوں نے جان، مال، راحت و آرام سب کو اس کی حرمت پر قربان کیا جس کی تفصیل ابھی آپ نے پڑھی، اس کے بعد ''صرفہ'' کا فتنہ پیدا ہوا، جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے، ان فتنوں کے علاوہ عربی زبان کی اہمیت کو کم کرنے کی سازش ہمیشہ کسی نہ کسی پیرایہ میں باقی رہی اور اب تک ان یہودیوں اور نصاریٰ کے ذریعہ باقی ہے، جو عربی زبان اور اسلام سے بغض رکھتے ہیں، مگر عربی زبان کا دم بھرتے ہیں، مگر وہ عربی جو قرآن کے لہجے سے دور کر دے اور قرآن کو الگ الگ صنف بنا کر پیش کرے، جیسے قدیم زبان کی پہیلیاں، منتر اور کاہنوں کی پیشین گوئیاں ہوا کرتی تھیں، قرآن کو بھی اسی طرح کی ایک صنف بتانا چاہتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو یورپ و امریکہ میں جا کر بس گئے اور وہاں سے عربی زبان کو نئی شکل میں پیش کرنے کی مہم شروع کی اور زبان،

---

(۱) ترجمة الامام احمد للذهبی، تاریخ ابن خلکان

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عربی لیکن فکر ملحدانہ، جاہلانہ اور اسلام کی دشمنی اس کی بنیاد ہے، میرا اشارہ، ''ادب المھجر'' کی طرف ہے، جس پر میں نے علاحدہ ایک محاضرہ کی شکل میں مواد جمع کیا ہے، لیکن قرآن کی وہ زبان جو آج بھی تازہ اور زندہ ہے اس کی خدمت کرنے والے اسی زمانے میں ظاہر ہوئے جب کہ ملحدوں نے قرآن کی نحو اور عربی زبان کی نااہلی ثابت کرنے کے لئے کوشاں تھے، اس معرکہ میں قرآن کی عظمت پر ایمان رکھنے والے ابن المعتز، جاحظ اور عسکری وغیرہ ہیں جن کے فکری اجتہادات یا ادبی یافت کو ہم مختصراً بیان کرتے ہیں۔

ابن المعتز کی کتاب ''البدیع'' کو اسی ضمن میں ہم زیرِ بحث لائیں گے، سرِ دست جاحظ، ابن قتیبہ اور ابن المعتز کی آراء کو سلسلہ وار اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جاحظ

۱۶۳ھ-۲۵۵ھ

جاحظ کا پورا نام ابو عثمان بن بحر بن محبوب ہے، یہ بصرہ کے رہنے والے خاندان کے لحاظ سے لیثی اور قبیلہ کے لحاظ سے ''کنعانی'' تھے، ہر فن میں ان کی تصنیفات موجود ہیں، شروع میں یہ نظّام کے شاگردوں میں شمار کیے جاتے تھے۔(۱) معتزلہ کے فضلاء میں ان کا بلند مقام تھا، فلسفہ کی بہت سی کتابیں مطالعہ کی تھیں اور اپنی بلیغ عبارت اور شاہانہ اسلوب میں لکھا کرتے تھے، انہوں نے اپنے علم وفن، فلسفہ دانی اور علوم وفنون کے گنجینہ کے دماغ کی ساری قوتیں قرآن کی دفاع میں اور عربی زبان کے محاسن کو اُجاگر کرنے میں صرف کر دیں،(۲)

ایک زمانہ میں کچھ لوگوں نے یہ افواہ پھیلا دی تھی کہ جاحظ نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ قرآن کا ''معارضة'' کر سکتے ہیں، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ افواہ تھی۔(۳)

اعجازِ قرآنی سے متعلق جاحظ کا نظریہ:

جاحظ، اُن صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے بہت احسان مند اور شکر گذار تھے جنہوں نے قرآنِ کریم کو اس طرح ترتیب دیا کہ کسی لفظ کو آگے پیچھے

---

(۱) وفیات الاعیان لابن خلکان جلد۱ صفحہ۱۴۰، ت محی الدین ۱۹۴۸م مکتبة النهضة۔

(۲) الملل وانحل للشهر ستانی

(۳) مقدمه الاستاذ عبد السلام هارون علی کتاب "الحیوان" جلد۱ صفحہ۳۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کرنے کی گنجائش نہیں رہی اور کسی قسم کی تبدیلی وتحریف کا امکان نہیں رہا، جاحظ کا یہ قول مشہور ہے کہ عربی زبان وادب میں ایک دو حروف یا الفاظ کا آگے پیچھے ہو جانا ممکنات میں سے ہے، لیکن قرآن کے سلسلے میں یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہ ادب کی تمام اقسام وانواع میں فوقیت رکھتا ہے، جاحظ کا عقیدہ تھا کہ عربی زبان کی حلاوت اور اس کا حسین بیان اور ادبی جاذبیت رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہر ایک کے لئے قابلِ تسلیم تھی اس وقت کے خطباء وشعراء جو زبان بولتے اور لکھتے تھے وہ سب قبیلہ مضر کو افصح الطبقات مانتے تھے، جب قرآن نازل ہوا تو زبان وادب کے شناسا اہل دانش واہلِ بیان اس لئے ایمان لے آئے کہ انہوں نے اپنے وقت کے شعراء، خطباء، بلغاء سیاسی اور حکیمانہ رائے رکھنے والے، جنگی کرتبوں سے آگاہ سب ایمان لائے اور اس وقت ایمان لائے جب یہ کہا گیا کہ اگر وہ اس کی مثال پیش کرسکیں تو اعلانِ نبوت کو باطل قرار دیا جائے گا۔ لیکن کوئی بھی اس کے مقابل کلام بنانے کے لئے تیار نہیں ہوا، حالانکہ ذکر وبیان پر قدرت رکھنے میں تمام اقوامِ عالم پر تفوّق کا ان کو دعویٰ تھا اور وہ بات جو زبان سے نکلتی معلوم ہوتا تھا ان کے سینے سے ابل رہی ہے لیکن قرآن کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کی زبان گم ہو جایا کرتی تھی، جاحِظ نے اپنی طبّاعی اور صحیح علمی جائزہ کے مطابق محسوس کرلیا کہ وہ لوگ جو قرآن کا معارضہ کرنے میں آگے نہ بڑھ سکے اور خاموشی کو ترجیح دی یہی بات ان کے بس میں تھی، قرآن کریم کی آیت

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ آیَاتُنَا	اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں
قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ	پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں ہم

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا (الانفال : ۳۱) نے سن لیا اور اگر ہم ارادہ کریں تو اس کی برابر ہم بھی کہہ لا دیں۔

میں ''لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا''یعنی اگر ہم چاہتے تو ہم بھی ایسا کہہ سکتے تھے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے ایسا نہیں چاہا، معاندین سے کوئی پوچھے کہ پھر کون سا وقت ان کے لئے آ سکتا تھا کہ ایسا یا اس کے مثل کلام وہ دکھا سکتے، جب کہ قرآن کی طرف سے چیلنج بھی تھا اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کو باطل کرنے کا بہترین ذریعہ تھا کہ دو چار سطریں اس طرح کی وہ ڈھال لیتے اور ان کی خواتین، بیوگی سے اور فرزند، یتیمی سے بچ جاتے، جاحظ نے ''البیان و التبیین'' کے مقدمہ میں دو جگہ یہ بات لکھی، کتاب الحیوان میں اس کے دلائل صرف ادبی نہیں ہیں بلکہ ایسا جوش وخروش ہے جو اپنی غیرت کا عنوان ہے، جاحظ کی شہرت ایک صاحبِ قلم اور صاحبِ اسلوب کی حیثیت سے ہے لیکن قرآن کریم سے اس کی قلبی و ذہنی وابستگی اور مدافعت کا جذبہ نا قابلِ انکار ہے، خاص طور پر معتزلہ کے مقابلے میں ان کے نظریہ ''صرفہ'' کا رد وانکار اور قرآنِ کریم کی معجز بیانی کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ اس کے لفظ و نظم، فصل و وصل اور اللہ کی بخشیدہ تاثیر کا نتیجہ ہے۔

جاحظ نے اپنے پیش رو اور معاصرین کے کلام اور محاسنِ ادبیہ کو جانچنے کے بعد یہ بات کہی، خود جاحِظ کہیں ''صرفہ'' کے پھیر میں نہیں پڑے اور اس بات کا یقین رکھتے رہے کہ قرآن کی جاذبیت اور معجزہ صفت ہونا اس کا اصلی جوہر ہے نہ کہ معاندین کی زبان بندی کا نتیجہ ــــــ مگر یہ سوال اپنی جگہ پر رہا کہ جب لفظ وہی ہے جو عرب بولا کرتے تھے، محاورے وہی ہیں جو عرب اپنی گفتگو میں استعمال کیا کرتے تھے، قسم، ضرب المثل سب کا انداز ورخ وہی ہے جو

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عربوں میں پہلے رائج تھا، اور معتزلہ کا ایجاد کردہ ''صرفہ'' بھی نہیں تھا تو پھر کلام میں یہ جوش وخروش کہاں سے آیا، گفتگو میں نکھار کہاں سے آیا، دل ودماغ، وجدان واحساس پر قبضہ کرنے کی قوت کہاں سے آئی، وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہونہ ہو یہ کلام کی سجاوٹ، جملوں کا ربط، وصل وفصل کی رعایت، فاصلہ وقافیہ کی دل آویزی اس کا سبب ہے جس کے مجموعہ کو ''نظم'' کہتے ہیں، لہٰذا نظمِ قرآن پر اس لئے ایک طویل بحث لکھی اور کلام کی دل آویزی کو ادبِ عالیہ کی جان سمجھا (۱)

اور جہاں ضرورت پڑی اسکا اعتراف کرتے رہے، مثلاً اپنی کتاب ''الحیوان'' کی ابتدا ہی میں لکھا:

" فی الاحتجاج لنظم القرآن و غریب تألیفه و بدیع ترکیبه "

اس طرح کے اعتراضات سے علمائے اسلام کو سابقہ پڑتا رہا اور قرآن کا یہ معجزہ ہی ہے کہ عناد وجہل کے اس گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اس کی عطا کردہ روشنی باقی رہی اور اعتراض ودشنام کی آندھیوں میں ''اِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ'' (ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) کہنے والے نے قرآن کی لو مدھم ہونے نہیں دی، حضرت حسن بصری نے منطقی موشگافیوں کو چھوڑ کر اس طرح کے مسائل کو سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے، دوسروں کی محتاجی دور کرنے والا ''وَهّاب'' ، بہت بخشنے والا، جواد، کریم ہے، اپنے بندوں کے اندر سے مال کی محبت نکال کر خرچ کرنے کی عادت ڈالتا ہے اور اس کے لئے طرح طرح سے ان کو ترغیب دیتا ہے، بیشک کائنات میں جو کچھ تھا اور جو کچھ ہے اور جو کچھ ہوگا سب اس کی

---

(۱) اگر چه بعد میں آنے والے مصنف نے مفرد لفظ کو اور جمله میں استعمال کو بھی معجزه ثابت کیا ھے ، جن میں مصطفی صادق الرافعی، محمد بن المبارك اور سید قطب شهید نمایاں ھیں -

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عطاو بخشش کے سامنے ایک تنکا یا سمندر کا ایک قطرہ اور پہاڑوں کے دامن میں ایک حقیر سے کنکر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

لَهُ مَافِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ
(النساء: ۱۷۱)

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجودات ہیں سب اس کی ملک ہیں۔

اور

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَئٍ قَدِيْرٌ، تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ
(آل عمران: ۲۶،۲۷)

(اے محمد) آپ (اللہ تعالیٰ سے) یوں کہیے کہ اے اللہ مالک تمام ملک، آپ ملک جس کو چاہیں دے دیتے ہیں، اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں، اور جس کو آپ چاہیں غالب کر دیتے ہیں، اور جس کو آپ چاہیں پست کر دیتے ہیں، آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی، بلا شبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں، آپ رات (کے اجزاء) کو دن میں داخل کر دیتے ہیں اور (بعض فصلوں میں) دن (کے اجزاء) کو رات میں داخل کر دیتے ہیں، اور

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

آپ جاندار چیز کو بے جان سے
نکال لیتے ہیں (جیسے بیضہ سے
بچہ) اور بے جان چیز کو جان دار
سے نکال لیتے ہیں (جیسے پرند سے
بیضہ) اور آپ جس کو چاہتے ہیں
بے شمار رزق عطا فرماتے ہیں۔

اس قدرتِ کاملہ پر بعض معاندین کا یہ اعتراض رہا ہے کہ جب اللہ اس درجہ غنی ہے تو اپنے بندوں سے قرض کیوں مانگتا ہے۔

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضاً حَسَنًا
(المزمل: ۲۰)

اور اللہ کو اچھی طرح (اخلاص کے ساتھ) قرض دو۔

اس سے تو معلوم ہوا کہ وہ خاکم بدہن ضرورت مند ہے، حقیقت یہ ہے کہ لفظ دَین یا قرض سے انسانوں کی عقلیت کو مطمئن کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے صدقات کو عبادات کا درجہ دیا ہے بلکہ اس کا جزء بنا دیا ہے، نماز کے بعد زکاۃ کو فریضہ بنا دیا، عید کی مسرّت بھی اس وقت مکمل ہوگی جب دوسرے بندوں کو رزق پہنچانے کا ذریعہ بنے، حج کی قربانی میں بھی ان کا حصہ رکھا گیا اور سب کا حاصل اور نچوڑ یہ ہے کہ دوسرے انسانوں کو فائدہ پہنچایا جائے اور یہی عبادت ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا گوشت یا چمڑا نہیں پہنچتا بلکہ ان کے قلوب کا گداز، عبادت کا جذبہ اور احکامِ الٰہی کی تعمیل اور فرمانبرداری کی خو پہنچتی ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَادِمَآءُهَا
وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ
(الحج: ۳۷)

اللہ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تمام انبیائے کرام کی دعوت کا حاصل یہ تھا کہ قلبِ انسان میں نرمی اور گداز پیدا ہو، عبدیت، مزاج بن جائے، طاعت، شعار بن جائے۔

اور یہ کہنا کہ ''اللہ کو قرض دو'' یہ قرض، محتاجی کی بناء پر نہیں طلب کیا گیا بلکہ شفقت وکرم کا انداز ہے، اللہ تعالیٰ اپنی بخشی ہوئی دولت میں سے کچھ حصہ اپنے ایک بندے کو دوسرے بندے سے دلا رہا ہے، جیسے ایک معصوم بچہ سے آپ ایک ٹافی یا کھلونا مانگیں کہ ہمیں دے دو، قرض دے دو، مقصد صرف اس کی دلجوئی ہے، اور دنیا جو دار العمل ہے یہاں بندے کے مزاج میں دولت کی پسند ہے، اس پسند کو نکالنا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اور طلب!؟ وہ ذات کہ:

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّىْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا

(الکہف: ۱۰۹)

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر (کا پانی) روشنائی (کی جگہ) ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جاوے اور باتیں احاطہ میں نہ آویں اگر چہ اس سمندر کی مثل دوسرا سمندر (اس کی) مدد کے لئے ہم لے آویں۔

اس آیتِ کریمہ: '' وَاَقرِضُوا اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً '' اور اسی طرح ایک دوسری آیت: '' وَ مَنْ يُّقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً '' میں مفعول مطلق نفسِ فعل سے نہیں بلکہ فعل باب افعال سے ہے اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ ''قرض'' اسم بھی اور مصدر بھی اور جب مفعول مطلق مصدر ہو تو اس پابندی کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ابن قتیبہ (م: ۲۷۶ھ)

ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری (یا المروزی) نحو ولغت کے بڑے عالم اور وسیع النظر فاضل تھے۔ تیسری صدی ہجری کے نصف آخر میں ان کی تصانیف سامنے آئیں، یہ زمانہ اگرچہ معتزلہ کے عروج کا تھا، کسی عالمِ دین کا اس دور میں معتزلی ہونا عیب کی بات نہیں بلکہ ایک طرح کا علمی فیشن تھا، لیکن علامہ ابن قتیبہ ایک صاحبِ علم وفہم، صاحبِ ذوق، سنّی تھے، انہوں نے قرآن کریم کی ایک دفاعی خدمت کی، جس کا نام ''تأویل مشکل القرآن'' ہے(۱)

قرآن کریم کی دفاعی خدمت جن علماء نے انجام دی انہوں نے اپنی نگارشات ومؤلفات کو یہ رخ دیا کہ قرآن کریم کے وہ مقامات جو فہم انسانی کے لئے دشوار ہیں اور ان کے حل کرنے میں خاص علمی ذوق اور مخصوص صلاحیت کی ضرورت ہے ان کا حل پیش کیا جائے اور اس فن کا نام ''مشکل القرآن'' پڑ گیا، بعض مؤلفین نے اپنی کتابوں کا نام مشکلات القرآن رکھا اور کسی نے ''مشاکل القرآن کا عنوان پسند کیا، گذشتہ صفحات میں ابو عبیدہ کا نام آیا ہے انہوں نے ایسے مقامات کو ''مجازات القرآن'' کا نام دیا۔ راقم کے مطالعہ کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی اعجازِ بیانی پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں ایک سلسلہ ان کتابوں کا ہے جو یہود ونصاریٰ کے اعتراضات اور ان کی نحوی موشگافیوں کے صحیح حل اور مناسب جواب پر مشتمل ہے یہ گویا قرآن کی دفاعی خدمت تھی۔ دوسرا گروہ

(۱) استاذ احمد صقر نے اس پر تحقیق کا کام کیا ہے اور مطبع حلبی نے شائع کیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وہ ہے جس نے ایجابی طور پر قرآن کے معجزہ ہونے کو ثابت کیا ہے، ان کی کتابوں کے نام الاعجاز البیانی، معجزۃ القرآن ، معجزۃ الاسلام کے طرز پر ہیں، جیسے علامہ ابوسلمان بن ابراہیم الخطابی کی ''بیان اعجاز القرآن '' قاضی ابوطیب الباقلانی کی ''اعجاز القرآن ''ایوب عیسیٰ الرمانی کی ''کتاب النکت فی اعجاز القرآن ''اور علامہ عبدالقاہر الجرجانی کی ''الشافعیة''، ''دلائل الاعجاز ''اور ''اسرار البلاغة''

ابن قتیبہ کی کتاب پہلے گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن اس دفاع میں بہت سی کارآمد باتیں ادبی ذوق رکھنے والوں کیلئے جاذبِ نظر ہیں اسی لئے ان کا نام اس صف میں شمار ہوتا ہے، ابن قتیبہ کی سن وفات ۲۷۶ھ ہے (۱)

پیدائش کی جگہ اور تاریخ مذکور نہیں ہے قیاس یہی ہے کہ وہ بصرہ اور بغداد میں حصول تعلیم کے لئے آئے اور علم نحو میں مہارت تامہ رکھنے کی وجہ سے ان کو عزت وشہرت حاصل ہوئی، ابن قتیبہؒ کی تصنیف کا مقصد قرآن کریم کا دفاع ہے اور ان شبہات کا جواب دینا ہے جو منکرین قرآن نے اعتراضات کی شکل میں پیش کیا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ بدائع کی متعدد اصطلاحات انہوں نے اسی مقصد کے لئے وضع کی ہیں اور قدیم اصطلاحات کو نئی مثالوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ گذشتہ صفحات میں آپ نے دیکھا ہوگا قدیم اصطلاح ''ایجاز'' ''اطناب'' ''تقدیم'' وغیرہ کو ابوعبیدہ، الفرا اور جاحظ ہر ایک نے اعجاز قرآنی کا اہم عنصر قرار دیا ہے اور جن آیات سے ایک نے شہادت پیش کی ہے دوسرے نے دوسری آیت سے اس کا ثبوت فراہم کیا ہے،

ابن قُتَیبہ رحمۃ اللہ جو ایک سنی صوفی قرآن وحدیث سے شغف رکھنے

(۱) ۲۷۶ھ ابن خلکان کی تحقیق ہے۔ ملاحظہ ہو وفیات الاعیان، لابن خلکان جلد ۳ صفحہ ۴۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

والے عالمِ دین تھے انہوں نے اپنی کتاب ''تأویل مشکل القرآن'' میں ایجابی طور پر قرآن کے بیانی محاسن کو ابوعبیدہ اور جاحظ کے مانند پیش کیا ہے، قرآنِ کریم کے متعلق ان کے اس قول میں ذرا مبالغہ نہیں کہ اس کے بیانی کمالات، صوتی محاسن اور نظمِ کلام کی خوبیوں کا مقابلہ دنیا کی کوئی تحریر نہیں کرسکتی، ایجاز، انسانی کلام میں بھی پایا جاتا ہے مگر جو ایجاز قرآن کا خاصہ ہے وہ اپنی جگہ پر منفرد ہے، اسی طرح دوسری بدیعی خصوصیات انسان کے کلام میں بھی پائی جاتی ہیں مگر ان کی حقیقت، قرآن کے سامنے ایسی ہے جیسے بحرِ زخّار کے آگے ایک چھینٹ یا قطرۂ بےقدر کی ہوسکتی ہے۔

"تاویل مشکل القرآن" کی ابتداء میں ابن قُتَیبہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن کے لسانیاتی جمال اور اس کی بیانی دلآویزیوں کو سمجھنے کے لئے عربیت سے شغف، لازمی ہے، نیز اہلِ زبان کی صحبت اور ان کی پسند اور ناپسند کو سمجھنا اور اس کے اسباب کو سمجھنا از حد ضروری ہے، اندازِ کلام، محاورات اور روزمرہ کی بول چال کو اچھی طرح سمجھا نہ جائے تو پورا قرآن مجاز ہی مجاز نظر آئے گا۔

ابن قُتَیبہ نے جن معجزاتی خصوصیات کا ذکر کیا ہے اور جن میں وہ منفرد نہیں تو نادر افراد میں ضرور شمار کئے جاتے ہیں وہ مختصراً حسب ذیل ہیں،

(۱) قرآن کا نغمگی انداز نغمگی انداز کا مطلب یہ ہے کہ عبارت میں ایک جملہ دوسرے جملے سے، ایک فقرہ دوسرے فقرے سے اس درجہ پیوست اور مربوط ہے کہ پڑھنے والے کو ایک نغمہ جیسی یکسانی کا احساس ہوتا ہے، اس کو جاحظ نے انسجامِ صوتی کا نام دیا ہے، عبارت میں پیچیدگی ہو اور ہمواری نہ ہو تو ایسا لگتا ہے کہ حلق میں کوئی آواز پھنس رہی ہے اور حافظہ کو یاد رکھنے کے لئے کاوش کرنی پڑتی ہے ایک معمولی سی مثال حروف ابجد کے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مرکبات سے دی جاسکتی ہے جہاں انسجامِ صوتی کا فُقدان ہے، ابُجَدُ، هَوَّزُ، حُطِّیُ، کَلِمَنُ، سَعُفَصُ، قَرَشَتُ، ضَظَّغُ، ان میں نغمگی کے بر عکس عدمِ انسجام ہے، قرآن شروع سے آخر تک پڑھ جائیے ہر جگہ ایک انسجام نظر آئے گا، انگریزی گرامر کے اساتذہ کو دیکھا ہے کہ وہ اس سے بحث نہیں کرتے کہ گرامر کے لحاظ سے کون لفظ آگے یا پیچھے ہونا چاہئے بلکہ وہ ہمیشہ یہ دیکھتے ہیں کہ کلام میں میوزک کیسے پیدا ہوگی، یا اس جملہ میں میوزک کا فقدان ہے، (۱)

عراق کے ایک یہودی نے پورے قرآن کی ترتیب بدل ڈالی، نہ ترتیب نزول کی پابندی کی اور نہ تعلیم رسول کی، اپنی طرف سے ایک ترتیب، ایجاد کی اور اس کا نام رکھا کہ کس سورہ میں نغمگی زیادہ ہے اس کو پہلے یوں ہونا چاہئے، مسلم محققین اور علمائے بلاغت و بدیع نے قرآنِ کریم میں یہ حسن محسوس کیا ہے، مگر اس جنونی حد تک نہیں جس حد تک عراقی یہودی، N.J.DAWOOD، نے اس کو بنیاد بنا کر پورے قرآن کی ترتیب بدل دی۔

(۲) قرآنِ کریم کا اعجازی رُخ لفظ و معنی، دونوں سے نمایاں ہے، الفاظ کے درمیان صوتی حسن اور نغمگی اور معانی کے لحاظ سے اسکا خلود، ابدی حقائق کا بیان جن میں کبھی تغیر نہیں پایا گیا، ہر انسان کے لئے ہدایت کا سامان اس طرح کہ اس کی فکر، نفسیاتی کشاکش، جسم و جاں کے تقاضے، کائنات کی وہ تمام نمایاں اور اُبھری ہوئی خصوصیت جس کو تہذیب و تمدن سے دور، سیاہ فام افریقی اور عقل و حکمت کے دعویدار گوری چمڑی والے یورپین بلکہ یوں کہئے کہ

(۱) انسجام صوتی، حسن نغمگی کا یک لطیفہ یاد آیا، جب عاجز لندن میں تھا، مسز ایڈن، وزیر اعظم تھے، بعض مراسلہ نگاروں نے ''ٹائم'' میں لکھنا شروع کیا کہ برطانیہ میں شاہی نظام کے بجائے ایک جمہوریت کا نظام اپنایا جائے۔ اسکے موافق ناموافق مراسلہ شائع ہوتا رہا، ایک مراسل نے صرف یہ لکھا کہ ''مسٹر ایڈن'' زبان پر آسانی سے آجاتا ہے اور اگر پریسیڈنٹ ایڈن کا اضافہ کیا جائے تو نغمگی باقی نہیں رہے گی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پانچویں براعظم کے باشندے یکساں طور پر محسوس کرتے ہیں اور ان کو ایسا لگتا ہے۔ جیسے قرآن آج ہی نازل ہوا ہے اور صرف انہیں کے لئے نازل ہوا ہے، فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِيۡنَ ٥،

(۳) کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معانی کو سمو دینا، صدیاں گذرتی جاتی ہیں، نسلوں پر نسلیں ختم ہوتی جاتی ہیں، اور ساری دنیا کے دانشمند اپنی تمام تر عقلی کاوشوں اور فکری بلندیوں کے باوجود ایک بے پناہ سمندر کے کنارے ریت پر گھونگوں سے کھیل رہے ہیں، امام رازی نے اپنے بارے میں یہی لکھا ہے کہ تفسیر کی ۲۲ جلدیں لکھنے کے بعد بھی ان کی فہم کا یہی عالم ہے (۱)

اس مختصر بیانی کو ایجاز کہتے ہیں اور قرآنِ کریم کی معجزاتی خصوصیت کو جن لوگوں نے بیان کیا ہے ان میں سے ہر ایک نے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ یا یوں کہوں اس نے روشنی حاصل کی ہے۔

ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ آن حضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ خاص قوت ودیعت فرمائی تھی کہ آپ ﷺ کا ایک ایک جملہ معانی کا جامع ہوا کرتا تھا اور جس طرح اصولی وکلیاتی فارمولے ہوتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح بات کرنے کا انداز عطاء ہوا تھا، آپ ﷺ کے ارشاد، اُوْتِيْتُ جوامع الکلم کا یہی مطلب ہے، آپ ﷺ کی زبان مبارک سے جو جملہ نکلتا اس کا ہر لفظ معانی کا ذخیرہ رکھتا، حق تعالیٰ جل شانہ کے نازل کردہ قرآن کا ہر جملہ اسی حقیقت کو واضح کرتا ہے، ابن قتیبہ نے اس کی مثال میں جو آیتیں نقل کی ہیں وہ یہ ہیں، خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجَاهِلِيۡنَ ٥ اس آیتِ کریمہ میں حسنِ اخلاق، نرم دلی، چشم پوشی، گناہوں کو نظر انداز کرنے کی صفات کو جمع کر دیا ہے۔

---

(۱) طباعت وکتابت کے لحاظ سے جلدوں کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، اب تین جلدوں اور ۳۰ جلدوں میں اور ۱۱ جلدوں میں بھی علحدہ علحدہ شائع ہوئی ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ ایجاز کی خصوصیت عربوں کے یہاں پائی جاتی تھی اور ہر زبان کے بولنے والے آپس میں جب بات کرتے ہیں تو مختصر گوئی کو اپنی بات کا حسن سمجھتے ہیں، قرآن نے اس حسن کو اس درجہ نکھار کر اور نمایاں کر کے دکھایا ہے جس کی مثال انسان کے کلام میں نہیں مل سکتی، منافقوں کی سازشوں کے ساتھ ان کا بزدل ہونا بھی ایک حقیقت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، وَ یَحۡسَبُوۡنَ کُلَّ صَیۡحَۃٍ عَلَیۡهِمۡ هُمُ الۡعَدُوُّ کوئی بھی آواز ہو کسی موقع پر بلند ہو، منافق اس کو اپنے اوپر لے لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے بارے میں کچھ کہا جا رہا ہے، منافقوں کے اس اندازِ فکر کو بتانے کے بعد ارشاد ہوا، هم العدوّ .... کہ یہ سب دشمن ہیں یہاں عدوّ کا مضاف الیہ نہیں بتایا گیا مسلمانوں کے دشمن؟ قرآن کے دشمن؟، رسول اللہ ﷺ کے دشمن؟ مطلب یہ ہوا کہ وہ ان سب کے دشمن تو ہیں یہ معلوم ہے اس کے علاوہ وہ تمام اخلاقی اصول اور آئینِ انسانیت کے دشمن ہیں۔

منافقوں کی یہ کیفیت سازش اور پسِ پردہ تخریب کا نمونہ ہے اس طرح کی بزدلانہ عادت کو ایک عرب شاعر نے بھی نظم کیا ہے۔

و لو انها عصفورة لحسبتها مسومة تدعوا عبيد اوازغما

(عبید و ازغم دو قبیلوں کے نام ہیں جن میں شماتت کا انداز ہے)

شاعر کہتا ہے کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ایک چھوٹی چڑیا بھی دیکھ لیں تو سمجھیں گے کہ عبید و ازغم کے حملہ آور گھوڑے ہیں جو للکار رہے ہیں (۱)

ابنِ قتیبہ نے علمائے یہود کے اعتراضات کو سامنے رکھ کر ایجابی انداز میں آیات کی تشریح کی ہے جس کی تاویل کرنے سے اس وقت کے علماء قاصر تھے۔

(۱) تاویل مشکل القرآن جلد ۱، صفحہ ۳۲ حاشیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

''تاویل مشکل القرآن'' کی ابتدائی صفحات میں ابن قتیبہ نے قرآن کی لسانی خصوصیات کو جامعیت کے ساتھ ذکر کیا ہے، عربی زبان کے حروف تہجی ۲۸ ہیں، جو ابن قتیبہ کے معلومات کی حد تک انسان کے ''جہاز صوتی'' (VOICAL INSTRUMENT) کے مطابق ہے غالباً ابن قتیبہ کے زمانہ تک جو لسانیاتی تحقیقات ہوئی تھیں اس وقت یہی سمجھا جاتا رہا ہوگا، ورنہ مخارجِ اصوات اور طریقِ ادائے صفات کو انہی عربی مخارج وصفات ادا تک محدود سمجھا گیا ہوگا۔

قرآنِ کریم کے اعجازِ بیانی سے پہلے عربی زبان کی انفرادی خصوصیات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے اور عربی زبان کی خصوصیات کا سرچشمہ یہ ہے کہ اس زبان میں قرآن نازل ہوا اور قرآن نے سارے عالَم کو چیلنج دیا کہ اس طرح کی ایک سورہ بھی کوئی بنا کر نہیں لاسکتا، کوئی طویل سورت ہو جیسے سورۂ بقرہ یا مختصر سورۃ ہو جیسے سورۂ کوثر۔ قطع نظر طوالت واختصار کے اس کی نقل کرنے اور اس کا معارضہ کرنے کی صلاحیت کسی میں پیدا نہیں ہوئی،

اس طرح اٹھائس ۲۸ حرفوں کی زبان دنیا کی تمام زبانوں پر فوقیت رکھتی ہے ان حروف پر اعراب نے جو معانی کو وسعت دیا ہے وہ ایک طرح کا نگینہ ہے جس میں ہر نگینہ ایک سے بہتر معانی پیدا کرتا ہے، اور جن کے وجود سے ایک لفظ جس کے حروف یکساں ہیں اعراب کے اختلاف کی وجہ سے مختلف اور بسا اوقات متضاد معانی رکھتا ہے (۱)

پھر اشتقاق نے اس کے خزانۂ الفاظ کو زیادہ سخی، فیاض اور طاقت ور بنا دیا ہے، اقوامِ عالم میں کسی قوم کو اتنی طاقتور زبان نہیں دی گئی، جس قدر عربوں

(۱) تاویل مشکل القرآن لابن قتیبہ ۲ جلد ۲ صفحہ ۲، ۴۔ تحقیق الاستاذ احمد صقر طبع الحلبی۔ نیز ملاحظہ ہو تاویل مختلف لأحادیث صفحہ ۲۱ تصحیح التجار مکتبۃ الکلیات الازہریۃ

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

کے حصہ میں آئی اس کا سبب یہی ہے کہ اسی زبان کو وحی والہام کی زبان بنانا مقدر ہو چکا تھا (۲)

عربوں کو مجازات، کے ذریعہ اپنی بات کا صحیح بحوالہ سابق، کافی ہے رخ اور بات کی مکمل تصویر دکھانے کا ملکہ عطا ہوا ہے، مجاز کے معنی ہیں کہ بات کے لئے مختلف پیرایۂ بیان میں سے کسی ایسے پیرایہ کا بیان کرنا جو متکلم کے مقصد کو بہت باریک بینی کے ساتھ واضح کر دے اور کلام کا حسن و جمال نہ صرف باقی رہے بلکہ اس میں ایک نکھار آ جائے۔ اسی کے اقسام میں، استعارہ، تمثیل و قلب، تقدیم وتاخیر، حذف وتکرار، اخفاء واظہار تعریض وافصاح (بات کو پس پردہ کہنا یا کھول کر صاف صاف کہہ دینا) کنایہ، تصریح، صیغۂ واحد سے جماعت کو مخاطب کرنا اور صیغۂ جمع سے فردِ واحد کو منتخب کرنا، مخصوص معنی کے لئے عمومی لفظ اور عام مفہوم کے لئے خصوصی الفاظ کا استعمال۔ اسی طرح حکایت میں قوت وروانی پیدا کرنا بات کو زور دے کر یا ہلکا کر کے پیش کرنے کی گنجائش۔

شیخ ابوقتیبہ نے اس طرح عربی زبان کی خصوصیات کا اظہار اس لئے کیا ہے کیونکہ یہی زبان ایسی تھی جو قرآن کی زبان بن سکتی تھی، جیسے آپ کہیں، اس طرح کی زمین ہو تو اس میں پھول کھلتے ہیں، سبزیاں ہوتی ہیں گویا اچھے پھول پھل، کے لئے زمین بھی اس کے مطابق ہونا چاہیے،

عربی زبان کی بنیادی خصوصیات ذکر کرنے کے بعد۔ اور یہ دکھانے کے بعد کہ وحی قرآن کی یہی زبان ہو سکتی تھی،

ابن قتیبہؒ نے قرآن عربی کی چند خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔

(۲) تاویل مشکل القرآن لابن قتیبہ ۲ جلد ۲ صفحہ ۲،۲۔ تحقیق الاستاذ احمد صقر طبع الحلبی۔ نیز ملاحظہ ہو تاویل مختلف الاحادیث صفحہ ۲۱ تصحیح التجار مکتبہ الکلیات الازہریۃ

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قرآن کی زبان عربوں کے لہجات کی جامع ہے اس لئے اس کی آیات کا کامل و مکمل ترجمہ ناممکن ہے۔ جیسے انجیل کو سریانی زبان سے حبشی اور رومانی زبانوں میں منتقل کیا گیا کوئی فرق نہیں پڑا، تورات و زبور اور کتب سماوی کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا اور معانی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ کیوں کہ سبھی زبانوں میں مجاز کے استعمال کی وہ وسعت نہیں ہے جو عربی زبان میں ہے،

مثال کے طور پر دیکھئے آپ قرآنِ کریم کی آیت:

فَضَرَبْنَا عَلٰی اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنَ عَدَداً o (الکھف : ۱۱)	سو ہم نے غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک (نیند کا) پردہ ڈالے رکھا ہے۔

اگر اس کے الفاظ کا ترجمہ کرنا چاہیں تو ترجمہ کی زبان میں سمجھا نہیں جائے گا اور اگر معانی کا ترجمہ کریں اور کہیں ''و انمناهم سنين عددا'' تو معنی کا ترجمہ ہو جائے گا، حسین لفظ اور نظمِ عربی کا بانکپن، اچھوتا انداز اور دل آویز نطق کی سادگی و پاکیزگی کا شائبہ بھی نہیں آسکے گا۔

ابن قتیبہؒ کی کتاب دراصل قرآن کے دفاع میں ہے، لیکن وہ ایجابی طور پر قرآن کریم کی زبان اور اس کی خصوصیات کا ذکر کر کے قرآن کا اعجاز ثابت کرتے ہیں اور مختلف مسائل کو پیش بندی کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔(۱)

ابن قتیبہ کا زمانہ (تیسری صدی ہجری) اسلام کی تاریخ میں ایک علمی دور تھا، بحث ومباحثہ دوسری زبانوں سے ترجمہ جو ہارون الرشید کے عصر سے شروع ہوا تھا، پوری صدی پر محیط رہا، بلکہ اس کے اثرات بعد کی صدیوں میں بھی

---

(۱) ''دفع دخل'' دراصل نحوی اصطلاح ہے کہ فلاں قاعدہ کے بیان میں اگر یہ اعتراض کیا جائے تو اس کا یہ جواب ہے اردو میں پیش بندی کہہ لیجئے، اختصار کے لئے اردو میں بھی اس اصطلاح کو استعمال کر لیا جاتا ہے۔ ع ع

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نمایاں رہے، قرآنِ کریم کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ ایسے دور میں جب علمائے فقہ، لغت و بلاغت کے درمیان طرح طرح کے اختلافات نمودار ہو چکے تھے، یہی نہیں بلکہ ملحدانہ عقائد کی پرورش بھی یہودیوں کی طرف سے جاری تھا(۱)

اس دور میں بھی قرآن کا اعجاز ہر گروہ کے نزدیک نا قابلِ انکار تھا اور اختلافی مسائل میں اگر کوئی قرآنِ کریم کی آیت یا حدیثِ نبوی کا جملہ پیش کر دیتا تو سب گردن جھکا دیتے۔ اگر یہ کہتے کہ حکومت کا خوف تھا تو صحیح نہیں ہوگا کیوں کہ ہارون الرشید کے عصر میں علی الکندی اور ''الرسالہ'' کے فرضی سوال و جواب کا دفتر نشر ہو چکا تھا۔(۲)

ایک مسئلہ، قدیم وجدید کا بھی تھا، ابونواس جس کے داعی تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ قصائد کی ابتداء میں شعراء جو پہاڑیوں پر گذرے ہوئے قافلوں کی یاد مناتے ہیں جس کو ''تشبیہہ'' کہا جاتا ہے وہ اب ختم ہونا چاہئے۔ کیوں کہ وہ

---

(۱) ملاحظہ ہو: ''سر الفصاحة'' لابن سنان صفحہ ۸۶۔۹۸ نیز ملاحظہ ہو'' المثل السائر لابن الاثیر۔ هجوم اعداء الوحی " تحقیق د، احمد الحوفی و دکتور بدوی

(۲) مامون الرشید کے عصر میں ایک عیسائی جس کا فرضی نام عبدالمسیح علی الکندی لکھا گیا ہے شاہی دربار میں ایک اونچے منصب پر تھا، اور ایک مسلمان بھی مشیر ایوان حکومت تھے ان کا فرضی نام عبداللہ الہاشمی تجویز کیا گیا۔ الہاشمی نے اپنے ہم پیشہ الکندی کو اسلام کی دعوت دی الکندی نے اس کا سخت جواب دیا۔ اسلام، قرآن، اور رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر نازیبا تنقیدیں کیں۔ مکتوبات عربی، انگریزی اور دوسری زبان میں شائع کئے مگر اس طرح کہ ناشر کا نام، مقامِ طباعت، تاریخ طباعت مذکور نہیں ہے، اس مجموعۂ خرافات کا ایک نسخہ میں نے دار الکتب المصریہ میں دیکھا ہے اور مصر سے واپس آکر ۱۳۹۶ھ ''البلاد'' میں ایک مضمون شائع کرایا تھا، ابھی مجموعہ کا نام ''الرسالہ'' ہے اس کا حوالہ بڑے فاضل مستشرقین نے دیا ہے۔ ''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'' میں بھی اس کا حوالہ ہے گویا ان لوگوں کے نزدیک یہ قابلِ ذکر اور لائقِ حوالہ تحریر ہے، حالاں کہ تاریخی لحاظ سے اس کا کوئی سر، پیر نہیں ہے۔ صرف ایک نکتہ، قابلِ انتباہ ہے کہ ہارون الرشید، امین اور مامون کے زمانوں میں علمی خدمات بہت ہوئی ہیں۔ اور مورخین اس کو ''العصر الذهبی'' کہتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام کے خلاف زبان کھولنے کی کسی کو اجازت نہیں تھی۔ لہٰذا اگر قرآن کے خلاف کوئی بات وہ کہہ سکتے تو کہتے، اور عملاً ''الرسالہ'' میں قرآنِ کریم کے خلاف بغض وعناد کا طوفان پوشیدہ ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بنجارے قسم کے بدّو نہیں رہے جو پہاڑیوں پر ڈیرا ڈالتے اور ان کی کسی دوشیزہ پر مقیم بدوؤں کا کوئی فرزند کمند ڈالتا، اور ناکام رہنے پر ادھر سے گذرتا تو قصائد کی ابتداء اسی عصر کی یاد سے کرتا، جیسا کہ امرؤ القیس کا قصیدہ جو سبع معلقہ کا پہلا قصیدہ ہے ابونواس کا کہنا یہ تھا کہ اب موجودہ دور کی بات کرو۔

لا تبك ليلىٰ ولا تطرب الى هند

واشرب على الورد من حمراء كالورد

(لیلیٰ پر مت رو، اور ہند کے نام پر مت ناچو۔ گلابی گلاس میں شرابِ سرخ کسی دستِ گلابی سے لے کر پیو)

ابن رشیق نے ''العمدہ'' میں سچی بات کہی کہ عربی زبان قدیم اور جدید دونوں یکساں ہے۔ قدیم اس لئے کہ عہد جاہلی کا کلام، عصر عباسی میں قدیم ہو گیا، اور عصرِ عباسی میں کلام جدید بعد کے زمانوں میں قدیم ہو گیا۔

مگر قرآنِ کریم ان دونوں طبقوں میں یکساں طور پر مقبول رہا، یہ اس کا اعجاز ہے دوسری نمایاں بات اس عصر میں یہ دیکھی گئی کہ عربی زبان کی غیرت اور اس کے دفاع پر صاحب قلم اور صاحبِ فکر اشخاص کی علمی کاوشوں کا ایک عنوان تھا۔ ہم ابن قتیبہ کا ذکر ختم کرنے کے بعد یہ دکھانے کے لئے کہ قرآن کو ہر زمانے میں طعن و اعتراض کی کسوٹی پر کسا گیا اور کھرا سونا بن کر سامنے آیا۔ اس دور یا ان زمانوں میں عربی زبان کے خلاف کیا کیا اتہامات رائج تھے اور علمائے علم و بلاغت کس طرح قرآنِ کریم کی زبان کا دفاع کرتے تھے، اس کا ایک نمونہ دے کر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

''الكامل فی اللغة والادب'' کے مصنف ابو العباس المبرد کے پاس علی الکندی آئے اور کہنے لگے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

انی لا جد فی کلام العرب حشوا

عربوں کی زبان میں کچھ بھرتی کے الفاظ زیادہ نظر آتے ہیں

المبرد نے کہا: فی ای موضع وجدت ذلك ۔ کہ کہاں تم نے دیکھا

کندی نے کہا: دیکھئے نا یہ لوگ کہتے ہیں

عبد الله قائم

اور کبھی کہتے ہیں۔

ان عبد الله قائم

اور کبھی کہتے ہیں: ان عبد الله لقائم

معنی سب کے ایک ہی ہیں کہ عبداللہ کھڑا ہے، مگر ایک جملہ بغیر کسی حرف زائد کے ہے۔ ایک میں ''ان'' بڑھا ہوا ہے اور ایک میں ''ان'' شروع میں اور دوسرے جزء میں لام ہے۔

انہوں نے کہا جی نہیں !! جس طرح الفاظ، مختلف ہیں اسی طرح معانی بھی مختلف ہیں جب کسی کہنے والے نے کہا عبداللہ قائم ، وہ صرف ایک اطلاع ہے کہ عبداللہ کھڑا ہے۔ اور جب جملہ کے شروع میں انّ بڑھا دیا تو معلوم ہوا کہ کسی نے دریافت کیا تھا، اس کا یہ جواب دیا گیا اور جب ان اور لام کا اضافہ ہوا تو معلوم ہوا کہ بولنے والا کسی انکار کرنے والے کو یقین دلا رہا ہے۔

''مشکلات القرآن'' ایک مستقل فن ہے جو اعجاز القرآن میں کی ایک شاخ ہے،'' اس میں وہ مباحث ہیں جو یہودی مستشرقین کے اعتراضات سے پیدا ہوتے ہیں اگر ان اعتراضات کو سامنے لا کر اوران کی تشریح کر کے ان کا رد نہ کیا جاتا تو کسی کے ذہن میں اس طرح کی مشکلات نہیں آتیں مثلاً یہ سوال کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں حرف ب کو کسرہ کیوں ہے؟ بسم اللہ کیوں نہیں ہے،، بسم

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اللہ کے بعد سورہ فاتحہ کی ابتدائی آیات میں تکرار ''الرحمٰن الرحیم'' کیوں ہے۔
بہرحال قرآن کریم کے اہم موضوعات پر جب لکھا جائے گا تو علامہ عزّ الدین عبدالسلام، شیخ عبکری جن کی کتاب ''املاء ما مَنّ بہ الرحمان'' ہے، علامہ الشیخ انور شاہ الکشمیری کی ''مشکلات القرآن'' ابن قیّم کی مشکلات القرآن ایک مستقل موضوع ہے، اگر ضرورت محسوس کی گئی تو اردو میں اس پر ایک دو جلد تیار ہو سکتی ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ابن المعتز

۲۴۷---۲۹۶ھ *

ابن المعتز کی شہرت ان کی تصنیف ''کتاب البدیع'' سے ہوئی، اور چوں کہ انہوں نے اقسامِ بدیع کو اشعار پر منطبق کرنے سے پہلے قرآن کریم کی آیات، احادیثِ نبویہ اور اقوال صحابہ سے مثالیں پیش کی ہیں اس لئے ہمارے موضوع ''اعجاز القرآن'' پر شواہد جمع کرنے والوں میں اہم مقام رکھتے ہیں۔

قرآن کریم کا یہ ایک معجزہ ہے کہ بدیع کی جتنی قسمیں بھی ہیں، قرآنی آیات سے وہ ماخوذ ہیں، عربی اشعار سے بھی بلاشبہ اس کا ربط قائم ہے، مگر وہ بھی قرآن کریم کے طفیل میں، مثلاً ایک صفت طباق ہے جس کو بہ کثرت شعراء و ادباء اپنے کلام میں لانے کی کوشش کرتے اور اس سے کلام کو زینت بخشتے ہیں لیکن غور سے دیکھئے کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ علمائے ادب و بلاغت نے قرآن کریم میں اس صفت کی تابناکی کو دیکھا، اس کا نام رکھا، اس کا تعارف کرایا، اور عربی اشعار سے اس کے شواہد تلاش کیے۔ پھر عربی شعر میں کوئی ''انوکھا پن'' ملا تو اس کے لئے شاہد قرآن یا حدیث سے تلاش کیا ''البدیع'' کا اردو میں ترجمہ ''انوکھا'' یا ''انوکھا پن'' صحیح ہوگا۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے

*ابن المعتز خلفائے بنی عباس میں تیرہویں خلیفہ ہوئے تھے مگر ان کی خلافت یا حکومت ایک دن اور ایک رات سے زیادہ نہ رہ سکی، کسی نے گلا گھونٹ کر مار دیا یا کسی اور طور سے ہلاک کر دیا شاہی درباروں کی سازشیں ہمیشہ رہا کی ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ابن المعتز

۲۴۷---۲۹۶ھ *

ابن المعتز کی شہرت ان کی تصنیف ''کتاب البدیع'' سے ہوئی، اور چوں کہ انہوں نے اقسامِ بدیع کو اشعار پر منطبق کرنے سے پہلے قرآن کریم کی آیات، احادیثِ نبویہ اور اقوال صحابہ سے مثالیں پیش کی ہیں اس لئے ہمارے موضوع ''اعجاز القرآن'' پر شواہد جمع کرنے والوں میں اہم مقام رکھتے ہیں۔

قرآن کریم کا یہ ایک معجزہ ہے کہ بدیع کی جتنی قسمیں بھی ہیں، قرآنی آیات سے وہ ماخوذ ہیں، عربی اشعار سے بھی بلاشبہ اسکا ربط قائم ہے، مگر وہ بھی قرآن کریم کے طفیل میں، مثلاً ایک صفت طباق ہے جس کو بہ کثرت شعراء و ادباء اپنے کلام میں لانے کی کوشش کرتے اور اس سے کلام کو زینت بخشتے ہیں لیکن غور سے دیکھئے کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ علمائے ادب و بلاغت نے قرآن کریم میں اس صفت کی تابنا کی کو دیکھا، اس کا نام رکھا، اس کا تعارف کرایا، اور عربی اشعار سے اس کے شواہد تلاش کئے۔ پھر عربی شعر میں کوئی ''انوکھاپن'' ملا تو اس کے لئے شاہد قرآن یا حدیث سے تلاش کیا ''البدیع'' کا اردو میں ترجمہ ''انوکھا'' یا ''انوکھاپن'' صحیح ہوگا۔

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے

---

*ابن المعتز خلفائے بنی عباس میں تیرہویں خلیفہ ہوئے تھے مگر ان کی خلافت یا حکومت ایک دن اور ایک رات سے زیادہ نہ رہ سکی، کسی نے گلا گھونٹ کر مار دیا یا کسی اور طور سے ہلاک کر دیا شاہی درباروں کی سازشیں ہمیشہ رہا کی ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

بغیر کسی سابقہ نمونہ کے نئی چیز پیش کرنا یا جو چیز پیش کی گئی اس کو نئے اسلوب اور انوکھے انداز میں بیان کرنا بھی بدیع کہلاتا ہے۔

ابن المعتز (م ۲۹۶ھ) اس فن کے موجد نہیں ہیں۔ ان سے پہلے بشار بن برد (م ۱۶۳ھ) ابو العباس المبرد (م ۲۸۵ھ) ابو العباس ثعلب (م ۲۹۱ھ) اور ابونواس وغیرہ ان اصناف کا تعارف کرا چکے ہیں۔

ابن المعتز ایک صاحبِ ذوق اور وسیع النظر شہزادے تھے، متوکل باللہ کے پوتے ہارون الرشید کے پرپوتے، شاہی خاندان کے پلے بڑھے، دیدہ ور، صاحبِ نظر، سیر و شکار کے شائق اور شعر و شاعری کے دلدادہ تھے، ان کے مصاحب اور معاصرین بھی ان کی دیدہ وری کے قائل تھے۔ لیکن جس بات نے ان کی بات بنادی نہ وہ خلیفہ زادگی تھی اور نہ عیش و کامرانی کی زندگی، اور فن بدیع کا ماہر ہونا بھی ایسا نہ تھا کہ ان کے نام کو صدیوں باقی رکھے، جس خصوصیت نے ان کو اہمیت عطا کی وہ ان کی تحقیق کا سرنامہ تھا، جس کو انہوں نے اپنی کتاب کے افتتاح میں لکھا ہے:

قد قدمنا فی ابواب کتابنا هذا بعض ما وجدنا فی القرآن الکریم واللغة و احادیث رسول الله ﷺ و کلام الصحابة والأعراب و غیرهم (۱)	ہم نے اپنی اس کتاب کے ابواب میں بعض وہ چیزیں پیش کی ہیں جو ہم نے آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، اور عربی زبان، صحابہ کرام، اور نسلی عرب وغیرہ سے کلام میں پایا ہے۔ حاصل کیا ہے۔

(۱) ابوہلال العسکری نے کتاب الصناعتین میں یہ مقولہ نقل کیا ہے جلد ۱ صفحہ ۵۶ طبع مصر

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ابن المعتز نے اپنی کتاب میں علم بدیع کی صرف پانچ قسمیں بیان کی تھیں:

استعارہ، تجنیس، بلاغت مطابقۃ اور رد الاعجاز علی الصدور۔ ان کے علاوہ جو اقسام بدیع ہیں ان کو ابن المعتز محسنات بدیہ میں شمار کرتے ہیں لیکن مذکورہ پانچ اقسام کو اصل فن سمجھتے رہے، علم البدیع کی اقسام، محسنات بدیعیہ کے اضافہ سے ۲۷ قسمیں بنتی ہیں مگر ان میں مذکرہ پانچ قسمیں اہم ہیں۔ چوں کہ میرے موضوع ''اعجاز القرآن'' سے جن اصناف کا تعلق ہے یہ وہی ہیں جن کو ابن المعتز نے اپنی کتاب ''البدیع'' میں ذکر کیا ہے۔ ہم انہی کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں، دوسری اقسام زیادہ تر کلام عرب (شعر) سے متعلق ہیں اور نثر میں جو کچھ ہے وہ خطبات، معاہدے، صلح وصفائی کے خاص صیغے ہیں (۱)

(۱) محسنات بدیعۃ (کلام کو زینت بخشنے والے بدیع کے اقسام)

محسن (خوبصورت بنانے والے عناصر) دو طرح کے ہیں ایک وہ جن میں تحسین معانی کی ہوتی ہے اور اس کو اصل قرار دیا جاتا ہے لفظی تحسینات کی حیثیت ثانوی عرض کی ہے۔

معنوی تحسین جن الفاظ سے پیدا ہوتی ہے ان کی پہچان یہ ہے کہ ان الفاظ کی جگہ ان کے مرادف الفاظ استعمال کئے جائیں، کلام کی خوبی اپنی جگہ قائم رہے گی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضۡحَكَ وَ اَبۡكٰى، وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحۡيَا۔ — اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے، اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے

(النجم: ۴۳-۴۴)

ان دونوں آیتوں میں صفت طباق نمایاں ہے، اضحک، ابکی اور امات

---

(۱) کتاب المعتز صفحہ الا ابن المعتز

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

واحیا۔ ہنساتا، رلاتا اور مارتا، جلاتا، طباق بالضد ہے، اب اگر کوئی اس کے الفاظ کو مرادف سے بدل دے (قرآن کے سلسلہ میں یہ کہنا بے ادبی ہے اس لئے کہئے کہ اگر کوئی انسانی کلام ہوتا اس میں کوئی اس طرح کا تصرف کرتا) اس طرح کہ ''اضحك'' کی جگہ ''سَرَّ'' کہے، اور ''ابکی'' کی جگہ ''أحزن'' کہے تو صفت طباق باقی رہے گی۔ اور تحسین پیدا کرنے والی صفت میں فرق نہیں پڑے گا۔

مگر جہاں تحسین پیدا کرنے کی کوشش صرف الفاظ سے کی گئی ہے اور معنی کی حیثیت ثانوی ہے، جس کی نوعیت ''عرض'' کی ہوگی وہاں اگر کوئی لفظ بدل دیا جائے تو کلام کا حسن غارت ہو جائے گا، قرآن پاک سے مثال لیجئے:

وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۔ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ۔ (الروم : ۵۵)	اور جس روز قیامت قائم ہوگی مجرم لوگ قسم کھا بیٹھیں گے کہ وہ لوگ (یعنی ہم عالم برزخ میں) ایک ساعت سے زیادہ نہیں رہے۔

لفظ ''ساعة'' اور ساعة کی ایک جملہ میں تکرار سے اس آیت میں صفت جناس پیدا ہو گئی، یہاں دونوں لفظ ساعة / ساعة دو مختلف معنوں میں ہیں۔ اب اگر آپ ساعة کا مرادف لفظ لے آئیں تو تحسینِ کلام کا عنصر ختم ہو جائے گا۔

جناس۔ دراصل ہم جنس الفاظ کے ذریعہ کلام کو زینت دینے کا نام ہے۔ اس سے کلام کے زینت بخش ہونے کا ثبوت اس وقت ملے گا جبکہ ایک ہی طرح کے حروف وحرکات والے الفاظ دو مختلف معنوں میں استعمال کئے جائیں، لہذا اگر جناس لفظی میں اس کا مرادف لفظ استعمال کریں مثلاً ''السّاعة'' کی جگہ ''یوم القیامة'' کہیں تو وہ زینت بخش لفظ بے جان ہو جائے گا جو صفت جناس کا عطیہ تھا لفظ ومعنی کی یہ تقسیم اس درجہ میں شمار ہوئی ہے جیسے روح کا جسم سے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نکل جانا یا جسم کا روح سے جدا ہو جانا۔ نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہے۔

معنوی تحسین کے نمونے:

الطباق ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِكَ الْخَیْرُ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ٥

(آل عمران : ۲۶)

(اے محمدؐ) آپ (اللہ تعالیٰ سے) یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک جس کو چاہیں دے دیتے ہیں، اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں، اور جس کو چاہیں غالب کر دیتے ہیں اور جس کو چاہیں پست کر دیتے ہیں آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی بلا شبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

آیتِ کریمہ حق تعالیٰ جل شانہ کی عظمت وقدرت کی تصویر ہے، علمائے بلاغت نے اس کو صفت طباق کا بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ ''اعطائے ملک'' اور ''نزع ملک''، یعنی بادشاہوں کا بخش دینا اور بخشی ہوئی حکمرانی کو چھین لینا، عزت دینا اور عزت سے محروم کر دینا (۱)

---

(۱) سطوت از کوہ ستانند ''بہ کاہے'' بخشند کلہِ جم بہ گدائے سرِ راہ بخشند
گاہ شاہی بہ جگر گوشہ سلطان نہ دہند گاہ باشد کہ بہ زندانی چاہے بخشند
اقبال

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ایک دوسرے کی ضد برابر کا معاملہ اس صفت کا خاصہ ہے۔

دو متضاد اسماء کو ایک جگہ جمع کر دینا اسی کو طباق کہتے ہیں کیوں کہ اس میں متکلم دو متضاد چیزوں کو ایک دوسرے کے مطابق کر دیتا ہے۔

لغت میں لفظ طباق اونٹ کی چال سے ماخوذ ہے اگلے ہاتھ کی جگہ پچھلے حصہء جسم کی ٹانگیں آجاتی ہیں۔ اصطلاح میں (الجمع بین الشئی و ضده) ایک چیز کو اس کے ضد کے ساتھ یکجا کر دینا (۱)

دوسری بدیع کی دوسری صنفوں کے مقابلہ میں اس صفت کا استعمال عربی کے علاوہ فارسی اور اردو میں بھی بہت ہے۔

صفت طباق کی دو قسمیں ابن المعتز نے اپنی کتاب ''البدیع'' میں ذکر کی ہیں (۱) حقیقی (۲) مجازی۔

(۱) حقیقی کا مقصد یہ ہے کہ ایک جملہ کے دونوں ٹکڑے (مبتداء، خبر، مسند الیہ، مسند) دونوں اسم ہوں، یا دونوں فعل ہوں یا دونوں حرف ہوں اور دونوں علحدہ علحدہ ہوں

دونوں ٹکڑے اسمی ہوں جیسے ''تحسبهم ایقاظاً و هم رفود'' دونوں اسم ہیں ''ایقاظ'' و ''رقود'' (الکہف:۱۸)

وَ مَا يَسْتَوِىْ الْاَعْمٰى	اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں
وَالْبَصِيْرُ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا	ہوسکتا اور نہ تاریکی اور نہ روشنی اور
النُّوْرُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ، وَمَا	نہ چھاؤں اور نہ دھوپ، اور زندے
يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ	اور مردے برابر نہیں ہوسکتے

(فاطر ۱۹۔۲۲)

(۱) ملاحظہ ہو ''عمدہ'' ابن رشیق جلد ۲ صفحہ ۷ ماخوذ از خلیل بن احمد۔ اصمعی نے طباق کی یہ تعریف کی ہے کہ چوپائے جب چلتے دوڑتے یا بھاگتے ہیں تو ہاتھ کی جگہ پاؤں رکھتے ہیں۔

(۲) کتاب البدیع تحقیق صقر جلد ۱، صفحہ ۲۵ حلبی مصر

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اور وہ قسم جس کے دونوں جزء فعل ہوں۔ جیسے

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى وَ — اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے
اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا — اور یہ کہ وہی مارتا اور جلاتا ہے۔

(النجم : ۴۳-۴۴)

یا ارشاد قرآنی ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُوْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ،

اور جس کے دونوں اطراف حرف ہوں:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَاكَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (لها) کی لام بمعنی منفعت (عليها) میں علیٰ بمعنی مضرت

(شیخ عبد القاهر جرجانی نے دلائل الاعجاز میں لکھا ہے کہ کسبت اور اکتسبت کے درمیان معانی میں یکسانی ہے، پھر مختلف لفظ لانے کا سبب یہ ہے کہ عرب" کسب " کمائی کو اور" اکتساب " حرام کی کمائی کے لئے بولا کرتے ہیں، یہاں کوئی مجاز نہیں ہے)۔

نیز سورہ بقرہ میں ہے وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

اور دونوں اطراف مختلف ہوں جیسے۔و اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ

(۲) مجازی۔جس کے دونوں اطراف مجازی ہوں۔یعنی مجازی معنی میں مستعمل ہوں جیسے ارشاد ربانی:

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتاً فَاَحْيَيْنٰهُ وَ — ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ تھا پھر ہم نے
جَعَلْنَا لَهٗ نُوراً يَّمْشِی بِهٖ فِی — اس کو زندہ بنا دیا اور ہم نے اس کو
النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ — ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کو لئے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (الانعام: ۱۲۳)

ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے کیا اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کی حالت یہ ہے کہ وہ تاریکیوں میں ہے ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا۔

اس آیت کریمہ میں لفظ موت اور حیات دونوں مجازی معنی میں وارد ہوئے ہیں اور ان کے معنی آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ موت ضلالت کے لئے اور حیات ہدایت کے لے مجازاً استعمال ہوا ہے۔

طباق معنوی

اوپر جو مثالیں آیات کریمہ سے پیش کی گئیں ان کا تعلق الفاظ سے تھا خواہ وہ حقیقی ہوں یا مجازی

طباق معنوی کی ایک نئی شکل اور ہے جس کو مروزی نے نہج البلاغۃ میں ایک خطبہ کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایسے بھی طباق معنوی کے استعمالات ہیں جہاں مقابلہ لفظی نہیں بلکہ معنوی ہے اس سلسلہ میں یہ آیت کریمہ نمونہ کے طور پر ذکر کی گئی ہے۔(۱)

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ا (البقرۃ : ۲۲)

وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت۔

اس آیت میں ''رفع'' کا معاملہ مطلقاً (بناء) کے ساتھ ہے اور اس کی

---

(۱) شرح نہج البلاغۃ للمروزی حاشیہ: ۴۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ضد انتہائی پستی کی صورت میں ''فراش'' سے نمایاں ہے۔

اسی طرح ارشاد ربانی:

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ مَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْئٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ٥

(یٰسٓ : ۱۵۔۱۶)

ان لوگوں نے کہا کہ تم تو ہماری طرح (محض) معمولی آدمی ہو اور خدائے رحمٰن نے (تو) کوئی چیز نازل (ہی) نہیں کی تم نرا جھوٹ بولتے ہو ان رسولوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ بیشک ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں

مفہوم آیت ہے ان الله يعلم انا لصادقون۔ یعنی اللہ جانتا ہے کہ ہم سچے ہیں۔

صفت طباق کی ضد کی یہ مثالیں دینے کے بعد ابن المعتز شعر عربی کی طرف مائل ہو گئے ہیں، بدیع کی کتابوں میں طباق کے مثل دوسری صفت ''المقابلة'' پر بحث کی ہے جس میں آیات کریمہ کا جہاں نمونہ ہے اس کو ہم اختصاراً نقل کرتے ہیں۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ - يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

(البقرة: ۱۸۵)

سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس (ماہ) میں روزہ رکھنا چاہئے اور جو شخص بیمار یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار (کر کے ان میں روزہ) رکھنا (اس پر واجب) ہے، اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

اس آیت میں اس بات پر متنبہ فرمایا گیا ہے کہ روزہ کی فرضیت کے ساتھ ساتھ معذور افراد کے لئے روزہ معاف بھی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے دین پر چلنا آسان کر دیا اور ایسی سختی سے بندوں کو نجات دے دی جوان کے بس میں نہ تھی۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ اوپر کی آیت کریمہ میں دو لفظ ایک جملہ میں وارد ہوئے ہیں ''يريد الله بكم اليسر'' اور فقرۂ ثانیہ'' ولا يريد بكم العسر'' اس لفظ کے مقابل لفظ کو دوبارہ اسی طرح قرآن نے مربوط کر دیا ہے۔ علمائے بلاغت اسی کو مقابلہ کہتے ہیں۔ لہٰذا ''المقابله'' کی تعریف ہوئی کہ دو یا دو سے زیادہ متضاد لفظ ایک دوسرے کے مقابلہ میں لائے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥	سو تھوڑے (دنوں دین میں) ہنس لیں اور بہت (دنوں آخرت میں) روتے ہیں ان کاموں کے بدلے میں جو کچھ (کفر ونفاق اور خلاف) کیا کرتے تھے۔
(التوبة : ۸۲)	

یہاں ہنسنا اور ہنسنے میں کمی کا، رونے اور رونے کی زیادتی سے مقابلہ ہوا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

الفاظ کا آپس میں صوتی اعتبار

مراعات النظیر

ابن المعتز نے بدیع کی جن مختصر اقسام پر بحث کی ہے ان میں ایک کا عنوان ہے: ''ائتلاف اللفظ مع اللفظ'' اس کو ''مراعاۃ النظیر'' بھی کہتے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک جملہ میں جو الفاظ مستعمل ہوں وہ آپس میں ایک دوسرے سے لفظی لحاظ سے پیوست ہوں، موجودہ فلسفہ لسانیات میں کہتے ہیں کہ ایک لفظ دوسرے لفظ کا دوست ہو، جہاں ایک لفظ عام استعمال ہوگا وہاں دوسرا لفظ بھی عام استعمال ہوگا جیسے قرآن کریم میں ہے:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ	سورج اور چاند حساب کے ساتھ
(الرحمن : ۵)	(چلتے ہیں)

اس آیت میں شمس کے ساتھ قمر کا لفظ آیا اور دونوں کے بارے میں ہمارا علم و تصور یہ ہے کہ یہ آسمانی ستارے ہیں، نیز یہ آیت ملاحظہ فرمائیں:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ	اور (غایتِ حرص سے) جو لوگ سونا
وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ	اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ
(التوبة : ۳۵)	ان کو بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ذھب (سونا) فضۃ (چاندی) کا خیال میں ایک تصور یہ ہے کہ دونوں زمین سے نکلنے والے خزانے ہیں، اب ایک دوسری مثال لیجئے جہاں ایک لفظ روزمرّہ کا نہیں ہے اور اس کی رعایت سے اس آیت کا دوسرا اور تیسرا لفظ بھی عام استعمال سے بلند ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا:

تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوسُفَ	بخدا (معلوم ہوتا ہے) تم سدا کے سدا
حَتّٰى تَكُونَ حَرَضًا اَوْ تَكُونَ	یوسف کی یادگاری میں لگے رہو گے
مِنَ الْهٰلِكِينَ	یہاں تک کہ گھل گھل کر دم بلب ہو
(یوسف : ۸۵)	جاؤ گے یا یہ کہ بالکل مرھی ہی جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں قسم کے لئے حرف ''تا'' استعمال فرمایا ہے (تا للہ) عام مستعمل الفاظِ قسم میں با اور واؤ ہے، (واللہ، باللہ) مگر حرف قسم تا بھی ہے جو اس جگہ استعمال ہوا ہے تاللہ، اس کا ربط غیر مستعمل لفظ ہلاک کے بجائے حرض لائے، اس طرح پوری آیت ایک ایسی عبارت کا ٹکڑا بن گیا جس کے ہر لفظ میں دوسرے لفظ سے مناسبت ہے، اور سب تقریباً غریب الاستعمال ہیں۔

سیرت نگارِ نبوی علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ موازنہ انیس و دبیر میں اس کی مثال انیس کے شعر سے دی ہے

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

اگر یہ کہتے کہ شبنم سے سبزہ اور بھی تازہ ہوا تو اوس کا لفظ مناسب نہ ہوتا، ''اوس'' کے لفظ کا تقاضہ تھا کہ ''کھا کھا کے سبزہ ہرا ہوا'' کہیں، دوسرے مصرعہ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

میں دامنِ صحرا کو موتیوں سے بھرا کہا، یہ نہیں کہا کہ شبنم پی پی کر ہر قطرہ موتی بن گیا جس سے صحرا بھرا ہوا تھا۔

ابنِ رشیق کے دو شعر ہیں:

اصح و اقویٰ ما سمعناہ فی الندی

من الخبر المأثور منذ قدیم

احادیث ترویھا السیول عن الحیا

عن البحر عن الأمیر تمیم

(سخاوت کی سب سے قوی سند وہ ہے جو روایۃً دہرائی جاتی ہے، وہ احادیث (قصے) جن کی روایت سیلاب کرتے ہیں بارش سے، بارش روایت کرتی ہے سمندر سے اور سمندر امیر تمیم کے ہاتھ سے)

ان دونوں اشعار میں مضمون صرف اس قدر ہے کہ امیر تمیم سخاوت میں دریا ہیں اور ان کا ہاتھ سیلاب کے مانند ہے، مگر الفاظ کی ایک دوسرے سے مناسبت اور احادیث کی اصطلاحات ایک کے بعد دوسری لانا شاعر کا فن ہے، ''زیادہ صحیح اور قوی سند''، ''خبرِ ماثور''، ''احادیث'' پھر ''عنعنہ'' یعنی روایت کیا سیلاب نے بارش سے اور بارش نے روایت کی سمندر سے اور سمندر نے امیرِ تمیم کے ہاتھ سے، یہ مناسبتیں فواصلِ آیات میں آتی ہیں جن کا ذکر میں نے باب دوم میں اسرارِ تکرار کے بعد کیا ہے۔

علامہ العزبن عبدالسلامؒ نے اسماء باری تعالیٰ کے بارے میں لکھا ہے جو آیات کے آخر میں بطورِ تتمہ کے آتے ہیں، اس کا سبب بڑی دل نشیں عبارت میں بیان کیا ہے، اس لئے اس کے عربی الفاظ، عربی داں حضرات کے لئے نقل کرتا ہوں:

وصف اللہ نفسہ بالربوبیۃ لیعبدوہ، وبالکمال لیمجدوہ،

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وبالجلال ليوقروه، وبالافضال ليشكروه، وبالجمال ليسبحوه، وبالكبرياء ليهابوه، و بالقرب منهم ليراقبوه، و بسمة الرحمة ليرجوه، و بشدة النقمة ليخافوه، وبالعظمة ليخضعوا لعظمته، وبالعزة ليتذللوا لعزته، والاحسان اليه ليرضوا عنه ، وبالاطلاع عليهم ليستحيوا منه، وبالتفرد بالهيبة لئلا يعبدوا سواه ، وبالتوحد بالنفع والضر لئلا يعتمدوا الا عليه، ولا يستندوا الا اليه، فتجلى لهم لعقابته ليحثهم بمعرفتها على التمسك بكتابة، والتخلق بآدابه، وقل ان توجد صفة من هذا الصفات الا وهى مناسبة لما قرنت به من احكام حاثة اوز اجرة عليه، ولكن تلك المناسبة تارة تكون ظاهرة جلية وتارة تكون باطنة خفية۔

علامہ العز بن عبد السلامؒ کی عربی تحریر کا ایک مختصر اقتباس پیش کیا گیا اور اس کے ترجمہ پر بدیع کی یہ فصل ہم ختم کرتے ہیں کیوں کہ اعجازِ قرآنی کا براہِ راست تعلق اس سے بہت کم ہے، اگرچہ اس فن پر کتابوں کے مطالعہ اور مثالوں کو دیکھنے کے بعد دل کا تقاضہ یہی تھا کہ اقسامِ بدیع پر لکھتا جاؤں مگر موضوع کی پابندی بھی ضروری ہے۔

علامہ العز بن عبد السلامؒ کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی شناخت اپنی صفتِ ربوبیت کے ذریعہ فرمائی تاکہ اس کے بندے اس کو پوجیں، اپنی صفتِ کمال سے آگاہ کیا ہے تاکہ اس کے بندے اس کی عظمت کے آگے سر جھکائیں، اپنی قوت و جبروت کے نشان دکھائے ہیں تاکہ خلق اس کی حمد و ثناء کر سکے، اپنے احسانات کا احساس دلایا ہے تاکہ لوگ اس کا شکر ادا کریں، اس کے جمالِ جہاں آرا کا ایک

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ذرہ پاکر اس سے محبت کریں، رحمت کی جھلک دکھائی کہ اس سے امیدیں قائم کریں، اپنے غضب کے آثار سے بھی مطلع فرمایا ہے تاکہ اس کی نافرمانی سے لوگ خوف کریں، اپنی عظمت کو جتلایا ہے تاکہ بندے اس کے آگے سرنگوں ہوں، اپنے احسانات کی جھلک دکھائی ہے تاکہ سب اس سے راضی رہیں، اپنے علم کی وسعت سے آگاہ کیا ہے تاکہ اس کو کسی لمحہ غافل نہ سمجھیں اور یہ جان کر کہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے معصیت سے شرمندہ رہیں کہ وہ دیکھ رہا ہے۔

اعجازِ قرآنی کے مختلف تصوّرات

تیسری صدی ہجری کے آخر سے معانی القرآن، مشکلات القرآن اور اعجاز القرآن کے عنوان سے مختلف کتابیں لکھی جارہی ہیں اور ان کا سلسلہ جاری ہے (۱) ان تمام علمائے نحو و بلاغت کا مقصد صرف ایک رہا کہ قرآن کریم کی بلاغتِ بیانیہ کو زیادہ سے زیادہ مثالوں سے واضح کیا جائے، پھر فنِ بلاغت اور بلاغت کی اقسام، معانی، بیان اور بدیع پر ذہنی کاوشیں صرف کی گئیں، ان میں سے ہر یک مستقل فن بن گیا اور دینی علوم میں دستگاہ حاصل کرنے کا ذریعہ ان علوم سے واقفیت قرار پایا، چنانچہ تمام مدارسِ دینیہ میں ایک مستقل مضمون بلاغت بھی ہے، عرب و عجم میں ہر قد اور ہر معیار کے طلبہ کے لئے اس فن پر کتابیں موجود ہیں، یہاں تک کہ لوگ بھول گئے کہ عربی زبان کی بلاغت کا

---

(۱) ابوعبیدہ النحوی اور الفراء نے تیسری صدی ہجری کے وسط میں اور ہمارے معاصرین کے دور میں دکتورہ عائشہ بنت عبدالرحمان مرحومہ جن کا قلمی نام بنت الشاطی تھا، ان کی تالیف ''الاعجاز البیانی للقرآن'' شاہد ہے کہ قرآن پاک کے اعجاز پر علماء اس وقت سے لے کر اب تک ہر زمانہ میں اپنی تحقیقات پیش کرتے رہے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پڑھنا اور سمجھنا صرف اس لئے ہے کہ قرآن کریم کے اعجاز کو سمجھ سکیں۔

اسلامی تاریخ کے ابتدائی عہد میں جو کتابیں مشہور ہوئیں ان میں چوتھی صدی ہجری میں ابوھلان العسکری کی ”کتاب الصناعتین فی النظم والنثر“۔

پانچویں صدی ہجری کے طلبۂ قرآن کے بڑے محسن شیخ عبد القاہر جرجانیؒ ہیں جن کی کتاب علم المعانی میں ”دلائل الاعجاز“ اور علم البیان میں ”اسرار البلاغة“ اور خاص اعجاز قرآن کے اہم مباحث پر مشتمل رسالہ ”الشافیة“ ہے جس میں منکرین یہود و نصاریٰ کے ہفوات کا جواب ہے۔

اس فن کی چار کتابیں معیار کا درجہ رکھتی ہیں:

کتاب کا نام	مصنف	کیفیت
۱۔بیان اعجاز القرآن	ابوسلیمان حمد بن ابراہیم الخطابی	امام خطابی یا علامہ خطابی کے لقب سے مشہور ہیں، ولادت ۳۱۹ھ، وفات ۳۸۸ھ
۲۔اعجاز القرآن	ابوبکر محمد الطیب الباقلانی	باقلانی کے نام سے مشہور ہیں، تاریخ و سن ولادت لامعلوم، وفات ۴۰۳ھ
۳”کتاب النکت فی اعجاز القرآن الکریم“	ابوالحسن علی بن عیسی الرمانی	ولادت: ۲۹۶ھ وفات: ۳۸۹ھ
۴۔الشافیة	عبدالقاہر الجرجانی	ولادت: نامعلوم وفات: ۴۷۱ھ

غالباً ۱۹۹۶ء میں اسکندریہ یونیورسٹی کے دو استاذ محمد خلف اللہ احمد اور

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ڈاکٹر محمد زغلول سلام نے رمانی، خطابی اور جرجانی کے تینوں رسالوں کو اپنی تحقیق وتصحیح کے ساتھ یکجا شائع کیا ہے، باقلانی کو اس مجموعہ میں شامل نہیں کیا ہے، شاید اس لئے کہ محمد خلف اللہ احمدان پر مستقل مقالہ لکھ چکے ہیں (۱)

رمانی کا رسالہ ''النکت فی اعجاز القرآن'' ڈاکٹر عبدالعلیم صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے بمبئی سے شائع کرایا تھا، جس میں طباعت کی غلطیاں بے شمار تھیں، اس کے علاوہ تصحیف (نقل کرنے والے کی غلطیاں) اور بعض مقامات پر خود رمانی کی عبارت میں گنجلک الفاظ آگئے تھے، ان کی تصحیح اور دوسرے نسخوں سے مقابلہ کر کے تصحیح شدہ نسخہ راقم نے مرتب کیا تھا جسے دار العلوم ندوۃ العلماء کی نصابی کمیٹی نے شائع کرایا ہے۔

بہر حال آئندہ اوراق میں ہم انہی چار رسالوں کے مضامین کی تلخیص پیش کریں گے۔ اگر چہ ان تمام علمائے بلاغت کے نظریات کو جمع کرنے سے ایک عیب پیدا ہو گیا کہ ایک مضمون کی کئی جگہ تکرار ہو گئی ہے، مثلاً صرفہ کا مضمون، تحدی و اعلان کی نوعیت وغیرہ۔

---

(۱) یہ مقالہ جس میں باقلانی کے تصوراتِ اعجاز پر بحث ہے، میں نے نہیں دیکھا، اس کا ذکر ''ثلاث رسائل فی الاعجاز'' کے متون میں ہے۔ ع، ع، ن۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ابو سلیمان حمد الخطابی (م ۳۸۸ھ)

ایک بڑے عالم، عربی کے جملہ علوم سے واقف، صاحبِ قلم اور محدث بزرگ تھے، پورا نام ابو سلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی تھا، الخطابی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بھائی زید بن الخطّاب کی طرف نسبت ہے، آپ کے نام کے ساتھ ''البُستی'' بھی لکھا جاتا ہے، ڈاکٹر محمد زغلول سلاّم کی تحقیق ہے کہ یہ قصبہ بُست جو کابل کے اطراف میں واقع ہے جس طرح ہندو پاک کی سرزمین سے اٹھنے والے بے شمار محدث، عالم فقیہ اور ادیب ہوئے ہیں اسی طرح افغانستان کے اس علاقہ میں بزرگانِ علم و ادب پیدا ہوئے۔

علامہ خطابی سنی عالم تھے، فنِ حدیث پر متعدد شرحیں اور اسماء الحسنی کی تحقیق پر ان کی کتابیں ہیں، یہ کسی نے نہیں لکھا کہ وہ شافعی تھے یا حنفی، حنفی ہونے کا زیادہ گمان ہے کیوں کہ اس پورے علاقہ میں یہی مسلک رائج تھا۔

علامۃ الخطابی رحمۃ اللہ علیہ نے دراصل اس مسئلہ کو اپنا موضوع بنایا ہے کہ سببِ اعجاز کیا ہے، یا یوں کہئے کہ قرآن کن معنوں میں معجزہ ہے جس کی تحدی کی گئی ہے اور اس کے تعین نہ ہونے کی وجہ سے اہلِ علم اعجازِ قرآنی کی اصل روح کو نہ سمجھ سکے۔

علمائے تفسیر کی بڑی جماعت کا رجحان یہ ہے کہ قرآنی پیشن گوئیاں معجزہ ہیں، اور یہ سب کو تسلیم ہے، مگر یہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی معجزانہ خصوصیات ہیں، کیوں کہ قرآن کریم کی ہر سورت میں پیشن گوئی نہیں ہے اور معجزہ کا دعویٰ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پورے قرآن کے بارے میں ہے۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے اس لئے ''صرفہ'' کا عقیدہ قبول کیا ہے تاکہ قرآن کی تحدّی پر حرف نہ آئے، صرفہ کی مثال یہ ہے کہ کوئی نبی یہ کہتا کہ میں اپنے ہاتھ پاؤں کو حرکت دے سکتا ہوں مگر تم ایسا نہیں کر سکتے حالاں کہ تم سب تندرست ہو، یہ عقیدہ اس لئے سراسر غلط ہے کہ قرآن کریم نے تحدی یہ کی ہے کہ جن وانس مل کر بھی کوشش کریں تو قرآن کا مثل پیش نہیں کر سکتے۔ اس امر میں سعی وکوشش کو دخل تھا۔ کہ عرب زبان داں، سخن فہم، ذوق و ذہانت میں بے مثال قوم ہیں وہ اگر کوشش کریں اور تنہا نہیں سب مل کر، انسان ہی نہیں جن کو بھی اپنے زمرہ میں شریک کرلیں تو بھی قرآن جیسا کلام نہیں پیش کر سکتے، یہاں کاوش وجدو جہد کا دخل ہے اور صرفہ میں لاچاری و بے بسی کی کیفیت ہے، جیسے کسی فالج زدہ شخص کو کوئی جوان کہے کہ دیکھو میں دوڑ سکتا ہوں تم دوڑ نہیں سکتے۔ تو دوڑنے والے کی کوئی کرامت اور نہ دوڑنے والے مفلوج کا کوئی عجز نہ ہوگا۔

علامہ خطابیؒ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ بات ہر ایک کو تسلیم ہے کہ اصل معجزہ قرآن کی بلاغت ہے جس کے بارے میں قرآن نے چیلنج کیا ہے:

فَأْتُوْ بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَاءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (البقرۃ : ۲۳)

پھر تم بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کے ہم پلہ ہو اور بلالو اپنے حمایتیوں کو جو خدا سے الگ (تجویز کر رکھے) ہیں اگر تم سچے ہو۔

اس آیتِ کریمہ میں کوئی تعین نہیں فرمایا گیا ''بسورة من مثله'' (بس ایک سورت جو اس جیسی ہو) میں ''مثل'' بلاغت وبدیع کی طرف اشارہ ہے یا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

حکمت و مصلحت مراد ہے، یا معنی کی گہرائی اور عبارت کی دلکشی مقصود ہے؟

اور اگر بلاغت ہے تو کس قسم کی بلاغت درکار ہے؟ ہم اپنی زبان میں بے شمار اسالیبِ بلاغت پاتے ہیں، کہیں قافیہ وفواصل سے اور کہیں سادگی، سچائی اور بات کی ہمواری کی وجہ سے بھی بلاغت پیدا ہوتی ہے اور کہیں اعلیٰ درجہ کے احکام کو ہر شخص کے ذہن سے قریب (ادنی) کرنا بلاغت ہے، بلاغت کے متعدد درجات مقاصدِ کلام کے لحاظ سے قائم ہیں، محسناتِ لفظیہ، جناس، اقتباس، سجع وقوافی اور معنوی لحاظ سے توریہ، طباق، مقابلہ، حسنِ تعلیل وغیرہ۔

علامہ خطابیؒ کہتے ہیں کہ ہر لحاظ سے قرآن کریم بلیغ ہے، اس کی شان بلاغ ہے، آوازۂ حق کو دل میں اتار دینا اس کا ہدف ہے، دل میں جس طرح بات اتر جائے وہ قرآن کا پیام بھی ہے اور اندازِ کلام بھی، کسی ایک اسلوب کی قید نہیں ہے، قید صرف اس بات کی ہے کہ انسان کا دل اس کی بات کو سمجھ لے اور قبول کرلے، اور پڑھ کر سن کر اس کا دل عظمتِ خداوندی سے سرشار ہو جائے، ہر تارِ نفس حرکت میں آجائے، اور اللہ تعالیٰ کے آگے اس کا سر جھکنے سے پہلے دل جھک جائے، اس کی مثال پیش کرنا انسان کے لئے اسی طرح محال ہے جس طرح کسی معمولی سے معمولی کیڑے میں وہ جان نہیں ڈال سکتا، ایک پروانہ جیسی روح چند لمحات کے لئے بھی کسی کو نہیں دے سکتا، اسی طرح قرآن جیسی ایک آیت بنانا اس کے لئے ناممکن تھا، ناممکن ہے اور قیامت تک ناممکن رہے گا۔

قرآنِ کریم نے اسی کی تحدی کی تھی کہ اے انسانو! تم بڑے بڑے محل بنا سکتے ہو، بلند ترین پہاڑوں کی چوٹیوں پر جاکر اپنی فتح مندی کا جھنڈا گاڑ سکتے ہو، مگر قدرتی پہاڑ کا ایک پتھر خود نہیں بنا سکتے، کوئی ذی روح پیدا نہیں کرسکتے کفارِ قریش جو قرآن کریم کے اول مخاطب تھے اگر ایسا کرسکتے تو کیوں جنگوں کی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مصیبت اٹھاتے؟ اپنی قوم کے بچوں کو یتیم اور عورتوں کو کیوں بیوہ ہوتے دیکھتے؟ سیدھے سیدھے کہہ دیتے کہ یہ لو قرآن کی آیتیں میں نے بنا دی ہیں جس سے معلوم ہوتا کہ دعوائے نبوت کا سارا ہنگامہ غلط اور جھوٹ پر قائم ہے، مگر وہ لوگ جن کی مادری زبان عربی تھی اور زبان کی نوک پلک کو سمجھتے تھے جیسا کہ دوسروں کے اشعار پر ان کی تنقیدوں اور اعتراضات و تصحیحات سے ظاہر ہوتا ہے، نیز وہ خود کم جھگڑالو نہیں تھے، جھگڑوں میں بڑی زبان آوری اور زبان درازی کی ضرورت ہوتی ہے، زبان پر اس سطح کی قدرت کا اعتراف خود قرآن نے کیا ہے:

مَاضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ (الزخرف : ۵۸)	ان لوگوں نے جو یہ (مضمونِ عجیب) بیان کیا ہے تو محض جھگڑے کی وجہ سے، بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔

اور ایک جگہ فرمایا:

وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا (مریم : ۹۷)	اور (نیز) اس سے جھگڑالو آدمیوں کو خوف دلا دیں۔

لہٰذا ایسی قوم جس کو اپنی زبان پر ناز ہو اور جس کو قرآن نے بھی تسلیم کیا ہو اس کو چیلنج (تحدی) کی گئی اس زبان کی جس کے وہ ماہر تھے اور جس میں کوشش کرنا ان کے بس کی بات تھی اور صرفہ میں تو کسی کاوش کی ضرورت ہی نہیں ہے جس کا چیلنج دیا جاتا۔

اور یہ جو بات بشریت کے حدود سے بلند ہے اس میں اس کا اظہار ہے کہ علمِ انسانی محدود ہے۔ علمِ انسانی کا محدود، عربی الفاظ و اسماء جن معانی کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں ان سب سے واقفیت انسان کو حاصل نہیں ہے،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

الفاظ کی مثال ایک ظرف (برتن) کی ہے جو معانی کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے، انسانی عقل وعلم ان تمام معانی پر محیط نہیں ہے جن کو الفاظ کے ظروف متحمل ہیں ان الفاظ کے باہمی ربط سے جو معانی پیدا ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں ان سے لفظ ومعانی اور ان کے درمیان ربط قائم کرنے والی قوت سے پوری طرح واقفیت ہمیں حاصل نہیں ہے جس سے اچھے اور کمتر، اعلیٰ اور اعلیٰ تر کے درمیان ہم یکساں طور پر فرق کرسکیں، بلاشبہ کلام ان تین اجزاء کا مجموعہ ہے۔ لفظ حامل، معنی به قائم، رباط لها ناظم، (یعنی لفظ، معنی اور ترکیب) حامل کے معنی عربی میں وہ ظرف یا جگہ ہے جہاں کوئی دوسری چیز رکھی جائے۔ مثال کے طور پر عود کی لکڑی خوشبو کے لئے جلائی جاتی ہے لہٰذا جو ظرف اس کے لئے استعمال ہوتا ہے اس کو حامل کہتے ہیں ''حامل عود'' اسی طرح وہ عورت جس کے پیٹ میں بچہ پرورش پاتا ہے اس کو حامل کہا جاتا ہے۔ اگر سر پر اپنے کوئی بوجھ اٹھائے ہوئے ہو اس عورت کو حاملہ کہیں گے کیوں کہ یہ کام مرد بھی کرسکتا ہے کہ اپنے سر پر بوجھ اٹھالے، مگر پیٹ میں بچہ پالنا صرف مادہ کی خصوصیت ہے اس لئے تائے تانیث کی ضرورت نہیں جیسے: حائض، طالق وغیرہ)

لہٰذا اگر لفظ کے صحیح اور متعدد معانی اور ان کے استعمال کا علم ہو تو قرآن کریم کے اصل متن سمجھنے میں آسانی ہوسکتی ہے اور اس وقت اندازہ ہوگا کہ قرآنی لفظ سے بہتر، معانی کے لحاظ سے بھرپور دوسرا لفظ نہیں ہوسکتا تھا، یعنی اگر قرآنِ کریم میں وارد لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دیا جائے تو مفہوم کی وہ وسعت، عبارت کی وہ دل کشی اور معانی کی وہ جاذبیت نہیں ہوسکتی جو قرآن کے نازل شدہ لفظ میں ہے۔

متنِ قرآنی کی یہ تینوں خصوصیات لفظ کی فصاحت، مطلوبہ معانی پر مکمل

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دلالت ترکیبِ جملہ میں ان تمام خوبیوں کا جمع ہونا جو دوسرے کلام میں یکجا نہیں ملتیں اور جملوں کا آپس میں ایسا ربط کہ جس سے معلوم ہو کہ چھت کی ایک کڑی دوسری کڑی سے انتہائی موزوں شکل میں مربوط ہے اور یہ پورا مجموعہ یکجا پایا جانا اس ذات کے کلام میں دیکھا جاسکتا ہے جس کے بارے میں خود اس کا ارشاد ہے:

اَنَّ للّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْئٍ عِلْماً — اور اللہ ہر شئ کو (اپنے) احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے۔

(الطلاق: ۱۲)

اور

وَ اَحْصٰی کُلُّ شَیْئٍ عَدَدًا — اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے

(الجن : ۲۸)

علامہ خطابی اس تمہید کے بعد لکھتے ہیں کہ: یہ بات اچھی طرح سمجھ لو۔ اور جان لو کہ قرآن اس لحاظ سے معجزہ ہے کہ وہ فصیح ترین الفاظ سے، حسین ترین بندش (ترکیب) سے اور اعلیٰ ترین معانی کی طرف مکمل رہنمائی کرنے والے الفاظ سے لبریز ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے جن منکرین وشیاطین کی طرف اشارہ فرمایا کہا جاتا ہے کہ ان میں ولید بن مغیرہ المخزومی بھی تھا، وہ قرآن پر غدر کرتا اور اپنے چھکے پنجے لگاتا کہ کسی طرح اس کو باطل قرار دے، بالآخر وہ ہار مان کر کہنے لگا یہ قرآن صرف انسانی کلام ہے:

اِنْ ھٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ — پس یہ تو آدمی کا کلام ہے

(المدثر: ۲۵)

محض جہل وعناد کی بنیاد پر قرآن کریم کے اعلیٰ ترین طرز خطاب کو فراموش کیا کرتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

إِنَّهُ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ إِنْ هٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝

(المدثر :۱۸۔۲۵)

اس شخص نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی، سواس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی، (اور) پھر (مکرر) اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی، پھر (حاضرین کے چہروں کو) دیکھا پھر منہ بنایا اور زیادہ منہ بنایا، پھر منہ پھیرا اور تکبر ظاہر کیا، پھر بولا کہ بس یہ تو جادو ہے (جو اوروں سے) منقول (ہے) پس یہ تو آدمی کا کلام ہے۔

بہر صورت ان کے انکار میں بھی اقرار پوشیدہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے اور پھر اس کو سحر بھی کہتے ہیں جو ان کے دماغ پر اثر انداز ہو جاتا ہے، یعنی اثر اندازی کا اعتراف ہے پر سبب کا انکار ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اس کا سبب جادو قرار دیتے ہیں، ''کوئی راتوں رات آ کر پڑھا جاتا ہے'' اس طرح کی ہفوات بکتے رہتے ہیں، یہ خود اپنی جگہ پر اس کی اثر اندازی کا اعتراف ہے۔ والحمد للہ

علامہ خطابی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

جاننا چاہئے کہ بلاغت کی ایسی نوعیت جس کی یہ صفتیں ہوں، لفظ کا انتخاب، دوسرے الفاظ کے ساتھ متناسب معانی کا عقلِ انسانی سے بلند پایہ ہونا، اس طرح کہ اگر ان کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے، یا آگے پیچھے کر دیا جائے تو اس کی شیریں بیانی ختم ہو جائے اور معانی میں وہ باریکی نہ پائی جائے جو اصل کلام اللہ میں ہے ،اس کا ایک سبب خاص یہ ہے کہ لفظ اپنی نوعیت کے لحاظ سے خاص معنی رکھتا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

، دوسرا لفظ اس کی جگہ نہیں لے سکتا، حالانکہ اکثر اہلِ علم اس کو مرادف سمجھتے ہیں (۱) جیسے: علم و معرفت دونوں کو لوگ ایک ہی معنی کے دو لفظ سمجھتے ہیں، اسی طرح حمد و شکر، بخل و شح، نعت و صفت، یا جیسے آپ کہیں: اقعد یا اجلس دونوں کا مفہوم ایک سمجھا تا ہے، بلی اور نعم، ذلك اور ذك، من اور عن، سب کو یکساں، ہم معنی سمجھنے کا رواج پڑ گیا ہے۔ حالاں کہ ہر لفظ اپنی جگہ پر مستقل حیثیت رکھتا ہے اور انفرادی معنی رکھتا ہے، اگر چہ بعض مقام پر دونوں کو ہم معنی سمجھ کر لوگ بولنے یا لکھنے لگتے ہیں مگر خلاقِ نطق کی کتاب میں اس کی مکمل رعایت ہے۔

مثال کے طور پر اوپر جو چند الفاظ دیئے گئے ہیں ان میں سے ہر ایک لفظ ایک مستقل معنی رکھتا ہے، بعض مقامات پر دونوں میں سے ایک کو اس طرح استعمال کر لیتے ہیں جیسے یہ دونوں لفظ مرادف ہوں، مثلاً علم و معرفت کے درمیان فرق ہے آپ کہیں: '' عَرفتُ '' اس کے معنی ہوں گے آپ نے کسی شئی کو جان لیا، اس سے ناواقف نہیں ہیں، یہ لفظ صرف ایک مفعول چاہتا ہے، جیسے کہیں: '' عَرفتُ زیدا '' میں نے زید کو جان لیا، لیکن لفظ علم اس کی جگہ نہیں بولا جاسکتا کیوں کہ اس کے لئے دو مفعول ضروری ہیں، آپ کہیں گے: علمت زیدا عاقلا اسی طرح معرفتِ الٰہی کے لئے لفظ عرفت اس کی توحید کو بیان کرنے کے لئے بولا جائے گا، وہاں آپ عرفتُ الله ، عرفت ربی کی جگہ علمت الله ، علمت ربی نہیں بولیں گے البتہ دوسرا مفعول بھی لے آئیں مثلاً یہ کہیں: علمت ربی حفیظا ، علمت ربی عادلا ، کیوں کہ علم کی ضد جہل ہے اور معرفہ کی ضد '' نکرہ ''، کسی شئی کی حقیقت کو نہ سمجھنا، جیسے اس

---

(۱) مرادفات کی بحث ابوہلال العسکری نے کتاب الصناعتین میں بہت اچھی لکھی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کوکوئی جانتا ہی نہ ہو، اسی طرح حمد اور شکر کہیں مشترک مفہوم رکھتے ہیں اور کہیں ایک دوسرے سے علاحدہ، کیوں کہ حمد کسی احسان کے مقابلہ میں کہتے ہیں، یعنی اللہ کا شکر اس کی نعمت کے مقابلہ میں، (الحمد لله على نعمتهٖ اى الشكر لله عليها) اور اکثر شکر، حمد سے مختلف معنی نہیں رکھتا ہے، اگر لفظ ''حمد'' سے بات شروع کی جائے تو اس کا مفہوم ثناء ہوگا (الحمد لله کا مطلب ہوگا الثناء لله) اور ''شکر'' کسی عطیہ اور انعام کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، جیسے ہم حمدت زیداً اس وقت کہیں گے جب زید کے اخلاق و کرم اور اس کی بخشش و عطیات کا ذکر ہو، خواہ بولنے والے کو اس سے کوئی حصہ ملا ہو یا نہ ملا ہو، مگر ''شکر'' اس وقت کہیں گے جب شخصِ مشکور سے کوئی انعام ملا ہو۔ (۱)

علامہ خطابیؒ کہتے ہیں کہ ان الفاظ میں سے ہر لفظ کی ضد دیکھ لیجئے، مفہوم واضح ہو جائے گا، حمد کی ضد ذم ہے اور شکر کی ضد کفر ہے، حمد کا استعمال محبوب و مکروہ (پسندیدہ و ناپسندیدہ) دونوں کے لئے روا ہے مگر شکر صرف پسندیدہ کے لئے ہوگا (مثال کے طور پر ایک اثر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''الحمد لله الذى لا يحمد على مكروه سواه'' سب تعریف اس کی ہے جس کے علاوہ کوئی ویسا نہیں ہے کہ کسی ناپسندیدہ یا افتاد کے وقت اس کی حمد کی جاتی ہو۔ (۲) املاء ما منّ به الرحمن للعبكرى۔

شح اور بخل کے درمیان فرق ہے، بعض لوگوں نے بخل کے معنی ''منع الحق'' سمجھا ہے یعنی حق کی ادائیگی نہ کرنا جو ظلم ہے اور شح اس کیفیت کا نام

---

(۱) درحقیقت حمد، ثناء، شکر معنوی لحاظ سے مشترک ہیں، ان کے درمیان بہت باریک فرق ہے، حمد سب سے افضل جو ثناء اور شکر دونوں کا مفہوم رکھتا ہے، حمد کی ضد ذم ہے اور شکر کی ضد کفر (ناشکری) ہے، تحقیق کے لئے ثعالبی کی فقه اللغة، ابن درید کی الالفاظ الكتابية اور ابن الفارس کی مقاييس اللغة کا مطالعہ مفید ہوگا۔

ہے جو اپنی جیب سے نکالتے وقت تکلیف ہوتی ہے، اس لئے کہا جاتا ہے:
''الشحیح اعذر من الظالم'' جس شخص کے اندر شح کا مادہ ہو وہ ظالم سے زیادہ معذور سمجھا آئے گا، کیوں کہ ظالم کسی اندرونی جذبہ کے ماتحت اپنے آپ کو معذور نہیں پاتا اور شحیح اپنے اندر ایسی کیفیت پاتا ہے جو اس کو مال نکالنے کے وقت محسوس ہوتی ہے۔

علامہ خطابی کہتے ہیں کہ میں نے اہلِ لغت کے برخلاف ان دونوں الفاظ کے درمیان فرق کو سمجھا ہے جو اس مفہوم کے برعکس ہے، حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایتوں میں ہے:

حدثنا احمد بن ابراهيم بن مالك قال : نا عمر بن حفص السنوسی قال : ناالمسعودی عن جامع بن شداد عن ابی الشعثاء قال : قلت لعبد الله ابن مسعود۔ ترجمہ سند کے بعد:

حضرت ابوالشعثاءؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے کہا: اے ابوعبدالرحمان مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں مارا گیا (انی اخاف ان اکون قد هلكت) فرمایا ابنِ مسعودؓ نے) وہ کیوں کر؟ عرض کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سناوہ فرماتا ہے:

وَ مَنْ يُوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر: ۹)	اور (واقعی) جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جاوے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اور میں شحیح قسم کا آدمی ہوں، میرے پاس سے کچھ بھی نہیں نکلتا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وہ شح نہیں ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے شح یہ ہے کہ اپنے بھائی کا مال ظالمانہ طریقہ پر لے کر کھاؤ (بھائی سے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مطلب کوئی مسلمان) مگر تمہارے اندر جو کیفیت ہے وہ بخل ہے اور بلاشبہ بخل بد ترین خصلت ہے۔

نعت اور صفت کے درمیان فرق ہے، صفت عام ہے اور نعت مخصوص ترین تعارف کا لفظ، جیسے آپ کہیں: زید عاقل و حلیم و عمر و جاھل و سفیہ، اسی طرح آپ کہیں گے: زید اسود و ذمیم و عمر و ابیض و جمیل ان الفاظ کا اطلاق ان صفات پر ہوگا جو کبھی ختم نہ ہو سکیں اور نہ ان میں کوئی تبدیلی کبھی رونما ہو، جیسے: قد کی لمبائی یا کوتاہی، رنگ کا گورا ہونا یا سانولا ہونا وغیرہ۔(۱)

رہا لفظ "اقعد" اور "اجلس" ان دونوں کے فرق کو ظاہر کرنے کے لئے میں ایک واقعہ نقل کرتا ہوں، نضر بن شمیل خلیفہ مامون الرشید کے دربار میں حاضر ہوئے، سلام کر کے سامنے کھڑے ہو گئے، مامون نے کہا: اجلس، نضر نے عرض کیا: امیر المومنین میں کوئی لیٹا ہوا نہیں ہوں کہ اٹھ بیٹھوں، مامون نے کہا تو اس موقع پر کیسے کہو گے؟ عرض کیا: یہاں حکم دیا جائے گا اقعد، (یعنی اگر کوئی سو رہا ہو یا لیٹا ہوا ہو اس کو بیٹھنے کو کہاں جائے تو اجلس کہیں گے اور اگر کوئی کھڑا ہے اس کو بیٹھنے کے لئے اقعد کہا جائے گا۔)

آپ بلی اور نعم دونوں ایجاب کے معنی میں استعمال کرتے ہیں مگر

---

(۱) حضرت شیخ احمد سرھندی اپنے مکتوبات (مکتوب نمبر ۹) میں از راہ تواضع اپنے شیخ کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: "کل ماںفعلہ القبیح قبیح" مصداق ایں سخن است ز گندم جوز جو گندم نیاید مرض او ذاتی است علاج نمی پذیرد دوائے او اصلی است قبول دوائی کند، ما بالذات لا ینفک عن الذات سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ است یعنی ایک بُری فطرت کا آدمی جو بھی کرے گا وہ برابر ہوگا، یہ بات اس طرح ہے جیسے کہا جائے کہ گندم سے جو اور جو سے گندم نہیں پیدا ہوتا، میں وہ ہوں جس کی بیماری اصلی ہے دوا قبول نہیں کرتی، جو چیز کہ ذات کے اندر داخل ہو ذات سے جدا نہیں ہو سکتی، حبشی سے سیاہی دور نہیں ہو سکتی کیوں کہ وہ اس کا اصلی رنگ ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بلی وہاں کہتے ہیں جہاں آپ سے سوال حرفِ نفی سے کیا جائے۔ کیا تم نے یہ سب نہیں کیا؟ جواب میں کہے گا: بلیٰ، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الست بربکم قالوا بلی (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں) اور جہاں استفہام ہو اور ھل سے سوال کیا گیا ہو وہاں نعم کہیں گے، جیسے:

فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ (الاعراف: ۴۴)

سو تم سے جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا تم نے بھی اس کو مطابق واقع پایا، وہ کہیں گے: ہاں

الفرّاء نے کہا بلی صرف اسی جگہ لکھا یا بولا جائے گا جب کہ سوال کا ایک رُخ نفی کا ہو، فراء نے کتاب المعانی میں لکھا ہے کہ اگر ''ذریۃ'' نے بلی کی جگہ نعم کہا ہوتا تو سب کافر ہو جاتے (کیوں کہ الست بربکم میں ایک رُخ نفی کا ہے۔)

ذاك اور ذلك میں فرق یہ ہے کہ ذلك سے حوالہ یا اشارہ اس شخص یا شئ کی طرف ہوگا جو قریب ہو اور ذاك سے اشارہ یا حوالہ اس شخص یا شئ کی طرف دیا جائے گا جو دور ہو۔

حرف من اور عن بعض مقامات پر جداگانہ معنی پیدا کرتے ہیں، مثال کے طور پر آپ کہیں گے: اخذت منه مالا، یہاں پر اخذت عنه مالا کہیں تو جملہ بے ترتیب رہ جائے گا اور یہ معنی ہوں گے کہ میں نے فلاں شخص کی نیابت میں اس کی طرف سے مال وصول کیا، اسی طرح اگر آپ کہیں: سمعت منه کلاما اس کا مطلب ہے کہ میں نے فلاں شخص کی زبان سے سنا اور اگر یہ کہیں: سمعت عنه حدیثا تو اس کا مطلب ہوگا اس کی یہ بات مجھ تک پہنچی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

(خواہ کسی فرد یا جماعت کی زبانی ہو)

علامہ خطابی نے من اور عن کے درمیان فرق واضح کرنے کے لئے ایک اور روایت نقل کی ہے، وہ حسب معمول محدثین کے طریقہ پر حدثنا، قال حدثنا، قال حدثنا کے ساتھ سند نقل کرتے ہیں، انہوں نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جعفر بن سلیمان نے مالک بن دینار سے روایت کی کہ ابوالعالیہ الریاحی سے ایک شخص نے کہا: اے ابوالعالیہ! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (الماعون: ۴،۵)	ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے، جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں (یعنی ترک کردیتے ہیں)

کا کیا مفہوم ہے؟ "ساھون" سے کون لوگ مراد ہیں اور سہو کیا ہے؟ انہوں نے کہا "ساھی" وہ شخص ہے جو نماز پڑھنے میں یہ بھول جائے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھیں ہیں اور کتنی باقی ہیں، دو یا ایک، اس شخص نے کہا: مه یا ابا العالیة، ابوالعالیہ ذرا ٹھہرو (ایسی بات نہیں ہے) "ساھون" سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کا وقت فراموش کردیتے ہیں یا ان سے فراموش ہو جاتا ہے، دیکھو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: عن صلاتھم اپنی نمازوں (اس کے وقت کے داخل ہونے کو) بھول جاتے ہیں اور اگر وہ بات ہوتی جو تم کہہ رہے ہو کہ جو لوگ بھول جاتے ہیں کہ ابھی دو رکعتیں باقی ہیں یا ایک رکعت، اس صورت میں کہا جاتا فی صلاتھم یعنی عن کے بجائے فی آتا۔

اس کی نظیر (یعنی عن کا استعمال) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ

(الزخرف : ٣٦)

اور جو شخص اللہ کی نصیحت (یعنی قرآن) سے اندھا بن جاوے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، سو وہ (ہر وقت) اس کے ساتھ رہتا ہے

یہ القتبی کا استدلال ہے، علامہ خطابی اس کو صحیح تسلیم نہیں کرتے، کیوں کہ اعشو عنه اور اعشو الیه دونوں کا مفہوم یکساں ہے، یہاں پر عن نے کوئی امتیازی معنی نہیں دیئے ہیں،(۱)

جب میری ہم سایہ (خاتون) سامنے آتی ہے تو میری آنکھ اس وقت تک کام نہیں کرتی جب تک کہ وہ پسِ دیوار نہ ہو جائے۔آنکھ کام نہیں کرتی ''اعشو'' کا ترجمہ کیا ہے (ملاحظہ ہو: حاشیہ کشاف قول احمد المنیری) بہر حال بقول علامہ خطابی حروف جر کے صلات سے معانی کا بدلنا اور کس اسم کے لئے کون سا مناسب فعل اور اس کے لئے مناسب حرف (صلہ) کیا ہوگا ایک بہت ہی نازک مسئلہ ہے، قرآن کریم کی معجز بیانی ہے کہ ہر اسم کے لئے وہی فعل اور ایسا ہی حرف وارد ہوا ہے جو ٹھیک معنی دے اور مفہوم ادا کرنے میں کوئی

---

(۱) عشی بکسر الشین : بصره اذا اصابته الآفة، عشا، عشوت ؟ عن : لم ينبع بصره بكثرة النار او الضوء یعنی تیز روشنی کے سامنے آنکھ چکا چوند ہو جاتی ہے وہ دیکھ نہیں سکتا گویا اندھا ہو جاتا ہے، حطیئہ کا مصرع ہے:

متی تاتیه تعشوا الی ضوء ناره

اور حاتم الطائی کا شعر زیادہ واضح معنی دیتا ہے اور عربی معاشرت کا ایک رُخ بھی بتاتا ہے اور حسن بیان کا اچھا حسین ہے:

اعشو اذا ماجا رتی برزت
حتی يواری جارتی الخدر

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

لغزش نہ ہو۔

عبد العزیز بن محمد المسکنی حضرت اسحاق بن ابراہیم سے، وہ ابن المبارک سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبد الرحمان بن عوسجہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک بدوی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: علمنی عملا یدخلنی الجنة مجھے ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں لے جائے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اعتق النسمة و فك الرقبة ایک جان کو آزاد کرو، ایک گردن کو کھول دو (یعنی اس کی گردن سے زنجیرِ غلامی اتار دو) اس بدوی نے عرض کیا: کیا دونوں ایک ہی بات نہیں ہے؟ فرمایا: (ﷺ) نہیں "عتق النسمة" یہ ہے کہ تنہا تم اس کی گردن کی قیمت دے کر کے آزاد کر دو اور "فك الرقبة" یہ ہے کہ ایک شخص کو آزاد کرنے میں جو خرچ آئے اس میں تم بھی شریک ہو جاؤ۔ یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کس طرح دو ایسی باتیں جن کا مقصد ایک ہی سمجھا جاتا تھا آپ ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا کہ دونوں کا مقصد علاحدہ علاحدہ سمجھ میں آ گیا۔

مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے ایک بار الکسائی اور سیبویہ دونوں کو جمع کیا، سیبویہ نے الکسائی کے سامنے ایک نحوی مسئلہ پیش کیا کہ آیا یہ کہنا صحیح ہوگا:

"کاد الزنبور یکون العقرب فکانه ایاها او کانها ایاه"

زنبور (جب ڈستا ہے) اس کی تیزی ایسی لگتی ہے کہ گویا وہ بچھو ہے، اب یہاں پر کانه ایاها کہا جائے گا یا کانها ایاه، الکسائی نے اس کو جائز ٹھہرایا کہ کانه هی - کانها هو کہا جائے مگر سیبویہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا، ہارون الرشید نے اطرافِ ملک کے نحویوں کو بلایا جو دربارِ عالی کے مصاحبوں میں تھے اور وہیں رہا کرتے تھے، الکسائی اور سیبویہ کو بھی اس مجلس میں شریک کیا اور یہی سوال

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دہرایا، لوگوں نے سیبویہ کے قول کی تائید کی اور الکسائی کی دلیل تسلیم نہیں کی، کہا جاتا ہے کہ سبب یہ ہے حرف ''ایّا'' موضع نصب میں استعمال ہوتا ہے مگر اس جملہ میں وہ حالتِ رفع میں ہے اس لئے نصب جائز نہ ہوگا اور اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ عربی نحو اور لفظ کو صحیح مقام پر استعمال کرنا آسان نہیں ہے، یہ قرآن کی معجزانہ شان ہے اس نے جو بات کہی ہے اور جس طرح کہی ہے اس میں ان امور کی پوری رعایت ہے جو بعد میں آنے والے ماہرینِ نحو و بلاغت کا موضوعِ بحث بن سکے۔

علامہ خطابیؒ کہتے ہیں کہ علمِ نحو و بیان کے ماہر بہت سے علماء ایسے گذرے ہیں جنہوں نے تفسیر قرآن کو جرأت کا کام سمجھا ہے اور ڈرتے رہے ہیں کہ کہیں ایک حرف کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے خود بھی گمراہ ہوں اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں، اصمعی جو مفرداتِ لغت میں امامت کا درجہ رکھتے تھے اور قبائلِ عرب نیز بدوؤں میں مل جل کر رہتے تھے کہ لفظ عربی کا صحیح استعمال سمجھیں وہ بھی قرآن کریم کی تفسیر کرنے کی جرات نہیں کر سکے، ایک حکایت ان سے منقول ہے کہ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ:

قَدْ شَغَفَهَا حُبّاً — اس غلام کا عشق اس کے دل میں جگہ کر گیا ہے۔ (یوسف : ۳۰)

کے کیا معنی ہیں؟ اصمعی خاموش رہے، پھر بولے یہ قرآن میں ہے؟ عرب بدوؤں میں ایک بار ایک جاریہ (باندی) فروخت کی جا رہی تھی ایک دوسرے قبیلہ کے لوگوں نے کہا: کیا تم اس کو بیچ ڈالو گے جب کہ یہ تمہاری دل پسند (شغاف) ہے، اصمعی نے اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا۔

علامہ خطابی نے اس موقعہ پر ایک حدیث نقل کی ہے، حضرت ابو ہریرہ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اعربوا القرآن و التمسوا غرائبه — قرآن کے اعراب کو سمجھو اور اس کے ذریعہ سے نادر قسم کے عجائبات کو سمجھو

علامہ ابو سلیمان حمد بن ابراہیم الخطابی (متوفی: ۳۸۸ھ) نے اعجاز القرآن کو واضح کرنے کے لئے جو طریقہ پسند کیا اس کی تلخیص حسبِ ذیل نقاط میں کی جاسکتی ہے:

(۱) قرآن کریم کا اسلوب منتروں یا کاہنوں کا اسلوب نہیں ہے کہ چند مسجع و مقفی عبارتوں میں کوئی بات کہہ دی جائے اور لوگ حسبِ منشا ان کے مطالب نکالیں، اس کے برخلاف قرآن نے بار بار کہا: اے میرے اولین مخاطب عربی زبان بولنے والو! یہ کلام تمہاری زبان میں (تمہارے اسلوب اور بات کے انداز میں) نازل کیا جارہا ہے" بلسنان عربی مبین "(صاف عربی زبان میں) اور ایک جگہ فرمایا:" قرآنا عربیا لعلکم تعقلون " (قرآن عربی زبان کا تاکہ تم (بوجہِ اہلِ لسان ہونے کے اولاً) سمجھو) یہ عوام اور خواص دونوں کے لئے نامہِ ہدایت ہے جو نزول کے وقت سے لے کر قیامت تک یکساں قابلِ فہم، قابلِ عمل اور قابلِ توجیہ و التفات ہے اور رہے گا۔

۲) قرآن کریم نے بلاغت کے ہر رُخ پر روشنی ڈالی ہے اعلیٰ، متوسط اور سہلِ ممتنع طرزِ بیان کو اپنایا جس کی قرآن سے پہلے اور قرآن کے نزول کے بعد کسی نے تقلید کی ہمت نہیں کی، کہیں بہت سادہ ترکیب ہے، کہیں ذہین اور مشکل پسند طبائع کے لئے ایسی آیات بھی ہیں جن کی نحوی ترکیب عام حدود سے جدا ہے۔

۳) قرآن مالکِ نطق کی نازل کردہ کتاب ہے اس کے نوک پلک کو سمجھنا اور ہر لفظ کو دیکھنا کہ اہلِ عرب کی کیا زبان تھی اور کیا ہونا چاہئے اس کی پوری

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

رعایت ہے اس کی متعدد مثالیں خطابیؒ نے پیش کی ہیں۔

اس کے علاوہ ایک جزء ہم یہاں نقل کر رہے ہیں وہ ہے علمائے یہود و کفار کے پیش کردہ شبہات، مثلاً ''اکلہ الذئب'' (بھیڑیئے نے کھا ڈالا) کہا اور افترسہ نہیں کہا، ''للزکاۃ فاعلون'' کہا یؤدون الزکاۃ نہیں کہا، ''اعلموا آل داود شکرا'' کے بجائے اشکروا یا آل داود کیوں نہیں کہا؟ علامہ خطابیؒ نے پہلے اس طرح کے اعتراضات جمع کئے ہیں پھر ہر ایک کا جواب دیا ہے اور بتایا ہے کہ جن مقامات پر جو الفاظ یا ترکیبیں قرآن نے اختیار کی ہیں وہی عین بلاغت ہیں۔ چوں کہ قرآنی علم کلام کی طرح سوال و جواب کا سلسلہ شروع کرنا ہمیں ہمارے موضوع سے دور کر دیتا اس لئے ہم نے اس کو چھوڑ دیا اور صرف تذکرہ کر دینا کافی سمجھا اور اسی پر علامہ خطابیؒ کے تصورِ اعجاز کو ختم کرتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

علامہ باقِلانی

معجزۂ قرآنِ کریم پر جن کی کتاب ''إعجاز القرآن'' اپنے فن کی بہترین کتاب تسلیم کی گئی ہے، اور چوتھی صدی ہجری سے اب تک جن کے اقوال بطور سند و حجت نقل کئے جاتے ہیں وہ علامہ باقِلانی ہیں، پورا نام قاضی ابو بکر محمد بن الطیب الباقلانی ہے، تمام تذکرہ نویس یہ جانتے ہیں کہ وہ حدیث، فقہ، انساب اور بدیع و بلاغت کے فنون میں امامِ وقت تھے مگر کوئی نہیں جانتا کہ کہاں اور کب پیدا ہوئے، ان کے اساتذۂ حدیث اور طلبہ کا نام دیکھ کر رجالِ تراجم نے ان کو بصرہ کا باشندہ سمجھا ہے جس نے بغداد میں تعلیم حاصل کی اور ان دوشہروں سے باہر قدم نہیں نکالا مگر جو کچھ لکھ گئے ہیں ان کے اوراق کو ان کی زندگی پر تقسیم کیا جائے تو روزانہ دس ورق شمار ہوں گے، ان کا اصل موضوع ملاحدہ (ملحد کی جمع ہے، دین سے منحرف لوگ) کا رد کرنا تھا، خاص طور پر یہودی دانش ور جو اسلام پر اتہامات لگاتے تھے ان کا مکمل جواب دیا ہے، اعجاز القرآن پر مستقل کتاب لکھنے کا سبب یہی تھا کہ ملاحدہ نے قرآن کریم پر اعتراضات کئے تھے ان کا جواب دینا مقصود تھا جس میں وہ مکمل طور پر کامیاب رہے، مناظروں میں ان کی حاضر جوابی بے مثل تھی۔

ایک رومی مُلحد، دشمنِ اسلام عیسائی جو صاحبِ اقتدار تھا اس نے اسلام کو نیچا دکھانے اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے لئے برسرِ عام قاضی باقلانی سے سوال کیا: اپنے نبی کی بیوی کا قصہ بتاؤ (یعنی حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا)

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قاضی باقلانی نے کہا: دوعورتوں کے قصّے ہماری کتاب (قرآن) میں درج ہیں ایک ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمِ پاک (بیوی) کا قصہ اور دوسرے حضرت مریم بنت عمران (علیہا السلام) کا، ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی مگر حضرت مریم اپنے شانے پر ایک بچہ لے کر آئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں خواتین کی براءت فرمائی، اس رومی شر پسند کو خاموش رہنے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہیں آیا(۱)

قاضی باقلانی کے عراقی عالم ہونے اور خاص طور پر بغداد میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رکھنے کے ثبوت میں ابنِ عساکر کا بیان ہے کہ جب قاضی صاحب کا انتقال ہوا تو ان کے استاذ ابوالفضل التمیمی ان کے جنازہ کی مشایعت (ساتھ ساتھ چلنے) کے لئے اپنے شاگردوں کی جماعت کے ساتھ ننگے پاؤں آئے اور اپنے ساتھیوں اور شاگردوں سے کہا کہ اعلان کردو۔ یہ جنازہ ایک امامِ وقت کا ہے جس نے ملاحدہ، روافض، معتزلہ اور جہمیہ کے رد میں ستر ہزار صفحوں میں اپنی تالیفات چھوڑی ہیں۔

قاضی صاحب کا پیشہ، جانوروں کا چارہ، چنا، مٹر وغیرہ فروخت کرنا تھا جس کو ''بقل'' کہتے ہیں، باقلانی اسی کی طرف نسبت ہے۔(۲)

بعد میں قضاء کا عہدہ دیا گیا اور قاضی کے لقب سے مشہور ہوئے، ان کے اساتذہ اور شاگردوں کی تاریخ سے لوگوں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ بصرہ میں پیدا ہوئے، بغداد میں تعلیم پائی اور بغداد ہی میں حدیث شریف کا درس دیتے

---

(۱) تبیین کذب المفتری لابنِ عساکر: صفحہ ۲۱۹، بحوالہ مقدمہ اعجاز القرآن: صفحہ ۱۳

(۲) ''وفیات الاعیان'' میں وجہ تسمیہ دوسرا بتایا گیا ہے کہ: عدالت ''باقلی'' میں جب وہ قاضی مقرر ہوئے تو اس کی طرف ان کی نسبت کی گئی،

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

رہے اور غالباً ۳۷۳ھ میں وفات پائی، رحمہ اللہ۔

ان کی تصنیفات عرصہ تک پردۂ خفا میں رہیں، اعجاز القرآن کا ایک نسخہ حیدر آباد میں تھا اس کو ڈاکٹر عبدالعلیم صدر شعبۂ عربی علی گڑھ نے یونیورسیٹی سے شائع کرایا تھا، جس میں طباعت کی غلطیاں کافی تھیں، پھر شیخ عماد الدین حیدر نے "مرکز الأبحاث الثقافية" مصر سے تصحیح و تحقیق کے بعد شائع کرایا اور اب اس کے مسلسل ایڈیشن نکل رہے ہیں، ہر عرب ملک میں آسانی سے دستیاب ہیں۔

اعجاز القرآن للباقلانی کی خصوصیات

قاضی باقلانی کی کتاب کا نام اعجاز القرآن ہے لیکن جن مصنفین نے ان کی کتاب کا جائزہ لیا ہے جیسے دکتورہ عائشہ عبدالرحمان (بنت الشاطی) مرحومہ اور عبدالقادر احمد عطا (محقق کتاب "اسرار التکرار فی القرآن") ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قاضی باقلانی نے اعجاز القرآن کے موضوع پر کتاب ملحدوں اور یہودیوں کے رد میں لکھی ہے اور یہ کتاب ایک طرح سے علم الکلام فی القرآن کے ضمن میں شمار ہوگی، اس کے ساتھ نثر عربی کے طویل اقتباس اور قرآنی آیات سے ان کا موازنہ کر کے قرآن کی عظمت کو ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اس کتاب کے ابتدائی ابواب میں باقلانی نے ان لوگوں کی غلطیاں دکھائی ہیں جو قرآن کے معجزہ ہونے کے قائل نہیں تھے، ان لوگوں کا (جو قرآن کریم کے معجزہ ہونے کے قائل نہیں تھے) اشاعرہ نے کافی رد کیا ہے، خود قاضی باقلانی بھی اشعری تھے، اشاعرہ نے خاص طور پر ان لوگوں کا رد کیا ہے جو یہ کہتے تھے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کہ اللہ کی وحدانیت کو قرآن سے نہیں ثابت کیا جا سکتا اور مجوسیوں کے اس دعویٰ کی تردید کی ہے جو یہ کہتے تھے کہ ان کی بعض کتابیں بھی اعجازی شان رکھتی ہیں۔

علامہ باقلانی اعتراضات کرنے والوں کا نام لئے بغیر ان کے عقیدہ کو بیان کرتے ہیں اور انتہائی سخت لہجے میں ان کا رد کرتے ہیں۔

ابنِ عساکر نے تبیین کذب المفتری میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ علامہ قاضی الباقلانی اپنے چند شاگردوں کے ساتھ بصرہ کے ایک ایسے بازار سے گذر رہے تھے جہاں یہودی کافی تعداد میں تھے، انہوں نے ان کو آتا دیکھ کر کہا: دیکھو شیطانوں کو ہماری طرف بھیجا گیا ہے، ان سے بچتے رہنا، باقلانی نے کہا کہ تم اپنے کفر کی صراحت کا اعلان کر رہے ہو، قرآن کریم میں آیا ہے:

اَنَّآ أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا (مریم : ۸۳)

ہم نے شیطانوں کو کفار پر (ابتلاء) چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو (کفر وضلال پر) خوب ابھارتے رہتے ہیں۔

باقلانی اپنے مخالفین کے تین قول نقل کئے ہیں جن سے وہ قرآن کریم کا معجزہ ہونا ثابت کرتے ہیں:

۱۔ پیشن گوئیاں۔

۲۔ بلاغت و بدیع کے اعلیٰ ترین معیار کی رعایت

۳۔ انبیائے سابقین کے واقعات۔

باقلانی نے پہلی اور تیسری شق کو چھوڑ کر صرف بلاغت کو اپنا موضوع بنایا ہے، لیکن ہر چند مثالوں کے بعد مناظرانہ رنگ (جس کو قدماء جدلی کہتے ہیں) کی طرف لوٹ آتے ہیں اور ملحدوں کا رد کرتے جاتے ہیں۔

علامہ باقلانی قرآن کریم سے باہر جہاں جہاں بلاغت کے نمونے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

دیکھتے ہیں وہ خواہ نظم میں ہو یا نثر میں اس لئے ایسا کرتے ہیں، آسمان کی بلندی بتانے کے لئے زمین کی پستی دکھانا ضروری ہے تاکہ عربی کے اعلیٰ ترین نمونے دیکھنے کے بعد صاحبِ فہم و صاحبِ بصیرت، اعجازِ قرآنی کی عظمت کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہو۔

یہ دکھانے کے لئے کہ ادبی صنعت کے ماہر اور الفاظ کے پھول بنانے والے مقفّی، مسجع، مراعاۃ النظیر کے اعلیٰ نمونے پیش کرنے والے تو کسی شمار و قطار میں نہیں !!، خود وہ ذاتِ گرامی جن پر قرآنِ پاک نازل ہوا جس کی زبانِ پاک اور آلاتِ صوت سے قرآن متعارف ہوا، وہ بھی اپنے خطبوں میں خواہ جس قدر بھی ادبی محاسن کے حامل ہوں مگر قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکتے، دونوں کو ملا کر دیکھئے کلام اللہ کی قدوسیت اور حدیثِ نبوی کی جلالتِ شان دونوں اپنی جگہوں پر ایک دوسرے سے ممتاز نظر آئیں گے، رسول اللہ ﷺ کے خطبات میں عبدیت کا جمال اور کلام اللہ میں الوہیت کا کمال اس طرح نمایاں نظر آئیں گے جیسے آفتاب کی روشنی اور شفق کی سرخی، ایک دوسرے سے ممتاز ہے، اگرچہ دونوں اہمیت کے حامل ہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، قرآنی بلاغت کی برتری، قدوسیت اور جلال و جمالِ بیانی کو ذہن نشین کرانے کے لئے انہوں نے حضورِ اکرم ﷺ کے خطبات اور آپ ﷺ کے مکتوبِ گرامی (ایک کسریٰ کے نام اور ایک نجاشی کے نام) مزید صلحِ حدیبیہ کی دستاویز اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں اور اس کے بعد لکھا ہے جس کو عربیت کا مذاق حاصل اور صنعتِ بلاغت و کلام سے واقف، وہ کلام خود اللہ اور کلامِ رسول اللہ (ﷺ) کے درمیان فرق کر سکتا ہے، ان خطبات و مکتوبات و بیان و معاہدہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ، اور

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

حضرت عمر رضی الہ عنہ کے نام اور صدیقِ اکبرؓ کی وصیت و ہدایت اور حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے نام دو الگ الگ مکتوب۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خطبہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام ایک، نیز حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے وہ تعزیتی کلمات جو آپؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کہے تھے(۱)

نیز دو خطبے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نام، ایک مکتوب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خطبات، حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما کے دو خطبے، نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ، حجاج بن یوسف، قس بن ساعدہ الایادی کے خطبے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کے اس موقع پر جناب ابوطالب کا دیا ہوا خطبہ، اور مزید اس دور کی نثر کے اعلیٰ ترین نمونے، یہ سب عربی زبان کے شاہکار ہیں، اردو میں ان خطبات کا ترجمہ اصل روح سے بہت دور کر دے گا اور موضوع کی کوئی خدمت نہیں ہوگی، اس لئے یہاں صرف ان کا ذکر کر دیا گیا ہے، البتہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ، خطبات و مکتوبات کو ادباً احتراماً اور آپؐ کی ذاتِ گرامی سے ہم مسلمانوں کو جو شیفتگی ہے اس بنیاد پر متن اور متن کے ساتھ ترجمہ بھی دیا جا رہا ہے: (۲)

---

(۱) الکامل للمبرد میں جو مرثیہ ہے وہ اس سے مختلف ہے جو قاضی باقلانی نے اپنے مجموعہ میں نقل کئے ہیں۔

(۲) ان میں سے اکثر خطباتِ نبوی اور خطباتِ خلفاءِ راشدین حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ نے مختارات میں نقل کئے ہیں اگرچہ وہ سب بعینہ وہ خطبات نہیں ہیں جو الباقلانی نے نقل کئے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

خطبة للنبى صلى الله عليه وسلم

روى طلحةُ بن عُبيد الله قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب على منبرہ يقول:

"ألا ايها الناس، تُوبُوا الى ربِّكم قبل أن تموتوا، وبادرُوا الاعمال الصالحةَ قبل ان تُشغلوا، و صلوُا الذى بينكم وبين ربكم بكثرةِ ذكركم له، و كثرةِ الصدقةِ فى السِّر والعلانيةِ تُرزقوا وَ تُؤجَرُوا و تُنْصَروا۔

واعلموا أن اللّٰه عزو جل قد افتَرَضَ عليكم الجمعةَ فى مقامى هذا، فى عامى هذا، فى شهرى هذا، إلى يوم القيامة، فى حياتى ومن بعد موتى، فمن تَرَكها وله إمام فلا جَمَعَ اللّٰه له شَمْلَهٗ، ولا بارك له فى امره، ألا ولا حج له، ألا ولا صوم له، ألا ولا صدقة له، ألا ولا بر له۔

خطبہ

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا ہے، آپ فرمارہے تھے:

ہوشیار رہو اے لوگو!

قبل اس کے کہ تمہاری موت آئے اپنے پروردگار کے حضور توبہ کرلو، اور قبل اس کے کہ دوسری چیزوں میں الجھائے جاؤ اعمالِ صالحہ کی طرف تیزی سے قدم بڑھاؤ، اپنے اور اپنے پروردگار کے درمیان تعلق کو ذکر کی کثرت سے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مضبوط کر لو، چُھپے اور کُھلے صدقات کی کثرت کرو تا کہ (اس کے عوض) رزق وافر پاتے رہو، اجر حاصل کرتے رہو، اور مدد دیئے جاتے رہو۔

اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ فرض کیا ہے، یہاں بھی جہاں میں کھڑا ہوں، اسی سال (جس میں بات کر رہا ہوں) اس مہینے میں (جب کہ خطبہ دے رہا ہوں) قیامت تک کے لئے، میری زندگی میں بھی اور میرے مرنے کے بعد بھی، ایک امام کے ہوتے ہوئے اگر کسی نے اس کو چھوڑا، ایسے لوگوں کو کبھی وحدتِ کلمہ نصیب نہ ہوگا، اور نہ اللہ کبھی ان کے کاموں میں برکت عطا فرمائے گا، اور سُن لو! ایسے لوگوں کے لئے حج بھی نہیں ہے، اور سن! ایسے لوگوں کا روزہ بھی کوئی روزہ نہیں ہے نہ ان کا صدقہ قابلِ قبول ہے۔ یہی نہیں بلکہ سُن لو! کہ ایسے افراد کے اعمالِ صالحہ بھی اعمالِ صالحہ نہیں شمار ہوں گے۔

فائدہ: جو لوگ مسلمانوں کو متحد رکھنے کے بجائے ان کے اندر تفرقہ ڈالتے ہیں ان کی یہ سزا ہے، بلکہ پورا معاشرہ شیرازہ بندی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

خطبة له صلی اللہ علیہ وسلم

"ایها الناس، ان لکم معالم، فانتهوا الی معالمکم و ان لکم نهایة فانتهوا الی نهایتکم۔

ان المؤمن بین مخافتین: بین اجل قد مضی، لا یدری ما الله صانع فیه، وبین اجل قدبقی، لایدری ماالله تعالیٰ قاض علیه فیه۔

فلیاخذ العبدُ لنفسه من نفسه، ومن دنیاه لآخرته، ومن الشبیبة قبل الکبر، ومن الحیاة قبل الموت۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئیا بـ CamScanner

والذی نفس محمد بیده ما بعد الموت من مستعتب،
ولابعد الدنیا دار الا الجنة او النار"

حضورِ اکرم ﷺ کا ایک خطبہ

لوگو! تمہاری ایک منزل متعین ہے، اپنی اس منزل تک پہنچ کر رہو گے، تمہاری ایک انتہاء ہے اس انتہاء تک تم کو پہنچنا ہی ہے۔

ایک صاحبِ ایمان پر دو قسم کا خوف طاری رہتا ہے، ایک تو اس وقتِ مقرر کا، جو گزر چکا اور بندہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں کیا فیصلہ کر دیا ہے اور ایک مدت مقرر ہے جس کے بارے میں اس کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کیا حکم نافذ فرمائے گا۔

بندہ کو چاہئے کہ خود اپنے اندر اپنی ذات کے لئے (زادِ راہ) جمع کرلے، اپنی دنیا سے آخرت کے لئے اندوختہ جمع کرلے، بڑھاپے سے پہلے جوانی میں اور مرنے سے پہلے زندگی میں اپنا سامانِ (سفر) جمع کرلے۔

پس وہ ذاتِ پاک جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے۔ موت کے بعد طلبِ عفو اور عذر داری کا وقت نہیں رہے گا اور دنیا کے بعد سوائے جنت اور دوزخ کے کوئی گھر نہیں ہے۔

خطبه له ﷺ فی ایام تشریق

قال بعد حمد الله :

" ایها الناس، هل تدرون فی ای شهر انتم و فی ای یوم انتم و فی ای بلد انتم؟

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قالوا : فى يومٍ حرام، وشهر حرام، و بلد حرام.

قال : الا،فان دمائكم واموالكم واعراضكم عليكم حرام، كحرمة يومكم هذا، فى شهر كم هذا، فى بلدكم هذا، الى يوم تلقونه.

ثم قال: اسمعوا منى تعيشوا، الا لاتظالموا، الا لاتظالموا ثلاثاً، اِلا انه لايَحِلُّ مالُ امرىء مسلم الا بطيب نفس منه.

ألا اِن كل دَم ومأ ثرة كانت فى الجاهلية، تحت قدمى هذه، الا وان اول دم وضع دم ربيعة بن الحارث بن المطلب كان مسترضعاً فى بنى ليث، فقتلته هذيل.

الا وان كل رباً كان فى الجاهلية موضوع، الا وان الله تعالىٰ قضى ان اول ربا يوضع : ربا عمى العباس، لكم رء وس اموالكم، لاتظلمون ولاتظلمون.

الا وان الزمان قداستدار كهيئة يوم خلق الله السموات والارض منها اربعة حرم، ذلك الدين القيم، فلاتظلموا فيهن انفسكم

الا لا ترجعوا بعدى كفارا، يضرب بعضكم رقاب بعض

الا وان الشيطان قديئس ان يعبده المصلون، ولكن فى التحريش بينكم.

اتقوا الله فى النساء، فانهن عندكم عوان ،(١)
لا يملكن لانفسهن شيئا،
وان لهن عليكم حقا، ولكم عليهن حق ان لايوطئن

---

(١) العانى الاسير، وكل من ذل واستكان وخضع فقد عنا يعنو و هو عان المراة عانية و جمعها عوان

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

فرشکم احدا غیرکم، فان خفتم نشوزھن فعظوھن، واحجروھن فی المضاجع، واضربو ھن ضربا غیر مبرح، ولھن رزقھن وکسوتھن بالمعروف، فانما اخذتموھنّ بامانة اللہ تعالیٰ، واستحللتم فروجھن بکلمة اللہ۔

الا ومن کانت عندہ امانة، فلیؤدھا الی من ائتمنه علیھا،

ثم بسط یدہ، فقال : الاھل بلغت؟، الاھل بلغت؟،

لیبلغ الشاھد الغائب، فرب مبلغ ابلغ من سامع"

ایامِ تشریق کا خطبۂ نبویؐ

اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا:

لوگو! جانتے ہو تم کس مہینہ میں ہو؟ کس دن میں تم (جمع) ہو؟ اور تم کس شہر میں ہو؟

لوگوں نے کہا: حرمت والے دن میں، حرمت والے مہینہ میں اور حرمت والے شہر میں۔

فرمایا: تو سن لو کہ تمہارا خون، تمہارے اموال، تمہاری عزتیں تم سب پر حرام ہیں (یعنی کسی کا خون بہانا، مال غصب کرنا، کسی کی بے عزتی و بے حرمتی کرنا تم پر حرام ہے) اور آج سے لے کر قیامت کے دن تک جب اس (اللہ تعالیٰ) کو منہ دکھاؤ گے۔

پھر فرمایا: مجھ سے سن لو، اچھی زندگی (اس طرح) پاؤ گے کہ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو، ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو، ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو(۱)

(۱) اس جملہ کو آپؐ نے کئی بار دہرایا، قاعدہ تھا کہ جب کسی بات کو زور دے کر کہنا ہوتا اور کوئی بڑی اہمیت کی بات ہوتی تو اس کو تین بار دہرایا کرتے، احادیثِ نبویہ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پھر فرمایا: ہر قسم کا خون بہا اور روایتی حقوق جو جاہلیت کے زمانہ سے چلے آرہے ہیں وہ میرے ان قدموں کے نیچے ہیں (یعنی مٹا دیئے گئے ہیں) اور پہلا خون بہا جس کو ختم کر دیا گیا وہ ربیعۃ بن الحارث بن عبدالمطلب کا خون تھا، وہ بنولیث میں شیر خوارگی میں تھے کہ ان کو (قبیلہ) بنو ہذیل (کے ایک فرد) نے قتل کر دیا تھا۔

سن لو! ہر قسم کا سودی بقایا جو جاہلیت کے زمانہ کے بعد سے چلا آرہا تھا ختم کر دیا گیا اور سُن لو کہ اس طرح کا پہلا سودی بقایا میرے چچا عباس کا بقایا تھا، تم اپنا اصل مال لے سکتے ہو، نہ تم پر ظلم کیا جائے گا اور نہ تم کو کسی پر ظلم کرنے دیا جائے گا (۲)

لوگو، سُن لو! زمانہ اس نہج پر چکر لگا تا رہے گا جس طرح اس وقت تھا جب ان کی تخلیق وجود میں آئی، جس دن آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا گیا، ان میں چار مہینے حرمت والے ہیں (۳)

یہی حق پر استوار رہنے والا مذہب ہے، ان مہینوں میں دیکھو کسی پر زیادتی نہ ہونے پائے۔ (۴)

خواتین کے بارے میں اللہ سے ڈرو، وہ تمہاری حراست میں ہیں، وہ اپنی ذات کے لئے کسی چیز کی مالکہ نہیں ہیں اور ان کا تم پر حق ہے اور تمہارا حق

---

(۲) خون بہا اور سودی قرضہ جو آپؐ نے سب سے پہلے ختم کیا وہ آپؐ کے گھرانے کا تھا۔

(۳) حرمت والے ماہ: محرم، رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں۔

(۴) اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان حرمت والے مہینوں کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کسی پر ظلم و زیادتی جائز ہے، ان مہینوں میں آپس کی جنگ کی طرف اشارہ ہے، یعنی جنگ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے تو سب سے بہتر ہے اور اگر کسی قبیلہ کو ضد ہے اور وہ جنگ جاری ہی رکھنا چاہتا ہے تا آنکہ اس کے حقوق مل جائیں تو بھی چار مہینوں میں برسرِ پیکار نہ رہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ان خواتین پر ہے کہ تمہارے بستر پر کسی کو نہ آنے دیں، ہاں اگر تم ان میں شوریدہ سری دیکھو تو پہلے سمجھاؤ، نصیحت کرو، بستروں پر تنہا چھوڑ دو، (اور اگر ایسی نوبت آجائے کہ ان کو مارو) تو ہلکی مار (جس سے جسم زخمی نہ ہو، ہڈی نہ ٹوٹے، زیادہ اذیت نہ پہنچے) سے کام لو، اور تمہارے ذمہ دستور کے مطابق ان کا کھانا کپڑا ہے کیوں کہ تم نے ان کو اللہ کے نام پر اپنے لئے حاصل کیا ہے اور ان کے جسموں کو اللہ کے نام پر اپنے لئے حلال کیا ہے۔

سن لو! اگر کسی کے پاس امانت ہے تو امانت رکھنے والے کو واپس کر دے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر ارشاد فرمانے کے بعد اپنے دستِ مبارک بیعت قبول کرنے کے لئے بڑھا دیئے اور فرمایا: کیا میں نے پیغامِ حق پہنچا دیا؟ بتاؤ کیا میں نے پیغامِ حق پہنچا دیا؟

جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں ان لوگوں کو پہنچائیں جو یہاں نہیں ہیں، ہو سکتا ہے کہ جس کو یہ پیغام پہنچایا جائے وہ براہِ راست سننے والے سے زیادہ بات کی تہہ تک پہنچنے والا ہو۔

خطبہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکہ

وقف علی باب الکعبةِ، ثم قال:

"لا اله الا الله وحده لاشریك له، صدق الله وعده، ونصر عبده، وهزم الاحزاب وحده۔

الاکل ماثرة اودم اومال یُدَّعَی فهو تحت قدمی هاتین، الا سدانة البیت، وسقایة الحاجّ -

الا وقتل الخطأ العمد بالسوط والعصا، فیه الدیةُ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مغلظة، منها اربعون خلفة فی بطون اولادها۔

یا معشر قریش: ان اللّٰہ قد اذھب عنکم نخوة الجاھلیة وتعظمها بالاٰباءِ، الناس من آدم، وآدم خلق من تراب، ثم تلاھذہ الآیة۔

(یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ)

یا معشر قریش! اویا اھل مکة! ماترون انی فَاعِلٌ بکم؟ قالوا: خیراً، اخ کریم، وابن أخ کریم، قال: فاذھَبُوا فأنتم الطلقاءُ۔

فتح مکہ کے دن آپؐ کا خطاب

(حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ مشرفہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا)

اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی پشت پناہی کی۔ اور تنہا تمام حملہ کرنے والوں کو شکست دی۔

اے لوگو! سُن لو ہر طرح کے نذرانے، یا خون بہا، یا جس مال کا مطالبہ ہوتا رہا ہے وہ سب میرے قدموں کے نیچے روندے گئے، (یعنی ختم کر دیئے گئے) سوائے بیت اللہ کی دیکھ بھال کا کام۔ اور حجاج کو پانی پلانے کی خدمت۔

اے اہلِ قریش! اللہ نے تمہارے اندر کی جاہلی نخوت دور کر دی یعنی آباء واجداد کی عظمتوں پر فخر کرنا اور اس کے ذریعہ سے اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنا سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم خاک سے پیدا کیے گئے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

يَآأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ أُنْثٰى وَ جَعَلْنَا كُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

(الحجرات : ۱۳)

اے لوگوں! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو، اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو، اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

اے اہلِ قریش! اے اہلِ مکہ! تمہارا کیا اندازہ ہے؟ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟ لوگوں نے کہا: بہت بہتر (سلوک کی آپ سے توقع ہے، وہ توقع جو) شریف ترین بھائی اور شریف ترین بھائی کے لڑکے سے کی جا سکتی ہے۔

فرمایا: جاؤ تم سب آزاد ہو۔

خطبة له صَلَّى اللهُ عليه وسلم

خطب بعد العصر، فقال :

" الا ان الدنيا خضرة حلوة، الا وان الله مستخلفكم فيها، فناظر كيف تعملون فاتقوا الدنيا، واتقوا النساء۔

الا لايمنعن رجلا مخافة الناس، ان يقول الحق اذا علمه

قال : ولم يزل يخطب حتى لم تبق من الشمس الاحمرة على اطراف السعف، فقال :

انه لم يبق من الدنيا فيما مضى، الا كما بقى من يومكم هذا فيما مضى

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ

(جس کی روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کی ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد عصر ایک خطبہ دیا، فرمایا:

یہ سچ ہے کہ دنیا سرسبز و شاداب اور بہت شریں ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اس پر تصرف دیا ہے اور وہ دیکھ رہا ہے کہ تمہارا کیا برتاؤ رہتا ہے، لہٰذا اس کے احکام کے آگے ڈرتے رہو، عورتوں کے معاملہ میں بھی اللہ سے ڈرتے رہو۔

ابوسعید الخذریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے رہے یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور آفتاب، شفق رنگ ہو گیا، اس وقت فرمایا:

جو دنیا سے گزر گیا وہ باقی نہیں رہا مگر وہ حصہ جو کہ گذر رہا ہے جیسے تمہارا آج کا دن جس کے کچھ حصے باقی ہیں۔

خطبته صلی اللہ علیہ وسلم بالخیف

وروى زيد بن ثابت ان النبى صلى الله عليه وسلم خطب بالخيف من منى، فقال:

"نضر الله عبداً سمع مقالتى فوعاها، ثم اداها الى من لم يسمعها، فرب حامل فقه لا فقه له، ورب حامل فقه الى من هو افقه منه

ثلاث لايغل عليهن قلب المؤمن : اخلاص العمل لله، والنصيحة لأولى الأمر، ولزوم الجماعة، ان دعوتهم تكون من ورائه.

ومن كان همه الآخرة جمع الله له شمله، و جعل غناهُ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

فی قلبه، و اتته الدنیا و هی راغمة۔

ومن کان همه الدنیا فرق الله امره، وجعل فقره بین عینیه، ولم یاته من الدنیا الا ماکتب له۔

خیف میں رسول ﷺ کا خطبہ

اللہ اپنے اس بندے کو سر سبز و شاداب رکھے جو میری بات کو سن کر ذہن نشیں کر لے، پھر اس شخص تک پہنچا دے جس نے (اسے براہِ راست) نہیں سنا، کیوں کہ بہت سے ''سمجھی بات'' نقل کرنے والوں میں ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو خود سمجھ نہیں ہوتی اور بہت سے سمجھ دار لوگ ایک بات اس شخص سے نقل کرتے ہیں جو ان سے زیادہ سمجھ دار ہوتا ہے۔

تین قسم کے آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کے خلاف کسی مؤمن کے دل میں بُرائی نہیں آ سکتی: محض اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص کا عمل، حکام کی خیر خواہی (سچی بات ان کے منہ پر کہہ کر) جماعت کا ساتھ دینا، اگر ان کو (کسی مہم پر) بلائے تو ایسا محسوس ہوگا کہ پیچھے کھڑے تھے، (یعنی منتظر تھے)

جس کو آخرت کی فکر ہمیشہ لگی ہو اللہ اس کے درمیان اتحاد کا سر رشتہ مضبوط فرما دے گا، اور اس کے دل کو غنی رکھے گا، (یعنی دوسروں سے بے نیاز) اور دنیا، ناک کے بل اس کے آگے جُھکے گی۔

اور جس کو دنیا کی فکر ہمیشہ لگی ہے اللہ ایسے لوگوں کے درمیان تفرقہ ڈالے گا، اس کی نگاہوں کے سامنے فقر و فاقہ ہی نظر آئے گا اور دنیا سے اس کو اس قدر ہی ملے گا جس قدر اس کی ضرورت ہوگی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

خطبه له صَلیَ اللہ علیہ وسلم

ان الحمدلله، احمده و استعينه، نعوذ بالله من شرور انفسنا، وسيئات اعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلل فلا هادى له، واشهد ان لااله الا الله وحده لا شريك له،

ان احسن الحديث كتاب الله، قد افلح من زينه الله فى قلبه، وادخله فى الاسلام بعد الكفر، واختاره على ماسواه من احاديث الناس، انه اصدق الحديث وابلغه.

احِبوا من احب الله، واحبوا الله من كل قلوبكم، ولا تملوا كلام الله وذكره، ولا تقسو عليه قلوبكم، اعبدوا الله ولاتشركوا به شيئا.

اتقوا الله حق تقاته، وصدقوا صالح ما تعملون بافواهكم، وتحابوا بروح الله بينكم، والسلام عليكم ورحمة الله

خطبہ

بلاشبہ ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، میں اس کی حمد کرتا ہوں اور اس سے مدد چاہتا ہوں اور اس کی پناہ میں آتا ہوں اپنے نفوس کے شر پسندوں سے، اپنے برے کاموں سے (جواب تک ہم نے کئے ہیں) اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور وہ جس کو بھٹکادے یا چھوڑ دے اس کو کوئی راہِ راست پر نہیں لاسکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ تنہا معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

سب سے بہتر بات اللہ کی کتاب ہے، اللہ تعالیٰ نے جس کے قلب کو اس سے آراستہ کیا اور کفر کے بعد اسلام میں داخل کیا اور جس نے اللہ کی بات کو دنیا کی ساری باتوں پر ترجیح دی وہ فلاح پانے والا ہے، اللہ کی بات (قرآن) سب سے زیادہ سچی بات اور سب سے زیادہ دل میں اتر جانے والی بات ہے۔

اس سے محبت کرو جو اللہ سے محبت کرے اور اللہ کو اپنے پورے دل سے چاہو، اللہ کے ذکر اور اللہ کی باتوں سے کبھی اکتاؤ نہیں اور اس پر اپنے دل کو سخت نہ بناؤ، (یعنی دل نرم رکھو جو قرآن کو قبول کرے، ہٹ دھرمی اور سخت دلی سے بچتے رہو) اللہ کی عبادت کرو، اور اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، اللہ سے اس درجہ ڈرتے رہو جو اس کے جلال سے خائف رہنے کا حق ہے، اپنی زبانوں سے جو بات نکالتے ہو وہ ایک دوسرے کے حق کے معاملوں میں تصدیق کرنے والی ہو، اور رحمتِ خداوندی کو اپنے درمیان محبت کا مرکز بناؤ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

دکتورہ عائشہ بنت عبدالرحمٰن (غفر اللہ لھا) نے صحیح لکھا ہے کہ باقلانی نے غیر قرآنی نصوص کے تقریباً ستر صفحات نقل کئے ہیں اور جن کے کلام نقل کئے ہیں وہ عربی بدیع و بیان کے آفتاب و ماہتاب تھے، مگر قرآنِ کریم کے مقابلہ میں دیکھئے تو ان کی کوئی حیثیت نہیں، اس سے جو بات کُھل کر سامنے آئی وہ یہ کہ انسانوں اور رب العالمین کے کلام میں کس درجہ آسمان و زمین کا فرق ہے۔

دکتورہ عائشہ کی بات سمجھنے کے لئے ایک علمی نکتہ سے واقفیت ضروری ہے اگر چہ وہ ذرا خطرناک بات ہے، ایک انسان کی قوتِ ادراک درست ہے اور وہ سونگھ کر ایک خوشبو کو دوسری قسم کی خوشبو سے ممتاز کر سکتا ہے، گلاب، چمبیلی، خس اور عُود کے عطروں (عطورات) کے درمیان فرق کر سکتا ہے، اگر چہ الفاظ میں ہر ایک کی نوعیت نہیں بتا سکتا مگر اس کے ذوق کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا، اسی طرح

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بات، بات میں فرق ہوتا ہے، ایک کامل استعداد و ذوق کا مالک ایک کلام کی بلندی اور دوسرے کلام کا اس سے ابتر یا بہتر ہونا بتا سکتا ہے۔

شیخ حمد بن ابراہیم الخطابی جن کی کتاب "بیان اعجاز القرآن" کا ذکر کیا جا چکا ہے لکھتے ہیں کہ دو قسم کے کلام سامنے لائے جائیں اور دونوں فصیح ہوں، دونوں کی بلاغت تسلیم ہو، مگر ایک صاحبِ ادراک بتا دیگا کہ کون کس طرح کا کلام ہے۔

دورِ اموی کے ایک شاعر گزرے ہیں جن کا نام "ذوالرِمّۃ" تھا، انہوں نے چار پانچ شعر کہے اور جریر کو دکھایا، ان کا پہلا شعر یہ تھا:

نبت عيناك عن طلل بحزوى
عضته الريح و امتنح القطارا

جریر نے کہا اگر تم پسند کرو تو چند اشعار کا میں اضافہ کر دوں، ذوالرِمّۃ نے کہا: یہ آپ کا کرم ہوگا، جریر نے کہا:

يعد الناسبون بنى تميم
بيوت الجد اربعة كبارا
يعدون الرباب و آل تميم
و سعد ثم حنظلة الخيارا
و يذهب بينها المرئى لغوا
كما الغيت فى الدية الحوارا

ذوالرمۃ نے اس اشعار کو اپنے قصیدہ میں ملا لیا، پھر اس کی طرف سے فرزدق کا گزر ہوا، ذوالرّمۃ سے پوچھا کہ آج کل کوئی قصیدہ تیار ہوا ہے؟ یعنی کوئی کلام آپ نے موزون کیا ہے؟ ذوالرمۃ نے اثبات میں جواب دیا اور یہی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قصیدہ سنایا، جب اپنے اشعار سنانے کے بعد جریر کے کلام کی طرف آئے تو فَرَزْدَق نے کہا: یہ اشعار تو اس قصدے کے نہیں ہو سکتے، اس کی زبان اور لہجہ ہی کچھ اور ہے۔

علامہ باقِلّانی نے صرف احادیثِ نبویہ اور کلامِ صحابہ و کبار تابعین کے کلام پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ان سچے موتیوں کے درمیان چند خزف ریزے بھی رکھ دیئے تاکہ وہ لوگ جن کا ذوق بگڑ چکا ہے، وہ ان خرافات کو بھی دیکھ لیں جن کو قرآن کے سلسلہ میں ذکر کیا جاتا ہے۔ اپنی جگہ بڑا ظلم اور جہل ہے کہ ان کا ذکر اس مقام پر کیا جائے۔

تین صفحات میں مسیلمہ کذاب اور سبحاح التمیمیة کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"و من کان له عقل لم یشتبه علیه سخف هذا الکلام"

جس کو ذرا بھی عقل (ذوق وفہم) ہوگی اس پر ان تحریروں کا بھونڈا پن چھپ نہیں سکتا، عامی سطح کا انسان بھی کہہ اٹھے گا کہ کہاں احادیثِ پاک، صحابہ کرام کے ارشادات اور کہاں مسیلمہ اور سجاح کے لفظی خرافات جیسے کوئی الماس و یاقوت کے درمیان چوہے کی مینگنیاں لے آئے۔

شیخ مصطفیٰ صادق الرافعی رحمہ اللہ نے بھی انیس (۱۹) نمونے ان خرافات کے دیئے ہیں، مسیلمہ کذّاب کے بنائے ہوئے فقرے کثرت سے دہرائے گئے اور اس کے ہلکے، بے معنی، مضحکہ خیز قسم کے جملے جس کو آپ منہ چڑھانے سے زیادہ اہمیت نہیں دے سکتے ان کے نقل کرنے کا فائدہ یہ ضرور ہے، اہلِ عقل و بصیرت حضرات یہ دیکھیں کہ اگر کوئی پہاڑ سے ٹکراتا ہے تو اس کا سر کس درجہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، اور اس سے توفیق ہی نہیں حیاء بھی چھین لی جاتی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہے، علامہ باقلانی نے مسیلمہ کذاب کے چند فقرے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"فهو اخس من ان نشتغل به و اسخف من ان نفكر فيه" وہ اس درجہ پست ہے کہ ہم اس کو موضوع بنا کر گفتگو کریں اور اس سے زیادہ حقیر ہے کہ اس کے بارے میں غور کریں۔

بہر حال جس طرح غلاظت کی جگہ سے آدمی ناک کو بند کئے ہوئے گزرتا ہے آپ بھی اپنے ذوق سے معذرت کرتے ہوئے پڑھئے، مسیلمہ کذاب کا شیطان اس سے کہلاتا ہے:

والليل الاطخم، والذئب الادلم، والجذع الازلم، ماانتهكت اسيد من محرم اور ایک ذہنی ورزش کا نمونہ دیکھئے:

"والليل الدامس، الذئب الهامس ماقطعت اسيد من رطب ولا يابس"

مسیلمہ کے شیطانی الہام کا مزید نمونہ:

"والشاء والوانها، واعجبها السودو البانها، والشاة السوداء، واللبن الابيض، انه لعجب محض ، وقد حرم المذق فما لكم لا تجتمعون"

یہ بھی مسیلمہ سے منقول ہے:

"وضفدع بنت ضفدعين ، نقى ما تنقين، اعلاك فى الماء واسفلك فى الطين، لاالشارب تمنعين، ولا الماء تكدرين، لنا نصف الارض ولقريش نصفها ولكن قريشا قوم لايعتدون"

اس طرح کے چند ہفوات بابِ اول میں نقل کر چکا ہوں۔

علامہ باقلانی نے عصرِ اسلامی کی بہترین نثر کے مقطوعات نقل کئے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہیں جن میں سب سے اہم رسول اللہ ﷺ کے خطبات ہیں، ان کے بعد خلفائے راشدین، صحابہ و تابعین اور اس عصر کے اہلِ زبان و ادب کے خطبات، مکتوبات اور ان کے مقطوعات و مختارات بھی نقل کئے ہیں تا کہ تدریجاً ایک قاری کا ذہن، اعلیٰ ترین نمونوں کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

ان ارشادات کے بعد تین صفحات میں قرآنِ کریم کا معارضہ کرنے کے دعویدار مسیلمہ کذاب اور سجاح تمیمیہ کے نبوءات بھی نقل کر دیئے ہیں جن کا ذکر اوپر گذرا۔

اس کے بعد نظم و قوافی کے نادر کلام کے منتخب نمونے بھی دیئے ہیں اور ان کے ایک ایک شعر میں زبان و بیان کی خوبیاں دکھائی ہیں، ان کے محاسن کو اُجاگر کیا ہے، زبان دانی اور نکتہ آفرینی میں شعراء کے کمالات دکھائے ہیں تا کہ قاری کو اندازہ ہو کہ عربوں کے فن کا خاص جوہر، زبان پر قابلِ فخر تصرف کو پیش کر کے قرآنِ کریم کو دکھایا جائے کہ عظمتِ لسانی و بیانی، حکمت و بصیرت کی چوٹی پر یہ آیات کس درجہ تابناک روشن اور درخشندہ ہیں۔

نظم (شعر) کے نمونوں میں معلقہ امرؤالقیس تو دسیوں صفحات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''عربی نظم و نثر کے ان اعلیٰ ترین نمونوں کو دیکھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ:

قرآن کریم کا اندازِ بیان (نہج) جملوں کی ترکیبیں، جملوں کا آپس میں گٹھا ہوا ہونا وہ اس مقام پر نظر آتا ہے، جہاں انسانی عقلیں ایک طرف میدان فکر و بیان کے طول و عرض میں بھٹکنے لگتی ہیں، یا حدِ نظر سے کہیں دور اور بہت دور سمندروں میں حیران ہو کر کنارہ ڈھونڈتی ہیں اور ان کو الفاظ کے ذریعہ بتانے میں بشریت کا عجز، عجزِ تام نظر آتا ہے، ہم اس کی مزید وضاحت کرنا چاہتے ہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

کہ ایسا کیوں کر ہوا اور یہ سحرِ جلال، معانی کا جمال وجلال کہاں سے آیا، تاکہ قرآن کے اعجاز کو اتنا تو دیکھ لیں جس قدر آفتاب کی روشنی دیکھ لیتے ہیں، آنکھوں کی بینائی سے کم، ذوق وادراک کی منزل نہیں ہے، علامہ باقلانی اس مقام پر جوشِ عقیدت میں چند جملے ایسے لکھ جاتے ہیں جس کا لطف اردو ترجمہ سے نہیں اٹھایا جاسکتا، اس لیے اس کا متن بھی نقل کر دیتے ہیں تاکہ عربی سے واقف، قاری اس کا لطف لے سکیں:

" واعلم ان هذا علم شريف المحل، عظيم المكان، قليل الطلاب، ضعيف الاصحاب، ليست له عشيرة تحميه، ولا اهل عصمة تفطن لما فيه، و هو ادق من السحر، واهول من البحر، و اعجب من الشعر،"(۱)

اور جان لو کہ یہ علم (اعجازِ قرآنی) اپنے مقامِ عالی کے لحاظ سے اسی شان کا بلند ترین (منارہ) ہے جس کی منزل عظیم تر اور جس کو سمجھنے کی کوشش کرنے والے کم ہیں، اس کا کوئی قبیلہ نہیں ہے کہ اس کے افراد آکر حمایت ودفاع کا کام کریں، اس کے ماننے والے دیکھنے میں کم ہیں، مگر وہ سحر سے زیادہ باریک بینی کا طالب ہے، سمندروں سے زیادہ اس کی موجیں پُر ہول نظر آتی ہیں اور شعر میں جو خاصیت جوش دلانے اور اندر سے وجد وولولہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہے اس سے کہیں زیادہ قرآنِ کریم میں یہ خصوصیت ہے۔

علامہ باقلانی نے اس کے بعد چند سطروں میں نہیں بلکہ چند صفحات میں اپنے جوشِ عقیدت کو جس طرح زیبِ قرطاس کیا ہے، اس کو اردو کا جامہ

---

(۱) إعجاز القرآن طبع مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت، لبنان، ص:۱۹۷، دکتورۃ عائشہ عبدالرحمن نے بھی الاعجاز البیانی للقرآن میں اس متن کو نقل کیا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

پہنا کر بیان نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن کریم سے اپنی گہری وابستگی اور عقیدت کے اظہار کے بعد قرآنِ کریم کی ایک آیت سے باقِلّانی استشہاد کرتے ہیں:

وَ كَذٰلِكَ اَوْ حَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَاكُنْتَ تَدْرِىْ مَاالْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَ اِنَّكَ لَتَهْدِىْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الشوریٰ : ۵۲)	اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس بھی وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے، آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان (کا انتہائی کمال) کیا چیز ہے اور لیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستے کی ہدایت کرر ہے ہیں۔

اس آیت پر آپ غور کر سکیں تو اعلیٰ ترین معانی، بدیع کی بے نظیر ترکیب، اور نازک ترین قسم کے الفاظ کے درمیان باہمی ربط، ہر لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکمل آیت ہے اور ہر لفظ بیان و بدیع کی معراج ہے۔

علامہ زَمَخشَری صاحب الکشاف نے اس آیت کے مذکور لفظ رَوح کا معنیٰ ''ماأوحی الیه'' جو رسول اللہ پر نازل کیا گیا (یعنی کتاب اللہ) بتایا ہے، یوں کہ خلقِ خدا اسی وحی کے ذریعہ ایمانی زندگی سے بہرہ مند ہے جس طرح تمام حیوانی جسم رکھنے والے پانی اور ہوا کے ذریعہ زندہ ہیں، حضرت تھانویؒ نے بھی روح کا ترجمہ وحی کیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

علامہ باقلانی، ذہنِ انسانی کو بتدریج اعجازِ قرآنی تک لے جانا چاہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ''خوب تر'' کا اندازہ اس کو ہوگا جو ''خوب'' سے آگاہ ہے، اس لیے انہوں نے (اور وہ اس باب میں منفرد ہیں) نظم ونثر کی اعلیٰ سے اعلیٰ مثالیں جمع کردی ہیں، ان پر تبصرے کیے ہیں، ان کے محاسن پر انگلی رکھ کر دکھایا ہے کہ یہاں ہے اور حسن اس کو کہتے ہیں، لیکن جب وہ عربی ادب کے لعل وگہر جمع کرتے ہیں تو قاری بھول جاتا ہے کہ قرآنِ کریم کا اعجاز اس نمونہ سے کس طرح ظاہر ہوسکتا ہے، اس لئے وہ ''نظیر ذلك فی القرآن یا مثله فی القرآن'' کہہ کر قرآنی آیات کی برتری بیان کرنے لگتے ہیں۔

''ابن سنان الخفاجی'' نے ''سر الفصاحۃ'' میں لکھا ہے کہ اس طرح قرآن کے اعجاز کو ثابت کرنا قرآن کی اہمیت نگاہوں سے کم کرتا ہے، کیوں کہ قرآن سے مقابلہ کرنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہے اور نہ کوئی معیار ہے، وہ تو سراسر ذوق وادراک کی بات ہے اس کو الفاظ میں بتایا نہیں جاسکتا۔(۱)

بعض اہلِ ادب وعلمِ کلام نے بیان کیا ہے کہ بلاغت کی دس قسمیں ہیں ان کو تفصیل سے نقل کرنے کے بعد بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کہہ رہے ہیں

دفتر تمام گشت بہ پایاں رسید عمر
ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

بہرحال الرُّمانی کی طرح الباقِلّانی نے دراصل بدیع کے خاص خاص اقسام (جن کی تعداد دس ہیں) نقل کیے ہیں، فرق یہ ہے کہ الرُّمّانی صرف قرآن سے شواہد پیش کرتے ہیں اور باقلانی عصرِ اول کی نظم ونثر کثرت سے نقل کرکے ایک خاص ادبی ذوق کی تربیت کرتے ہیں تاکہ قرآن کریم کی بلاغت کو سمجھا جاسکے۔

(۱) ابنِ سنان الخفاجی، سر الفصاحة، صفحہ: ۱۷۵

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

علمائے بدیع و بلاغت اور اعجازِ قرآنی کی حقیقت کا ادراک رکھنے والے علمائے ادب نے کبھی تسلیم نہیں کیا کہ کوئی شعر یا نثر کا ٹکڑا، دوسرے کلام کا ہمسر ہوسکتا ہے اور خاص طور پر قرآنِ کریم جس آسمانی سطح پر پیغام دیتا ہے اس کی عظمت واہمیت کا اندازہ کسی عربی شعر یا کسی عرب کے فقرہ سے ہوسکتا ہے، لیکن اس سے انکار نہیں کہ علامہ باقلاّنی نے اپنا پورا سرمایۂ فن اسی نہج پر پیش کیا ہے، وہ ایک بڑی تعداد میں غیر قرآنی نثر اور عربی اشعار جمع کر دیتے ہیں، پھر اہلِ بدیع کی مصطلحات کے مطابق ان کی تقسیم کرتے ہیں، اور اس طرح قرآن کے معجزہ ہونے کو ثابت کرتے ہیں، یہ بات شروع میں لکھی جا چکی ہے کہ باقلاّنی دراصل علمِ کلام اور مناظرہ کے عالم تھے، ان کے سامنے وہ یہودی تھے جو قرآن پر اعترض کرنے کے لئے بہانے تلاش کیا کرتے تھے، ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، مگر عربی اشعار کا ترجمہ نہیں دیا جائے گا، کیوں کہ ترجمہ سے کام نہیں چلے گا اور نہ مفہوم سمجھ میں آئے گا جب تک کہ اس کے پس منظر میں عربی رواج، اس وقت کے پیراہن، بٹن کی جگہ دو بڑے بڑے شگاف (جن کا قائم مقام آج کا ''کاج'' سمجھئے) مگر کس طرح ان کو گس لیا جایا کرتا تھا، اس پورے ماحول اور روایات وتقالید کو بیان کیا جائے تو قاری کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور ان سے اپنے بیان ومقصد کی شرح کا کام لاطائل مسائل میں الجھ کر رہ جائے گا۔

۱۔ فنِ بدیع کی ایک قسم ''الموازنہ'' ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

''واصبر علی حر اللقاء و مضض النزال وشدة المصاع''

یہ نثر میں ایک فقرہ ہے، اس لئے ترجمہ کر دیتا ہوں: ''میدانِ کارزار کی گرمی میں ایک دوسرے کو للکارتے ہیں ''نزال'' کہتے ہیں اور تلواروں سے اپنی ہمت کا نظارہ کرتے ہیں اس وقت اپنے دل جمائے رکھو۔'' اس میں فعل ایک ہے اور

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اسماء متعدد ہیں، اور سلاست ہے کہ جیسے ایک لفظ دوسرے لفظ سے پیوست ہے، اسی طرح امرؤالقیس کا ایک شعر ہے نہ تو پورا قافیہ ہے اور نہ ہی بے ربط کلام، چھوٹے چھوٹے فقرے کلام کی ایک زنجیر بنا رہے ہیں، علامہ باقلانی اس کے بعد لکھتے ہیں: ونظیرہ فی القرآن قرآن میں اس کی نظیر ہے:

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ	قسم ہے بُرجوں والے آسمان کی (مراد بُرجوں سے بڑے بڑے ستارے ہیں) اور (قسم ہے) وعدہ کئے ہوئے دن کی، اور حاضر ہونے والی کی اور قَسَم ہے اس (دن) کی جس میں لوگوں کی حاضری ہوتی ہے
(البروج: ۱-۳)	

یہاں دیکھئے پہلی آیت میں البروج ہے اور دوسری و تیسری آیت میں الموعود اور مشہود ہے جو البروج کا قافیہ تو نہیں لیکن ایک لسانی زنجیر تیار کرتے ہیں جو عربوں کے کلام کا کبھی زیور سمجھا جایا کرتا تھا، مگر قرآن اس سے خالی نہیں ہے اور یہی مصنف (باقلانی) کو دکھانا ہے۔

۲۔ بدیع کی ایک قسم ''صحة التقسیم'' کہی جاتی ہے اس کی متعدد مثالیں دینے کے بعد قرآن کریم کا ارشاد ''ونحوہ قول الله عزوجل'' (اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہہ کر نقل کرتے ہیں)

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ	اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (یا بچا کر) نورِ (اسلام) کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

النُّوۡرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ — شیاطین ہیں (انسی یا جنی) وہ ان کو
(البقرة : ۲۵۷) — نورِ (اسلام) سے نکال کر (یا بچا کر، کفر
کی) تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں

تقسیم ملاحظہ ہو:

مؤمن = النور ، کافر = الظلمات

نتیجہ: ظلمات سے نکال کر منطقۂ نور میں پہنچانا اور اس کے برعکس ناقدری اور کفر کی بناء پر نور سے ظلمات کے غار میں گرا دینا۔

۳۔ بدیع کی ایک قسم "ترصیع" ہے ایک لفظ سے متصل الفاظ ایک دھاگے میں پروئے ہوئے معلوم ہوں حالاں کہ ہر لفظ کے علیحدہ معنی ہوں، ہیئتِ صوتی علاحدہ ہو، صرف ڈھانچہ ایک ہو جیسے امرؤ القیس کا مشہور شعر ہے:

مکر ، مفر ، مقبل مدبر معا
کجلمود صخر حطه السیل من عل

قاضی باقلانی نے متعدد اشعار میں یہ فن دکھایا ہے، مگر قرآنِ کریم سے کوئی مثال نہیں دی ہے، اس امر کو ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمان نے بھی محسوس کیا ہے ،لیکن شیخ مصطفیٰ صادق الرافعی نے جہاں یہ دکھایا ہے کہ قرآنِ کریم میں مفرد الفاظ جن کے معنی جدا جدا ہیں، قرآن میں وارد ہو کر ایک جان معلوم ہوتے ہیں اور یہی ترصیع ہے بلکہ ترصیع کی اعلیٰ قسم ہے:

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الطُّوۡفَانَ — پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور
وَالۡجَرَادَ وَالۡقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ — ٹڈیاں اور گھن کا کیڑا اور مینڈک
وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ — اور خون کہ یہ سب کھلے کھلے معجزے
(الاعراف : ۱۳۳) — تھے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ان کے علاوہ بھی بدیع کے اقسام ہیں جیسے: المساواۃ ،المبالغہ ، التکافؤ،صحۃ التفسیر ، الکتابۃ ، التعریض ، الاعتراض، الرجوع ، الاستثناء وغیرہ جن کی مثالیں شیخ باقلانی نے عربی اشعار سے تلاش کر کے فراہم کی ہے مگر قرآن کریم کی آیت اس کے مقابلہ میں نہیں پیش کی۔

حالاں کہ قرآنی آیات میں ان تمام اقسامِ بدیع کی مثالیں مل جاتی ہیں،

جیسے مساواۃ کی مثال:

سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَأَنذَرۡتَهُمۡ أَمۡ لَمۡ تُنذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُونَ (البقرۃ : ٦)

برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لاویں گے۔

مبالغہ کی مثال آیتِ زیتیہ:

يَكَادُ زَيۡتُهَا يُضِيٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ نُّورٌ عَلَىٰ نُورٍ يَهۡدِي ٱللَّهُ لِنُورِهِۦ مَن يَشَآءُ وَ يَضۡرِبُ ٱللَّهُ ٱلۡأَمۡثَٰلَ لِلنَّاسِ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمٌ (النور : ۳۵)

اس کا تیل (اس قدر صاف اور سلگنے والا ہے کہ) اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا، (اور جب آگ بھی لگ گئی تب تو) نور علی نور ہے، (اور) اللہ تعالیٰ اپنے (اس) نورِ (ہدایت) کے لئے (یہ مثالیں) بیان فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

صحۃ التفسیر کی مثال:

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝

بتلادیجئے ہم کو راستہ سیدھا راستہ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحة : ۷،۶)	ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے، نہ راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا جو راستہ سے گم ہو گئے۔

"الصراط المستقیم" کی شرح (بدل سے) صراط الذین انعمت ایک اثباتی اور ایک منفی۔

اعتراض کی مثال:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ (القیامة : ۱۶)	(اور اے پیغمبر) آپ قبل اختتامِ وحی قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو جلدی لیں۔)

شیخ باقلانی ان آیات کی روشنی میں بلاغت کا ایک نکتہ پیش کرتے ہیں۔

"قرآن کی ایک ایک آیت کو دیکھ جایئے، ہر آیت ایسی معلوم ہوگی کہ ہر آیت میں تاروں جیسی چمک ہے اور اسی طرح ہمارے انسانی قامت سے بلند ہے جیسے آسمان کو زینت دینے والے آفتاب و ماہتاب، نجوم و کواکب، یہ آیت پڑھیے اور اعجاز کی جو بھی تعریف کی گئی ہے اس کی روشنی میں جانچیے:"

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (القصص : ۴)	فرعون سرزمینِ (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا، اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا کہ ان (باشندوں) میں سے ایک جماعت (یعنی بنی اسرائیل) کا زور گھٹا رکھا تھا (اس طرح سے کہ

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner
toobaa-elibrary.blogspot.com

ان کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا اور ان
کی عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو زندہ
رہنے دیتا تھا، واقعی وہ بڑا مفسد تھا۔

اس آیتِ کریمہ میں گنے ہوئے، ہلکے پھلکے، مختصر، آسانی کے ساتھ زبان سے ادا ہونے والے الفاظ ہیں، پھر اس کی شانِ بدیعی دیکھئے:

علا بمقابلہ ضعف = طباق، اضداد، الارض، حرفِ جرفی بجائے علی کے، کیوں کہ فعل علا نے اس حرف (علی) سے بے نیاز کر دیا، اب اس آیت کی چمک دمک دیکھئے، تازگی جیسے گلاب کے پھول پر شبنم کا قطرہ ہو، فصاحت کا جواب نہیں، بلاغت کی کوئی نظیر نہیں۔

علامہ باقلانیؒ بدیع و بلاغت کے اقسام میں سے ایک ایک کو سامنے لاکر دکھاتے ہیں کہ اگر اس کا صحیح استعمال دیکھنا ہو تو لسانیاتی ذوق سجدہ کرے اور روحِ ادب دوزانو ہو، وہ قرآنِ کریم کے الفاظ و جمل اور ترکیبیں ہیں، شیخ باقلانی ان خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے، جھوم رہے ہیں، ان کی فکر رقص کر رہی ہے اور ان کا وجد یقین میں ہے۔

باقلانی کی اعجاز القرآن کا مختصر تعارف ان کی ایک عبارت پر ختم کرتے ہیں، کاش ہم اردو ترجمہ بھی اسی شان کا کر سکتے،

بہر حال عربی زبان وادب کا ذوق رکھنے والوں کو ان سے محروم رکھنا بھی جرم ہوگا:

هذا الرصيد الضخم من الفاظه البديعية، و عبارته الفخمة فی الصناعة والبراعة، و الفخامة، والسلامة، والنضارة، والغضارة، والرونق والماء، والحسن والبهاء، والبهجة والسناء، والنور والضياء، والدر، والياقوت،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

والفريدة العقد، و عين القلادة، و درة الشذر، والبحر الزاخر، والنجوم الزاهرة، والكبريت الاحمر

یہ ہے وہ ثروتِ گرانمایہ، اس نایاب ونفیس کلام کی جس کی عبارت پُرجلال جس کا انوکھا پن پُر جمال، جن کا انداز عظمتِ شان، جو ہر لمحہ تازہ وشاداب، ہر آن روح پرور وروح افزا، جس کی رگ رگ میں تازگی کا حسن اور تراوٹ، چمک دمک، دل کشی اور دیدہ زیبی اور حسن کا اجالا، ہر جگہ پھیلنے والا نور، موتی اور یاقوت، ہر نقطہ کسی مالا کی کلغی، ہر شوشہ کسی قلادۂ حسین ونایاب کا موتی، جوش مارتا ہوا دریا، چمکتا ہوا ستارا، چمک دمک میں بے مثال اور مادۂ سیال (کبریت احمر)(۱)

(۱) کبریت احمر ایک معمولی قسم کا معدن ہے، جو بہت سنہرا یا چاندی جیسا سفید ہوتا ہے، اس کو اچھے پارسل یا قیمتی تحائف کا پیکٹ بنانے کے لئے آج کل استعمال کرتے ہیں، قدیم زمانہ میں اس کی مثال دی جاتی تھی۔ ملاحظہ ہو: اُقرب الموارد۔ ع ع ن۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ابو عیسیٰ الرُّمّانی

الرُّمّانی ۲۹۶ھ میں ''سامراء'' میں پیدا ہوئے بعض تذکرہ نویسوں نے ان کی جائے پیدائش ''بغداد'' لکھا ہے، بڑے عالم فاضل، محدث، مفسر ہونے کے علاوہ، علمِ بلاغت میں اپنے وقت کے امام شمار کیے گئے ہیں، ''بُروکلمن'' نے (BROCKELMANN متوفی ۱۸۹۷ء) اپنے تذکرہ میں ان کی متعدد تالیفات ذکر کی ہیں، ''ابنِ تغری بردی'' نے لکھا ہے کہ نحو اور فنِ منطق میں ان کے زمانہ میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، عقیدہ کے لحاظ سے معتزلی تھے، مگر اس عقیدہ کی بناء پر کسی نے ان کی تصنیفات کو نظرانداز نہیں کیا، جیسے ''محمود الزمَخشری'' کی تفسیرِ ''کشاف'' اور ''أساس البلاغة'' کی اہمیت تسلیم کی گئی، اعجازِ قرآن کی توضیح میں یہ ''صرفہ'' کے قائل تھے جس کا ان کے معاصرین اور بعد میں پیدا ہونے والے مؤلفین نے پوری طاقت کے ساتھ جواب دیا لیکن مسائلِ بلاغت میں کوئی بات قابلِ اعتراض نہیں پائی گئی۔

یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود تمام مؤلفین کا مرجع رہی ہے، یہ کتاب (جس کو مختصر ہونے کی بنیاد پر کتابچہ لکھا گیا ہے) مکتبۂ تیموریہ میں موجود تھی، وہاں سے ترکی (استنبول) کے مکتبہ ''حکمت عارف'' میں نقل حاصل کی گئی۔

الرُّمّانی کی نسبت ''بروکلمن'' کے حوالہ سے استاذ محمد خلف اللہ نے اپنی تحقیق وتصحیح کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ وہ انار (رُمّان) کے باغ کے پہرہ دار تھے اور دوسرے تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے ''قصر الرمان'' (استنبول) کی طرف

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نسبت ہے جہاں سے ان کو علمی خدمات جاری رکھنے اور اس کی طرف یکسو رہنے کے لئے وظیفہ ملا کرتا تھا۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اس کو اپنے نصابِ تعلیم میں جگہ دی جس سے طلبہ میں بلاغتِ قرآنی کا ذوق پیدا ہوا، راقم نے دار العلوم کے درس میں یہ کتاب حضرت الأستاذ مولانا ناظم رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۳۹۰ھ میں پڑھی تھی۔

الرُّمّانی کا نہج اور موضوعِ بحث

شیخ الرُّمّانی نے اپنے مختصر رسالہ میں جوش و جذبات کا اسلوب نہیں اختیار کیا ہے جیسا کہ علامہ باقلّانی کی کتاب میں وفورِ جذبات اور احساسات کی اعلیٰ ترین ترجمانی کا عنصر، علمی وفنی اصول پر غالب نظر آتا ہے، بہر حال یہاں مقصد ان دو معروف و مقتدر علمائے بلاغت کے درمیان موازنہ نہیں کرنا ہے، ہمارا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ کس نے کس طرح لکھا ہے۔

شیخ الرُّمّانی نے عربی نظم ونثر سے قرآن کا موازنہ نہیں کیا ہے، وہ اپنی بات، قدیم مصنفین کے طرز پر شروع کرتے ہیں، جیسے کسی نے ان سے دریافت کیا ہو اور وہ جواب دے رہے ہوں، رسالہ کا موضوع اعجازِ قرآنی ہے، اس لئے وہ پوچھتے ہیں کہ قرآنِ کریم کس لحاظ سے معجزہ ہے؟ الرُّمّانی فرماتے ہیں کہ قرآن کا اعجاز، سات رُخ سے ظاہر ہوتا ہے۔

پہلا رُخ (جس کو وہ "جہت" کہتے ہیں) قرآن کریم نے تمام اہلِ عرب کو جن کی مادری زبان عربی تھی اور جو اس زبان کے لفظی ومعنوی محاسن کا ادراک رکھتے تھے، ایسے تمام لوگوں کو قیامت تک کے لئے چیلنج (تحدّی) کیا کہ ایسا کلام بنا کر لاؤ اگر تم سچے ہو، اور خدانخواستہ قرآن کو باطل اور من گڑھت سمجھتے ہو تو تم

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ایسا کلام بنا کر پیش کرو، (اس کو معارضہ کہتے ہیں) مگر کوئی اس تحدِّی کا جواب نہ دے سکا، اور خاص طور پر ایسی حالت میں ان کو خود اس کی ضرورت تھی کہ اس چیلنج کا جواب دیتے اور چند آیتیں بنا کر دکھا دیتے، پھر نہ کسی جنگ کی ضرورت پڑتی اور اسلام کو باطل ٹھہرانے کا آسان ترین اور قریب ترین راستہ مل جاتا۔

قرآن کی تحدِّی بھی کسی ایک سورت کے لئے نہیں تھی کہ کسی بڑی سورت کی نظیر لائیں، بلکہ پورے طور پر (کافة) ان کو آزادی تھی کہ چھوٹی، بڑی، متوسط کسی درجہ کی ایک سورت بنا لاتے، لیکن وہ ایسا نہ کر سکے، یہ بات اپنی جگہ پر مستقل معجزہ ہے۔

معجزہ ہونے کا دوسرا رُخ الرُّمّانی کے نزدیک ''الصرفہ'' ہے جس کی تشریح اور جواب، عقلی اور علمی دونوں لحاظ سے اس کا لغو ہونا ثابت ہو چکا ہے اور پیشِ نظر کتاب کے دوسرے باب میں بیان کیا جا چکا ہے اس لئے اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، مگر ابو الحسن عیسیٰ الرُّمّانی کی تحقیق پر گفتگو کرتے ہوئے چند فقرے لکھنے پر مجبور ہوں، کیوں کہ الرُّمّانی باوجود اپنی وسعتِ علمی اور وسعتِ نظری کے ''صرفہ'' کے قائل لوگوں میں تھے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ مسلم لکھتے ہیں:

''جب عرب اور عجم اسلام کی دعوت پر اکٹھا ہوئے اور عجمی عقل، عربی صداقت پر حاوی ہونے لگی تو یہ فکر ہوئی کہ عرب تو ہار مان گئے اور قرآن جیسی چھوٹی سی چھوٹی سورت نہیں پیش کر سکے، بصرہ کے علماء نے نئے نئے نظریات پیش کرنا شروع کر دیئے، ان علماء میں عجمی مسلمان زیادہ تھے، دوسری صدی کا آخری زمانہ تھا، بغداد اور بصرہ دونوں مقامات کی ادبی فضائیں مختلف تھیں، بغداد کے صوفیائے کرام اور علمائے تفسیر یکسو ہو کر اپنا کام کر رہے تھے، بصرہ میں

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ایران کے علماء اور یونانی فلسفہ داں جمع ہو گئے تھے، ان کی مجلسیں ہوا کرتی تھیں، بات بات پر نکتے پیدا کیا کرتے تھے، انہی لوگوں نے بعد میں چل کر ''خَلْقِ قرآن'' کا مسئلہ کھڑا کیا اور علمِ کلام کو الٰہیات سے جوڑ دیا، انہیں لوگوں میں وہ لوگ بھی پیدا ہوئے جو اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کی دعوت دیتے تھے، ثنوی، معنوی، سمنی، بحری، زرداشتی وغیرہ'' (۱)

جمہور علماء، قرآن، اعجاز اور معجزہ کے اس مسئلہ میں نہیں الجھے اور نہ ان کو کوئی شک وشبہ تھا جن کو سامنے لاتے، بقول جاحِظ (متوفی: ۲۵۵ ھج): واصل بن عطاء (متوفی: ۱۳۱ ھج) (جو بصرہ میں معتزلہ کے شیخ تھے) نے یہ آواز اٹھائی کہ قرآن کا اعجاز اس کا کوئی ذاتی ہنر نہیں ہے، بات صرف اتنی ہے کہ اللہ نے قرآن کا مقابلہ کرنے کی ہمت سلب کرلی ہے۔

یہ فکر دب گئی تھی مگر پچاس برس بعد شیخ المعتزلہ ''النظّام'' نے دوبارہ زندہ کیا، النظّام کا پورا نام ابراہیم بن سَیّار النظام ہے (۲) اس نے پھر واصل بن عطاء کی مَری ہوئی آواز کو ''صرفہ'' کے نام پر اٹھایا، اس کا سب سے پہلا جواب جاحظ نے دیا جو ''نظّام'' کا شاگرد تھا، کہا جاتا ہے کہ جاحظ نے اپنی کتاب ''الحیوان'' اور ''البیان والتبیین'' میں اس موضوع کی طرف اشارہ کیا لیکن تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ''نظم القرآن'' میں ذکر کیا ہے۔

قرآن کے معجزہ ہونے کی دلیل سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اسی کتاب میں ہے، اسی کا کہنا تھا کہ قرآن مجید کی بلاغت پر ایمان لانے کے لئے ایک آیت کافی ہے، جنت میں جو شراب دی جائے گی اس کی تعریف قرآن نے کی ہے:

---

(۱) مباحث فی اعجاز القرآن للدکتور مصطفی مسلم

(۲) لفظ ''نِظام'' نہیں بلکہ ''النظّام'' ہے، فَعّال کے وزن پر جو پیشہ کے لئے بولا جاتا ہے، جیسے: نَجّار، حدّاد، وغیرہ، اسی طرح مُونجھ کی رسی بانٹنے والے کو نظّام کہا جاتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۔ (الواقعۃ : ۱۹) نہ اس سے اس کو دردِ سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا۔

یہ دو عیب دنیا کی ہر شراب میں پائے جاتے ہیں، اسی طرح جنت کے پھل کا ذکر اس طرح کیا:

لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ (الواقعۃ : ۳۳) جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان پر روک ٹوک ہوگی۔

ان دو لفظوں میں پھل کی تمام اچھی خصوصیات جمع ہیں۔

لیکن تعجب کی بات ہے کہ ''جاحظ'' کی کتاب ''نظم القرآن'' کے بارے میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین، مصطفیٰ صادق الرافعی، دکتورہ بنت الشاطیؒ اور جن نئے لکھنے والوں نے اس فن پر کام کیا ہے وہ یہی لکھتے ہیں کہ یہ کتاب دیکھی نہیں صرف اس کے بارے میں سنا ہے، سید قطبؒ نے اس کے حوالے زیادہ دیئے ہیں مگر وہ بھی کسی اشاعت یا نسخہ کا تعین نہیں کرتے ہیں، خاکسار کاتب الحروف نے دار الکتب المصریۃ، دار الکتب لشیخ الازہر میں کئی روز صرف کئے مگر اس کتاب کی ایک جھلک نہیں دیکھ سکا۔

وہ حضرات جو جاحظ کے بعد اس فن کی طرف متوجہ ہوئے اور قرآن مجید کے بہت ہی گہرے معانی اور لطیف اشارات، آیاتِ قرآنیہ سے حاصل کئے اور نظمِ قرآن کے موضوع پر کئی کتابیں تالیف کیں، ان میں ابو بکر عبد اللہ بن ابو داؤد السجستانی (متوفی ۳۱۶ ھج) نے اسی نام ''نظم القرآن'' کے ساتھ ایک کتاب لکھی، پھر ابوزید بلخی (متوفی: ۳۲۲ ھج) نے اس فن پر کتاب لکھی اور اس کا نام بھی ''نظم القرآن'' رکھا، اور ایک معتزلی عالم ابو بکر احمد بن علی جو ''ابن الاخشید'' کے نام سے مشہور

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہے، اس نے بھی کتاب اس فن پر لکھی اور اس کا نام بھی ''نظم القرآن'' رکھا۔

رُمانی کے نزدیک صرفہ کے بعد چوتھی جہت، قرآن کی بلاغت ہے جو اپنی جگہ پر معجزہ ہے، الرُّمّانی نے اس باب کا حق ادا کیا ہے اور تفصیل سے عربی بلاغت پر گفتگو کی ہے اور ہر عنوان: استعارہ، تشبیہ وغیرہ کے لئے قرآن سے مثالیں جمع کی ہیں، میرے خیال میں یہی الرُّمّانی کی کتاب کا امتیاز ہے۔

پانچویں جہت قرآن کریم میں مستقبل کی پیشین گوئیاں ہیں، یہ تفصیل بھی گذشتہ ابواب میں پیش کی جا چکی ہیں

چھٹا پہلو یا جہت یہ ہے کہ ایک امی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا، زبانِ مبارک سے انبیائے سابقین کے واقعات، باعثِ عبرت داستانیں سنانا، انسانی فطرت کی ترجمانی کرنا ''نقضِ عادت'' جو بذات خود ایک معجزہ ہے۔

آخری سبب یا جہت یہ ہے کہ قرآن کریم میں جس طرح دوسرے انبیائے کرام کے معجزات ذکر کئے گئے، انہیں معجزات پر قرآن کے معجزہ کو خاص کیا جائے گا۔

یہ سات جہتیں جو اوپر ذکر ہوئیں ان کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان جہتوں میں بنیادی اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں ہے، بات ایک ہی ہے البتہ عنوانات و پیرایہ بیان مختلف ہیں۔

بہر حال الرُّمّانی نے بلاغت کا تجزیہ اس طرح کیا ہے:

اعجازِ قرآنی کی جہتوں میں شیخ الرُّمّانی ''بلاغت'' کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور یہی ان کی تحقیق و تالیف کا امتیاز ہے چنانچہ الرُّمّانی کہتے ہیں:

بلاغت کے تین طبقہ ہیں، جو سب سے پہلا طبقہ ہے وہ اعجاز کا مقام رکھتا ہے اور قرآنِ کریم کے علاوہ کوئی کلام، کسی کا کلام، کسی زمانہ میں، اس طبقہ تک رسائی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

حاصل نہیں کر سکا۔

اس کے علاوہ ایک ادنی طبقہ ہے اور اس میں ایک طبقہ، طبقۂ وسط ہے جس میں بڑے بڑے اُدَباء اور اَصحابِ فن و اسلوب، زبان پر مہارت کی وہبی صلاحیت رکھنے والے اہلِ زبان وقلم ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے، اور نہ صرف عربی میں بلکہ دنیا کی ہر زبان میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو دل باتوں سے موہ لیتے ہیں اور مخاطب کے وجدان پر حکومت کرتے ہیں، اس کے ذوق کی تربیت کرتے ہیں۔

بلاغت کا مفہوم اپنے مخاطب کو بات سمجھا دینا نہیں ہے، گونگے بہرے بھی آپس میں ایک دوسرے کو اپنا مدعا بتا دیتے ہیں، ایک شخص جو صحیح الفاظ استعمال نہ کر سکتا ہو وہ اپنی بات مخاطب سے ٹوٹے پھوٹے جملوں میں بتا دیتا ہے، مگر ان میں سے کسی کو بلیغ نہیں کہا جاتا۔ بلاغت کا اطلاق ایسے کلام پر ہوگا جو بولنے والا (یا لکھنے والا) اپنے مفہوم کو اعلیٰ ترین طریقہ پر سمجھا دے اور دل میں اتار دے، جس میں جاذبیت اور مَنْ مُوہنی ہو، شیخ الرُّمانی نے اس کی کوئی مثال نہیں دی ہے، راقم عرض کرتا ہے کہ ایک شخص اگر پھٹا، پُرانا میلا بوسیدہ کپڑا جسم پر ڈالے ہوئے ہو جس سے اس کی ستر پوشی ہو رہی ہو، اس کے پیراہن کو لغت کے اعتبار سے لباس تو کہا جا سکتا ہے، لیکن اگر آپ کسی کے لباس کی تعریف کریں تو اس کا مطلب ہوگا کہ وہ عرفی پیراہن اچھے کپڑے کا بنا ہوا، مناسب طریقہ سے سلا ہوا ہے، لہٰذا آپ کا یہ کہنا کہ شہر میں ایک شخص ایسا لباس پہنتا ہے جس کو لوگ رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، نوجوان اس کی نقل کرنا چاہتے ہیں، درزی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایسا لباس تیار کر سکتے ہیں، ظاہر ہے اس طرح کے لباس کو آپ لغت کے اعتبار سے خواہ پیراہن کہیں مگر دونوں میں زمین وآسمان کا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

فرق ہوگا۔

شیخ الرُّمّانی نے بلاغت کے دس اجزاء یا دس قسمیں تجویز کی ہیں: ایجاز، تشبیہ، استعارہ، تلاؤم، (ہر لفظ کا دوسرے لفظ سے مربوط ہونا) فواصل، (ایک جملہ کا خاتمہ اور دوسرے جملے کی ابتداء میں تناسبِ صورتی) تجانس، (بدیع کے ذکر میں اس کی تفصیل کی جاچکی ہے) تصریف، تضمین، مبالغہ، حسن البیان، ان میں سے ہر باب پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جن کو ہم یہاں اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔

باب الایجاز

(''ایجاز''، ''وجز'' کا مصدر مزید فیہ کے باب افعال سے ہے) ایک بات جو طویل کی جاسکتی ہے، یا یوں کہئے کہ جو بات زیادہ الفاظ میں کہی جاسکتی ہے اس کو مختصر الفاظ میں ادا کرنا اور اس طرح کہ مفہوم میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ آپ نے ایک کم سِن بچہ سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے، بچے نے جواب دیا: ''میرا نام عبدالحمید ہے'' دوسرا لڑکا جو ذرا عمر میں زیادہ ہے اور اس کی سمجھ بھی اچھی ہے، آپ نے اس سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: ''عبدالحمید'' لہٰذا اس لڑکے نے ایجاز سے کام لیا، یہ نہیں کہا کہ ''میرا نام ...... ہے'' عربی میں اسے ایجازِ بیانی کہتے ہیں اور یہ کلام کا حسن کے ساتھ، بلاغت کی اعلیٰ قسم ہے جو قرآنی بلاغت کا خاص عنصر ہے، اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایجاز بالحذف (۲) ایجاز۔ بالقصر

بعض الفاظ مثلاً مضاف، مضاف الیہ میں سے کسی کو حذف کردیں تو اس کو ایجاز بالحذف کہا جائے گا، خطابی اس کو ایجازِ لفظی اور العسکری اس کو ایجاز

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

باللفظ کہتے ہیں، جیسے قرآن کریم میں وارد ہوا:

و اسْئَلِ الْقَرْيَةَ ''گاؤں سے پوچھ لو۔'' مطلب یہ ہوگا کہ گاؤں کے باشندوں سے پوچھ لو، اردو میں بھی بولتے ہیں: یہ بات پورے ملک کو معلوم ہے، مطلب یہ ہے کہ پورے ملک کے رہنے والوں کو معلوم ہے، رمّانی نے کئی مثالیں دی ہیں:

وَلٰكِنَّ البِرَّ مَنِ اتَّقىٰ ''حسن سلوک تو اس کا ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا'' اگر حذف نہ ہو تو جملہ یوں ہوگا ''وَلٰكِنَّ البِرَ بِرُّ مَنِ اتَّقىٰ''

ایجاز بالقصر یہ ہے کہ الفاظ کم بولے جائیں اور معنی پورے حاصل ہوں، رُمّانی نے اس کی کئی مثالیں دی ہیں، جن میں یہ آیت: ﴿ ولکم فی القصاص حیاۃ ﴾ کو خاص طور پر سمجھا کر اور تجزیہ کر کے بیان کیا ہے، کیوں کہ عربی زبان میں ایک جملہ اس معنی میں بولا جاتا تھا، اور وہ بھی بلیغ جملہ ہے، مگر قرآن کے مقابلہ میں بے حقیقت ہے، وہ جملہ یہ ہے: ''القتل انفی للقتل'' یعنی کسی کے خون کرنے کا بدلہ اس طرح لیا جائے کہ اس کا خون کر دیا جائے (جیسے پھانسی دے دی جائے،) تو پھر لوگوں کی ہمت نہیں پڑے گی کہ جس کا چاہیں قتل کر ڈالیں، لہٰذا ایک قتل دوسروں کے قتل سے بچاتا ہے، قرآنِ کریم کی آیت میں یہی مفہوم دو لفظوں میں آیا ہے: ''فی القصاص حیاۃ''، قصاص، قاتل کو سزائے موت دینے کا نام ہے، لیکن لفظ کس درجہ صاف، زبان پر آسانی سے آنے والا، مفہوم انتہائی واضح ہے برخلاف لفظ ''قتل'' کے اس میں ''ق'' کے ساتھ ''ت'' کا آنا لفظ کو کھر دُرا بنا دیتا ہے۔ ایک ایسا جملہ جس میں ایک لفظ دو بار آیا ہو پسند نہیں کیا جاتا اور لفظ بھی ایسا ہو جس کو انسانی طبیعت پسند نہ کرتی ہو، جیسے لفظ "قتل"۔ "قتل" کے بجائے ''حیاۃ'' کہنے کو انسانی طبیعت پسند

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کرے گی۔

دلائل الاعجاز کے آخر میں شیخ عبدالقاہر جُرجانی نے ایک مختصر مکالمہ لکھا ہے جس سے بلاغت کا صحیح اور مکمل مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے، بات ایک ہی ہے مگر کہنے کا طرز ایک کو حسین اور دوسرے کو بدنما بنا دیتا ہے: ایک بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ اس کے سارے دانت ٹوٹ گئے ہیں، صبح ہوتے ہی بادشاہ نے درباری اور شہری تعبیر دینے والوں کو بلایا اور اپنا خواب بیان کیا، اور ہر ایک سے علاحدہ علاحدہ تعبیر پوچھی، ایک بڑے معبّر نے کہا کہ جہاں پناہ! تمام اولادیں آپکی زندگی میں ختم ہو جائیں گی، بادشاہ کے اشارے سے ایک دوسرے معبّر نے کہا: حضور کی عمر اپنے خاندان میں سب سے زیادہ ہوگی۔ بات دونوں نے ایک ہی کہی مگر ایک بات ایسی تھی جس سے طبیعت میں تکدّر محسوس ہو، لہٰذا شیخ رمانی جو یہ کہتے ہیں کہ لفظ ''قتل'' میں ایسا عنصر ہے جو طبعِ بشری پر گراں گزرتا ہے، نیز لفظی اعتبار سے '' حیاة '' میں جو فرحت بخش سادگی ہے وہ ایسے لفظ میں کہاں جس میں "ق" کے بعد ''ت'' آیا ہو، اور وہ بھی ایک جملہ میں دوبار، ایجاز کے نقطۂ نظر سے دیکھئے تو قرآنی آیت " القصاص حیاة " میں دس (۱۰) حروف ہیں اور " القتل انفی للقتل " میں ۱۴ حروف ہیں۔

شیخ رُمّانی نے ایک آیت اور ایک عربی مقولہ کا موازنہ کر کے قرآنِ کریم کے اسلوبِ ایجازی کو واضح کیا ہے، دوسری مثال دی ہے کہ کوئی مدرس جب فقہ یا نحو یا ریاضی کا مسئلہ بیان کرتا ہے تو طویل سے طویل بحث کا ایک جملہ میں خلاصہ بیان کر دیتا ہے تا کہ طلبہ کو یاد رہے۔

ایجاز کا مقابل لفظ عام طور پر ''اطناب'' سمجھا جاتا ہے، جیسا کہ ''الطراز'' کے مصنف امام یحیی بن حمزہ اور کتاب ''الصناعتین'' کے مصنف ابو ہلال

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

العسکری نے ایجاز کے مقابلہ میں اطناب کا ذکر کیا ہے اور اس کی مثالیں دی ہیں، حالاں کہ یہ غلط ہے، حسن کا مقابلہ حسن سے نہیں بدصورتی سے ہوتا ہے، اطناب بھی کلام کا ایک حسن ہے صاحب ''الطراز'' شیخ یحیی بن حمزہ علوی لکھتے ہیں: قرآنِ کریم میں ایجاز کی ایک مثال یہ ہے:

و فیها ما تشتهیه الؤنفس و تلذ الاعین والنتم فیها خالدون (الزخرف: ۷۱)

اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جی چاہے گا اور جن سے آنکھوں کو لذت ہوگی اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے۔

یہ آیتِ کریمہ جنت کی تمام لذتوں کو ایک جملہ میں بتا دیتی ہے، (ایک دولت مند کہہ سکتا ہے کہ لذت دینے والی تمام اشیاء پر میرا قبضہ ہے، جب چاہوں اور جس طرح کی لذت چاہوں حاصل کرسکتا ہوں، اس میں جنت کی کیا خصوصیت ہوئی؟ اس طرح کے دعویٰ کرنے والے کو دکھا دیا جائے گا کہ آیت کا خاتمہ ''و انتم فیها خالدون'' پر ہو رہا ہے اور تم ایک مُولی یا انگور کا ایک دانہ بھی ''ہمیشہ'' یا چند دن نہیں رکھ سکتے، لذت کم ہو اور ہمیشہ رہے ایک دانہ بھی وہ اچھی یا وہ لذت جو چند لمحات کی مہمان ہو۔ پھر وہ خشک ہو جائے، اور اپنی منزل پر مر جائے اور ''عوضِ یک دو نفس قبر کی شب ہائے دراز'' کا نمونہ ہوا!!

بہر حال اس مضمون کو اطناب یعنی اپنے مفہوم کو زیادہ الفاظ میں ادا کرنا، اس کی تفصیل اور جزئیات کا بیان کرنا تا کہ شوق بڑھے، تمناؤں میں اضافہ ہو۔ کلام کا اسی طرح حسن ہے جس طرح ایجاز میں حسن تھا۔ یا جہاں عذاب کا ذکر کیا گیا ہے اس میں بھی ایجاز و اطناب ہے، ایجاز کی مثالیں یہ ہیں:

اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ ٥ لَا یُفَتَّرُ

بے شک نافرمان (یعنی کافر) لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عَنۡهُمۡ وَ هُمۡ فِيۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ	وہ (ان) سے ہلکا نہ کیا جاوے گا اور
(الزخرف: ۷۴-۷۵)	وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے۔
اِنَّ الۡمُجۡرِمِيۡنَ فِىۡ ضَلٰلٍ وَّ	یہ مجرمین (یعنی کفار) بڑی غلطی اور
سُعُرٍ (القمر: ۴۷)	بے عقلی میں ہیں۔

اور اسی طرح انعاماتِ جنت کا ذکر بغیر فصل کے:

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِىَ لَهُمۡ	سو کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی
مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍ	ٹھنڈک کا سامان اسے لوگوں کے
(السجدۃ: ۱۷)	لئے خزانہ غیب میں موجود ہے۔

ایک اور بہت ہی لطیف اندازِ بیان میں ایجاز کی روح ایک آیت میں سموئی ہوئی معلوم ہوتی ہے:

وَ اِذَا رَاَيۡتَ ثَمَّ رَاَيۡتَ نَعِيۡمًا وَّ	اور اے مخاطب تو اس جگہ کو دیکھے تو
مُلۡكًا كَبِيۡرًا	تجھ کو بڑی نعمت اور بڑی سلطنت
(الانسان: ۲۰)	دکھائی جاوے۔

ایک مقام پر وارد ہوا:

تَعۡرِفُ فِىۡ وُجُوۡهِهِمۡ نَضۡرَةَ النَّعِيۡمِ	اے مخاطب تو ان چہروں میں
(المطففین: ۲۴)	آسائش کی بشاشت پہچانے گا۔

اب اطناب کا حسن دیکھئے:

مَثَلُ الۡجَنَّةِ الَّتِىۡ وُعِدَ	جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا
الۡمُتَّقُوۡنَ فِيۡهَاۤ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ مَّآءٍ	جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس
غَيۡرِ اٰسِنٍ وَ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ لَّبَنٍ لَّمۡ	میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں
يَتَغَيَّرۡ طَعۡمُهٗ وَ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ خَمۡرٍ	جس میں ذرا تغیر نہیں ہوگا، اور بہت

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیۡنَ وَ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ عَسَلٍ مُّصَفًّی

(محمد : ۱۵)

سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا، اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والے کو بہت لذیذ معلوم ہوگی، اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف ہوگا۔

اور ارشادِ قرآنی:

فِیۡ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۝ لَّا تَسۡمَعُ فِیۡهَا لَاغِیَةً ۝ فِیۡهَا عَیۡنٌ جَارِیَةٌ ۝ فِیۡهَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَةٌ ۝ وَّ اَکۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَةٌ ۝ وَّ نَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَةٌ ۝ وَّ زَرَابِیُّ مَبۡثُوۡثَةٌ ۝

(الغاشية : ۱۰ ـ ۱۶)

اور بہشتِ بریں میں ہوں گے، جس میں کوئی لغویات نہ سنیں گے، اس (بہشت) میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے، اور اس (بہشت) میں اونچے اونچے تخت (بچھے) ہیں، اور رکھے ہوئے آبخورے (موجود) ہیں، اور برابر لگے ہوئے گدے (تکیے) ہیں، اور سب طرف قالین (ہی قالین) پھیلے پڑے ہیں۔

جنت کا شوق دلانے اور تمناؤں کو بیدار کرنے اور دنیاوی زندگی کی لذتوں اور معائب دونوں کو ہلکا، بے وزن اور حقیر جتانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ارشادات جو اطناب کی صفت لئے ہوئے ہیں، مثلاً یہ ہیں:

عَلٰی سُرُرٍ مَّوۡضُوۡنَةٍ ۝ مُّتَّکِـِٕیۡنَ عَلَیۡهَا مُتَقٰبِلِیۡنَ ۝ یَطُوۡفُ عَلَیۡهِمۡ وِلۡدَانٌ

وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، ان کے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مُخَلَّدُوْنَ ٥ بِأَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ وَكَاسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ٥ لَّايُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَايُنْزِفُوْنَ ٥ وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ٥ وَ لَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ٥ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ٥ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ٥

(الواقعة : ۱۵۔۲۳)

پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمدورفت کیا کریں گے، آبخورے اور آفتابے اور ایسی شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جاوے گا، نہ اس سے ان کو دردِسر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا، اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے، اور پرندوں کا گوشت جو ان کو مرغوب ہوگا، اور ان کے لئے گوری گوری بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی، (مراد حوریں ہیں) جیسے (حفاظت سے) پوشیدہ رکھا ہوا موتی۔

اس طرح کی کافی تعداد میں ایسی آیات ہیں جن میں اطناب ہے، قرآنِ کریم کی معجزاتی خصوصیت یہ ہے کہ جہاں ایجاز ہے وہاں کسی ایک حرف کے بڑھانے کی ضرورت نہیں، پورا مفہوم واضح، صاف اور روشن نظر آتا ہے، اور جہاں اطناب ہے وہاں ایک لفظ گھٹانے یا کم کرنے یا ان کی جگہ بدلنے کی گنجائش نہیں، جزاء کا ذکر اس قدر دل آویز اور سزا کا ذکر اس درجہ رونگٹے کھڑے کردینے والا کہ ساری دنیا کے مسخرہ گو، حقائق کو حقارت آمیز لہجے میں دہرانے والے، جنت، حور، اور ہمیشہ ایک ہی عمر میں رہنے والے غلام اور ان کا بیان، اہلِ ایمان کو ایمان کی لذت عطا کرتا ہے، اور وہ منکرین کے لئے تحقیر وتکذیب کا عنوان بن جاتا ہے، جو ایک مکھی یا چیونٹی جیسی زندگی بھی بزورِ بازو نہیں حاصل کرسکتے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

شیخ ابوالحسن علی عیسی الرُّمانیؒ نے فہمِ قرآنی کو آسان بنانے کے لئے دوسرے موضوعات پر گفتگو کی ہے، ایجاز کا ذکر تفصیل سے (مگر صرف چند مثالوں کے ذریعہ) اور اطناب کا ذکر نہیں کیا ہے، دوسرے علمائے بدیع و بلاغت نے دکھایا ہے کہ اصل چیز بات کا کم الفاظ میں ادا کرنا ہے یا زیادہ الفاظ میں، اور دونوں کی دو قسمیں ہیں:

ایجاز کے مقابلہ میں تقصیر (کوتاہ بیانی) معیوب ہے۔

اطناب کے مقابلہ میں اکثار یا تطویل یعنی بلا فائدہ دردِ سر پیدا کرنے والی تفصیل۔

باب التشبیہ

ان اقسام کی طرف معمولی سا اشارہ کرتے ہوئے علامہ رُمانی آگے بڑھ جاتے ہیں، اور بلاغت کی ایجاز کے بعد دوسری قسم تشبیہ کو قرآنی مثالوں سے سمجھاتے ہیں۔

شیخ الرّمانی نے تشبیہ کی متعدد مثالیں قرآنِ کریم سے اقتباس کر کے اپنے مجموعہ میں پیش کی ہیں، سب سے پہلے تو انہوں نے تشبیہ کی تعریف کی ہے، وہ کہتے ہیں:

تشبیہ کا مفہوم ہے ایک چیز کو دوسری چیز کے قائم مقام قرار دینا، اس کی عام شکل یہ ہے کہ آپ کہیں یہ کتاب فُلاں کی طرح ہے، یا یہ پانی اس پانی کے مانند ہے، یہ درہم فُلاں کی طرح ہے۔ یہ تشبیہ حسّی کہلاتی ہے کہ دونوں درہم، دونوں کتابیں آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہیں، ہاتھوں سے ٹٹولی جاسکتی ہیں۔

دوسری شکل یہ ہے کہ آپ کہیں کہ فلاں شخص میں شیر جیسی قوت ہے، اس

CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ
toobaa-elibrary.blogspot.com

تشبیہ سے اس شخص کو حسّی طور پر آپ پہچان سکتے ہیں، دیکھ کر، چھو کر، اس کی آواز سن کر، مگر شیر کی قوت تو آپ نے نہیں دیکھی اور نہ یہ دیکھنے کی چیز ہے، آپ عقلاً سمجھ رہے ہیں کہ شیر کی قوت تمام جانوروں سے بڑھی ہوئی ہے، لہٰذا یہ تشبیہ عقلی ہوئی کیوں کہ مشبّہ شیر کی قوت ہے۔ اور اگر دونوں غیر حسّی ہوں، سببِ تشبیہ نفسیاتی ہو، جیسے زید کی قوت عمرو کی قوت جیسی ہے، اس کو تشبیہ نفسی کہیں گے، ان اقسام میں اصل اعتبار سبب تشبیہ کا ہے، زید اور عمرو دونوں کو ہم دیکھ رہے ہیں، مگر قوت دیکھ کر، چھو اور ٹٹول کر، سونگھ اور سن کر، یا دیکھ کر (حواسِ خمسہ) کے ذریعہ نہیں معلوم کی جاسکتی۔

شیخ الرُّمانی کی ذہانت اور قرآنِ کریم سے شَغَف کا اندازہ ان مثالوں سے ہوتا ہے جو اقسامِ تشبیہ بیان کرتے ہوئے انہوں نے دکھایا ہے، کہتے ہیں کہ:

ایک تشبیہ یہ ہے کہ غیر محسوس، ان کے الفاظ میں "جس کی گرفت محسوسات پر" نہیں پڑتی ان کو تشبیہ دی جائے اس چیز سے جو محسوس کی جاتی ہے، مثال قرآن کریم میں وارد ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ

(النور : ۳۹)

اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا (آدمی) اس کو (دور سے) پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے پاس آیا تو اس کو (جو سمجھ رکھا تھا) کچھ بھی نہ پایا اور قضاء الٰہی کو پایا سو اللہ تعالیٰ نے اس (کی عمر) کا حساب، اس کو

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

برابر سَر ابر چکا دیا۔

یعنی کفار کے اعمال، بے حقیقت ہیں، ان کا کوئی وجود نہیں ہے، یہ بالکل اس طرح ہے جیسے ایک چٹیل میدان میں بالو (ریت) پر دھوپ شدت کی پڑ رہی ہو اور دور سے دیکھنے والے کو ایسا محسوس ہو جیسے جھل مل کرتا ہوا پانی ہے، (اس کو سراب کہتے ہیں) بے حقیقت ہے لہٰذا تشبیہ یوں ہوئی:

اعمالِ کفار = بے حقیقت سراب = بے حقیقت

اس تشبیہ میں ایک تو بے حقیقت یا وہمی قسم کی دو چیزوں کا اجتماع اعلیٰ درجہ کا ہے، شاعری کی زبان میں کہتے ہیں تلاش بہت نادر ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی شئی نادر نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ آیتِ کریمہ میں لفظ ''ظمآن'' (سخت پیاسا) آیا ہے، اگر صرف ''دیکھنے والا'' (رائی) کہا جاتا تو مطلب تو ادا ہو جاتا۔ مگر یہ کہنا کہ سراب کو پیاسا جس طرح پانی سمجھتا ہے، جس کو شدت کے ساتھ پانی کی طلب ہو دوسرے شخص میں یہ تڑپ نہیں ہو سکتی، ایک حدیث میں دعائے نبویؐ میں مذکور ہے ''اللھم اجعل حبك احب الی من الماء البارد عند الظمآن'' یعنی اے اللہ اپنی طلب میرے دل میں اس سے سوا کر دے جیسی طلب ایک سخت پیاسے کے دل میں ٹھنڈے پانی کی ہوتی ہے۔

شیخ رُمّانی اس کو کہتے ہیں: 'تشبیه مالا تقع علیه الحاسة الی مالا تقع علیه الحاسة الی ما تقع علیه'' اب دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ ایک تو تشبیہ نادر جو کسی عرب نے پہلے استعمال نہیں کیا، دوسرے اس کے الفاظ شیریں، سبک اور مفہوم انتہائی واضح، کہیں کوئی پیچیدگی نہیں، مزید برآں ایک علمی فائدہ ''پیاسا'' اور ''دیکھنے والا'' کا آپس میں فرق، آپ نے ملاحظہ فرمایا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہے کہ اس تشبیہ میں مشبہ ایسی چیز ہے جو دیکھنے میں نہیں آتی عقل سے سمجھی جاتی ہے، یعنی اعمال کا دفتر۔ اور جس چیز سے تشبیہ دی جا رہی ہے وہ دیکھی جاتی ہے، "سراب" وہ بالو جس پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں اور وہ پانی دکھائی دیتا ہے۔

اسی طرح ایک اور مثال لیجئے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اِۨشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْئٍ۔

(ابراھیم : ۱۸)

جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کی حالت باعتبار عمل کے یہ ہے جیسے کچھ راکھ ہو جس کو تیز آندھی کے دن میں تیزی کے ساتھ ہوا اڑا لے جائے (اسی طرح) ان لوگوں نے جو عمل کیے تھے ان کا کوئی حصہ ان کو حاصل نہ ہوگا (راکھ کی طرح برباد ہو جائے گا)

انتہائی نادر اور اچھوتی، دل و دماغ کو ہلا دینے والی تشبیہ، اعمالِ کفار، اس راکھ کی طرح ہیں جو تیز طوفانی آندھی میں اڑ گئی ہے، اس کا کوئی ذرہ کسی کے ہاتھ میں پکڑا نہیں جا سکتا، یہی حال کفار کے اعمال کا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ایک مزید مثال قرآنِ کریم سے قابلِ عبرت ہے:

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِیْ آتَيْنَاهُ آيٰتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا ...... الآية (الاعراف: ۱۷۵)

اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے کہ اس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں، پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا

پھر فرمایا:

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (الاعراف: ۱۷۶)

سو اس کی حالت کتے کی طرح سی ہوگئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔

یہاں بھی غیر محسوس کو محسوس سے تشبیہ دی ہے، وجہِ شبہ عدمِ اطاعت ہے، اور نافرمان کو اس درجہ حقیر بتایا گیا کہ اس کو کُتّے کی جگہ رکھ دیا گیا، جس طرح کُتّے پر حملہ کرو تو وہ ہانپے گا اور اگر حملہ نہ کرو جب بھی ہانپے گا، اپنی سرشت سے باز نہیں آئے گا۔(۱)

یہی حال نافرمان مسلمان کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا

اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ

---

(۱) حمل علیہ کا اصل معنی تو بوجھ اٹھانا ہے، جیسے: ربنا و لا تحمل علینا اصرا اگر حضرت تھانویؒ نے یہاں حمل علیہ کا ترجمہ "حملہ کرنا" کیا ہے، اس لئے کہ کتے پر بوجھ نہیں لادا جاتا ہے اور نہ کوئی اس سے اس کی توقع کرتا ہے کہ وہ (گدھے کی طرح) بوجھ اٹھا کر چلے گا، دوسری طرف لفظ حمل علیہ میں اس معنی (حملہ کرنا) کی پوری گنجائش ہے، اسی لئے حضرت تھانویؒ نے اس معنی کو ترجیح دی ہے تا کہ تشبیہ مطابقِ واقعہ ہو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَئيٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَ مَاهُوَ بِبَالِغِهٖ۔

(الرعد : ۱۴)

پکارتے ہیں، وہ ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے، جتنا پانی اس شخص کی درخواست منظور کرتا ہے، جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہوتا کہ منہ تک (اڑ کر) آجاوے، اور وہ اس کے منہ تک (از خود) آنے والا نہیں۔

یہاں وہ شئ جو کسی حاسہ کی گرفت میں نہیں آتی (جس کو ہم غیر محسوس لکھتے آئے ہیں) کی تشبیہ ایسی چیز سے دی جا رہی ہے جو محسوسات میں شمار ہوتی ہی، حاصلِ تشبیہ، حصولِ منفعت کی طلب و حاجت ہے اور اس پر حسرت کا اظہار جس کا ہم مشاہدہ (احساس) کر سکتے ہیں کہ بے جگہ کسی چیز کی طلب غلط ہے، کوئی نہر میں آگ ڈھونڈے اور چولہے میں پانی طلب کرے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو پکارے جو حاجت برآری پر قادر نہیں ہے ایسا ہی ہے جیسے کوئی سمندر کی طرف ہاتھ بڑھائے کہ پانی حاصل کر لے اور اس کا منہ وہاں تک پہنچ نہ سکتا ہو۔

تشبیہ کی دوسری قسم

جو بات یا جو کام عام طور پر ہوا نہیں کرتا، اور سنتِ الٰہی نہیں ہے کہ ہمیشہ ایسا ہوا کرے اس کو ایسی چیز سے تشبیہ دینا جو عام طور پر ہوا کرتی ہے (مالم تجربہ عادۃ الی ما تجربہ) مثلاً:

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ

اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے جب

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ۔

(الاعراف : ۱۷۱)

ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر چھت کی طرح ان کے اوپر معلق کر دیا۔

بنی اسرائیل کو معاہدہ کا مقام اور موقع یاد رکھنے کے لئے پہاڑ کو ان کے اوپر چھت کی مانند گرا دیا جاتا تھا، یہ عمل سنۃ اللہ کے مطابق نہیں ہے، ایک معجزاتی، محیر العقول بات تھی، اس کو تشبیہ ایسی چیز سے دی جا رہی ہے جو روزمرہ کی زندگی میں دیکھا جاتا ہے، یعنی چھتری کا استعمال (تو پہاڑ کا سایہ فگن ہونا) چھتری کا مشابہ ٹھہرا، ان دونوں میں مشترک چیز جس کو وجہِ تشبیہ یا سببِ تشبیہ کہتے ہیں اوپر سے کسی کی حفاظت کرنا، پہاڑ کا جھک کر سایہ فگن ہو جانا۔ اور چھتری کا بارش یا دھوپ سے بچانا، دونوں کی شکل ایک ہی ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے پر یقین رکھتے ہیں ان کے لئے پہاڑ کا اس طرح سایہ فگن ہو جانا عقل کو عظمتِ خداوندی کے آگے جھکا دیتا ہے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰی اِذَا اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَا اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ۔

(یونس : ۲۴)

بس دنیوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس (پانی) سے زمین کے نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلے یہاں تک کہ وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہو گئی اور اس (زمین) کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے تو (ایسی حالت

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

میں) دن میں یا رات میں اس پر
ہماری طرف سے کوئی حادثہ آ پڑا
جیسے (پالا، یا خشکی یا اور کچھ) سو ہم
نے اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا
کل (یہاں) وہ موجود ہی نہ تھی۔

یہ آیتِ کریمہ بھی مثال ہے ایک غیر معتاد چیز سے معتاد شئ کے نکلنے کی، ایک وہ شئ جو اللہ تعالیٰ کی سنتِ عادیہ کے اس درجہ وسیع پیمانے کو گھیرے ہوئے ہے کہ ایک نظر میں کوئی ان کو پکڑ کر نہیں دکھا سکتا، یعنی دنیا، دنیا کی آلائشیں، اس کا نظام، طلوع و غروب، رات دن کا ایک دوسرے میں داخل ہونا اور نکلنا، اس کی مثال، آسمان سے بارش کا پانی جس سے زمین کے پودے سرسبز ہو جائیں، یعنی بہار کے بعد خزاں اور خزاں کے بعد بہار لانے کی قوت۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ زیب و زینت اور آسائش کا سامان ایک خاص اور متعین وقت کے لئے سامنے آتا ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں وجہِ شبہ دنیا اور بارش دونوں کا ایک وقت تک کے لئے سامانِ عیش فراہم کرنا پھر ہلاک ہونا ہے، اسی طرح آیتِ کریمہ:

اِنَّآ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا فِىۡ يَوۡمِ نَحۡسٍ مُّسۡتَمِرٍّ ○ تَنۡزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ مُّنۡقَعِرٍ ○

(القمر: ۱۹، ۲۰)

ہم نے ان پر ایک تند ہوا بھیجی ایک دوامی نحوست کے دن میں، وہ ہوا لوگوں کو اس طرح اکھاڑ اکھاڑ کر پھینکتی تھی کہ گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجور کے تنے ہیں۔

ایک غیر معتاد چیز جو سنت اللہ کے مطابق ہمیشہ نہیں پیش آتی، اس کو تشبیہ دی گئی ایسے کھجور کے درخت سے جو طوفان یا تیز آندھی کے ذریعہ جڑ سے اکھاڑ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کر باہر پھینک دیا گیا ہو، بڑے زبردست، توانا، قوی ہیکل انسانوں کو اس نحس گھڑی نے یکبارگی زمین سے اس طرح نکال کر پھینک دیا جیسے طوفانی آندھی میں بڑے بڑے موٹے کھجور کے تنے مع جڑ کے زمین سے باہر پھینک دیئے جاتے ہیں، لہٰذا عذاب کا روز یومِ نحس ہے، جو غیر معتاد ہے، مگر جس چیز سے تشبیہ دی گئی ہے وہ آئے دن پیش آتی رہتی ہے، اس طرح "مالم تجر به عادة" تو عذاب کے روز کی آندھی ہوئی اور "ماجرت بہ عادۃ" آندھی میں درختوں کا جڑوں سمیت باہر آجانا۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے لکھا ہے کہ "اس مضبوط، تنومند اور لحیم شحیم قوم کو اٹھا اٹھا کر پٹکا جیسے کسی تیز وتند آندھی کے اثر سے بڑے بڑے کھجوروں کے جمے جمائے ہوئے تنے دور دور گر جاتے ہیں" حضرت تھانویؒ (بحوالہ مولانا دریابادی) نے لکھا ہے، اس قرآنی تشبیہ میں علاوہ ان لوگوں کے پھینکے جانے کہ اشارہ ان کے قوی جسموں اور طویل قامتوں کی طرف بھی نکلتا ہے۔"

وجہِ تشبیہ قوت و توانائی کے بعد یکا یک ایسی ہلاکت سے دوچار کرنا جس طرح طوفان میں درخت جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیئے جاتے ہیں۔

اس طرح آیتِ کریمہ:

فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ (۱) (الرحمان: ۳۷)	غرض (جب قیامت آئے گی جس میں) آسمان پھٹ جاوے گا اور ایسا سرخ ہو جاوے گا جیسے سرخ نری (یعنی چمڑا)

(۱) وردة كالدهان مفسرین: طبری، ابنِ کثیر اور زمخشری نے وردۃ کی تفسیر اُدیم سے کی ہے، اور أساس البلاغۃ میں ہے الادیم سطح کو کہتے ہیں، جیسے تحت ادیم السماء۔ اردو میں مولانا تھانویؒ، مولانا دریابادیؒ نے اس کا ترجمہ سرخ نری کیا ہے، مولانا احمد علی لاہوریؒ نے اس کا ترجمہ گلابی تیل کیا ہے، حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ کو اردو لباس پہنانے والوں نے سرخ نری کیا ہے، سرخ تیل جو کھول رہا ہو وہی مراد ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہاں بھی غیر معتاد شیء سے معتاد کی تشبیہ دی گئی ہے، قیامت کے روز جب آسمان پھٹ جائے گا سرخ نری کی طرح ظاہر ہوگا جیسے آسمان کی سرخی کو سرخ سالن سے تشبیہ دی گئی، آفتاب کے ڈوبتے وقت کی سرخی نہیں مراد ہے، بلکہ آسمان پھٹ جانے کے وقت اس سرخ سطح کا سامنے آئے گا۔ (جیسے تربوز اچھے قسم کا جب بیچ سے کاٹا جائے تو دونوں طرف انتہائی سرخ گودا نظر آتا ہے۔) یہ ہمیشہ نہیں ہوتا، روز روز نہیں ہوتا، غیر معتاد شئ ہے، مگر سالن، یا پھل کے پھانک کا سرخی میں ڈوبا ہوا ہونا روزمرہ کی مثالوں میں ہے۔

شیخ رُمّانی نے اسی طرح چند آیات سے تشبیہ کے اعجازی نمونے قرآنِ کریم سے نکال کر پیش کرتے ہیں۔

باب الاستعارہ

شیخ الرُمّانی نے استعارہ کی یہ تعریف کی ہے کہ عبارت کو ایسے معنی میں استعمال کرنا جس کے لئے وہ وضع نہیں کیا گیا ہے، مقصدِ مضمون کی مزید وضاحت اور ایک خاص مفہوم رکھنے والے لفظ کو نئے معانی بخشنا، قدیم کتابوں میں استعارہ کی یہ تعریف ہے کہ وہ جملہ جو تشبیہ کا مگر اس میں سے اداۃِ تشبیہ نکال دیا جائے، جیسے: ''زید کالأسد فی القوة'' کے بجائے زید اسد کہا جائے۔

ابنِ رشیق نے اپنی کتاب ''العمدة'' میں ابوالحسن الرُمّانی کا حوالہ دیتے ہوئے مذکورہ تعریف نقل کی ہے اور حجاج بن یوسف کا یہ جملہ بطورِ مثال لکھا ہے:

اری ان رووسا قد انبعت وحان قطافها و انی لصاحبها	میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے سر پک گئے ہیں اور ان کا وقت آ گیا ہے اور وہ کٹنی کرنے والا یا کھیت کا مالک میں ہوں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہاں اس نے انسانی ڈھانچہ کے سروں (رؤوس) کو بیل کے مانند ایک پھل قرار دیا جو اندر سے پک چکا ہو اور وقت آ گیا ہے کہ کھیتی کرنے والا ان کو توڑ لے، لہٰذا انسانی ڈھانچہ کو پھل قرار دینا استعارہ ہے۔

ابنِ سنان الخفاجی ''سر الفصاحۃ'' میں لکھتے ہیں کہ ابو الحسن الرمانی نے استعارہ کی یہ تعریف کی ہے کہ لفظ کو اصل معنی سے الگ کر کے نئے معنی دینا۔ اور اس کی مثال دی ہے:

وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْباً — اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی۔

(مریم : ۴)

حالاں کہ اشتعال کا لفظ آگ کے لئے بولا جاتا ہے، آگ بھڑک اٹھتی ہے نہ کہ سر بھڑک اٹھتا ہے، لہٰذا اشتعال کا لفظ عاریۃً سر کے لئے لیا گیا، یہی استعارہ کہا جاتا ہے، یہ دراصل تشبیہ کی ایک قسم ہے، سر کے بال سوکھے پتوں کی طرح تھے جس میں بڑھاپے نے آگ لگا دی، اگر اشتعال کا استعارہ استعمال نہ ہوتا بلکہ کہا جاتا بال سفید ہو گئے ہیں تو وہ کیفیت جو نگاہوں کے سامنے آ گئی نہ آتی، جب کہ "اشتعل" کا لفظ استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔

امراؤالقیس کا ایک شعر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ میں اکثر صبح سویرے اپنے خیمہ سے نکل کھڑا ہوتا ہوں، وہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ وہ آوارہ قسم کے اڑنے والے پرندا اپنے گھونسلوں سے نہیں نکلے ہوتے ہیں، اس وقت میری اونٹنی جس پر بیٹھ کر شکار کو نکلتا ہوں اڑنے والے پرندوں کے لئے پیروں کی زنجیر بن جاتی ہے، پیروں میں جو بیڑی ڈالی جاتی ہے اس کو ''قید'' کہتے ہیں، شعر یہ ہے:

و قد اغتدی والطیر فی و کناتها
بمنجرد قید الاوابد هیکل

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اگر ''قید الاوابد'' کی جگہ ''مانع الاوابد'' کہتے تو استعارہ نہیں رہتا کیوں کہ اس کے معنی یہ ہوتے کہ میری اونٹنی پرندوں کو گھونسلوں سے نکلنے نہیں دیتی، لیکن لفظ قید (پیر کی بیڑی) پرندوں کے لے استعمال نہیں ہوتی، یہاں اس شعر میں یہ لفظ لانے سے معنویت زیادہ نمایاں ہوگئی۔

ابوھلال العسکری کتاب الصناعتین (صفحہ: ۲۰۷، طبع اولی) میں لکھتے ہیں:

ہر استعارہ اور مجاز کے لئے ایک حقیقت ضروری ہے جیسے بال پک کر سفید ہو جانا یا یوں کہئے ''سن سفید'' ہونا ایک حقیقت ہے اس کو استعارہ کا لباس پہنایا گیا آگ کے بھڑکنے کی تشبیہ سے اداۃِ تشبیہ نکال دیا گیا اور پورے سر کے بالوں کا سفید ہونا بتانا مقصود تھا، وہ مقصود ادا ہو گیا، اور امراؤالقیس کا جو شعر رمانی نے نقل کیا ہے اور ابنِ رشیق نے ''العمدہ'' میں جس کی تائید کی ہے کہ شاعر صبح سویرے شکار کے نکلنے کا ذکر کرتا ہے کہ قبل اس کے کہ وحشی پرندا پنے گھونسلوں سے نکلیں ہم ان کو پکڑ لیتے ہیں، یہ حقیقت تھی اس کو مانع کے بجائے قید کہہ کر معانی میں وسعت دے دی اور اس لفظ کو ان معنوں میں استعمال کیا جس کے لئے وہ وضع نہیں ہوئے تھے، اسی طرح ترازو کے پلڑوں کا برابر ہونا تعدیل القیاس کے بجائے تعدیل المیزان کہنا یا فنِ عروض کو شاعری کی میزان کہنا یہ سب استعارہ ہے، قرآن کریم کی آیت:

سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَّ هِيَ تَفُورُ ٥ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ (الملك : ۷،۸)	تو اس کی بڑے زور کی آواز سنیں گے، اور وہ اس طرح جوش مارتی ہوگی جیسے معلوم ہوتا ہے کہ (ابھی) غصہ کے مارے پھٹ پڑے گی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

لفظ ''شھیق'' کی حقیقت دھاڑیں مارنے کے ہیں لغت میں ہر وہ آواز بلند اور ناپسندیدہ جو سانس کو زبردستی اندر لینے سے پیدا ہوتی ہے، (لسان العرب) اور وہ آواز آگ سے پھٹی پھٹی بھڑک کر نکل رہی ہوگی، ''تفور'' کے معنی ہیں جیسے شہتیر کے پھٹنے کی آواز ہو، یہ ایک ایسی بھیانک عذاب کی شکل ہے جس کے لئے الفاظِ حقیقی کفایت نہیں کرتے، اور جہنم کی آواز کو دھاڑے مارنے، چیخنے چلانے سے استعارہ کے طور پر استعمال ہوا، ''تمیز'' جوش کی وجہ سے پھٹ پڑنا یہ سب استعارات ہیں، اسی طرح آیتِ کریمہ:

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ — اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا۔

(الاعراف : ۱۵۴)

غیظ وغضب یا غصہ کی حالت کا ختم ہونا اس کے لئے ''زال'' کا فعل ''حقیقی'' معنوں میں ہے، مگر یہاں ''سکت'' کا فعل استعمال ہوا جو استعارہ ہے، مطلب یہ ہوا کہ غصہ کی حالت میں جب کہ انسان چیخ پکار کرتا ہے وہ خاموش ہو گئے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ:

ذَرْنِي وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا — مجھ کو اور اس شخص کو (اپنے اپنے حال پر) رہنے دو جس کو میں نے اکیلے پیدا کیا۔

(المدثر : ۱۱)

رُمّانی کہتے ہیں کہ ''ذرنی'' (مجھ کو چھوڑ دو) درحقیقت ذربأسی وعذابی یعنی میرے عذاب اور سزا دینے کی صفت کو سزا دینے دو، لیکن استعارہ کا لفظ ''ذرنی'' مجھ کو چھوڑ دو زیادہ بلیغ اور دھمکی میں شدت کا مفہوم رکھتا ہے، تصور کے لئے کوئی صاحبِ قوت واقتدارِ ذات اپنے اردگرد کھڑے ہوئے غلاموں (فرشتوں) سے کہہ رہی ہو مجھے خود اس سے نمٹ لینے دو، واضح رہے

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کہ اس طرح کے الفاظ جہاں آئے ہیں جیسے (ذَرْنِیْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا) یعنی مجھے اپنی مخلوق سے تنہا نبرد آزما ہونے دو، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی روکے ہوئے تھا یا کسی میں قدرت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس کے ارداہ سے باز رکھے بلکہ انتہائی سختی اور غضبناک ہونے کے وقت یہ بات کہی جاتی ہے، مفہوم یہ ہے کہ قدرتِ الٰہی اس روز سزا دے کر رہے گی، یہ صرف بولنے کا طریقہ ہے، معتزلہ کا یہ اعتراض کہ مسلمانوں نے خدا کو مجبور سمجھا ہے، صحیح نہیں ہے، محاورہ کی زبان کو حقیقی لفظی معنوں میں نہیں استعمال کیا جا سکتا، الرُّمانی جو خود معتزلی ہیں اس کا مطلب یہ نکالتے ہیں کہ اگر یہ کہا جاتا: ''ذر ضربی له و انکاری علیه'' مجھے مارنے دو اور انکار (عدمِ ایجابی) کی سزا اس کو بھگتنے دو تو وہ شدت پیدا نہیں ہوتی، جو ذرنی کہنے سے پیدا ہوتی ہے، لہٰذا یہ سوال ذر (چھوڑ) کس کو کہا جا رہا ہے؟ ظاہر ہے یہ ایک استعارہ کی زبان ہے ورنہ نہ کسی فرشتہ میں طاقت ہے اور نہ کسی مقرب سے مقرب مخلوق میں کہ اللہ کے کام میں شریک ہو جائے۔

ابن سنان الخفاجی، ابو ہلال العسکری نے کلامی مسائل میں اس طرح کے اٹھارہ (۱۸) موقع کے حوالہ دیئے ہیں اور رمانی نے (۲۱) آیتیں نوٹ کی ہیں اور ان کی تشریح کی ہے۔

باب التلاؤم

لفظ ''تلاؤم'' ایک لفظ، عمل، سلوک کا قابلِ قبول ہونا، نرم اور آسان ہونا، اردو میں لفظ ملائم بولتے ہیں، تلاؤم کا ضد تنافر (تباعد) ہے، ایک لفظ کی دوسرے لفظ سے دوری اور ان کے اندر آپس میں میل نہ ہونا۔ تنافر کی یہ مثال فن

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بلاغت کی تمام کتابوں میں ملتی ہے، مطول وغیرہ۔

و قبر حرب فی مکان قفر

و لیس قرب قبر حرب قبر

لیکن قدماء کسی لفظ یا کسی اصطلاح کی تعریف اس طرح نہیں کرتے تھے کہ اس کے منفی پہلو کو دکھا کر کہیں کہ ایسا نہیں ہے، جیسے کوئی کہے یہ کپڑا گندا نہیں ہے، اس کے بجائے قدماء کہیں گے یہ کپڑا صاف ستھرا ہے، یعنی ایجابی بات ہوگی سلبی نہیں، کہ بولنے میں سُبک اور رَواں معلوم ہو، اور دوسرے الفاظ کے ساتھ مربوط ہو جائے۔ بہر حال الرمانی کہتے ہیں کہ تلاؤم، بلاغت کی روح ہے اور اس کے تین درجے ہیں، سب سے اعلیٰ درجہ قرآنِ کریم کا ہے، تمام آیات کے درمیان تلاؤم پایا جاتا ہے، قرآنِ کریم میں وارد شدہ لفظ ملائم ہے، اس کے بعد انسانوں کا کلام ہے جو دوسرے درجہ کا معیار رکھتا ہے، جیسے جاحظ کا روایت کردہ دو شعر:

رمتنی و ستر الله بینی و بینکم
عشیة آرام الکناس رمیم
الا رب یوم لو رمتنی رمیتها
ولکن عهدی بالنضال قدیم

البیان والتبیین میں دو کے بجائے چار شعر ہیں، البیان والتبیین میں اس قطعہ کا ایک اور شعر دیکھا جا سکتا ہے:

تمیم التی قالت لجیران بیتها
ضمنت لکم الا یزال یهیم

اشعار کا ترجمہ نہیں دیتا ہوں کیوں کہ مفہوم سے مطلب نہیں ہے صرف

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

الفاظ کی نشست و ترتیب (Setting) جو صوتی محاسن، ہمواری اور سلاست پیدا ہوتی ہے وہی مقصود ہے۔

ایک لفظ جب انسان کے منہ سے نکلتا ہے تو اس کے نکلنے کی جگہ (مخرج) لبوں سے لے کر سینے تک ہے، جیسے ہمزہ کی آواز سینے سے نکلتی ہے، آ/ ای/ اُو۔ اور لبوں سے حرف ب کا مخرج، دوسری زبانوں کے حروف جیسے: P، پھ، بھ، ٹھ، وغیرہ، حلق کے تین حصہ ہیں، اقصائے حلق جس سے ع اور ح کا لفظ نکلتا ہے، وسطِ حلق جس سے غ اور خ، بیرونِ حلق جس سے ق نکلتا ہے، اب آپ ایسا لفظ بولیں جس میں ایک آواز تو حلق سے نکلتی ہو اور دوسرا حرف لب سے نکلتا ہو، جیسے: حب، قب، بق، بغ وغیرہ اور کہیں قریب کے مخارج جمع ہوتے ہیں، جیسے: عط، عغ وغیرہ لہٰذا ایک لفظ ایسا ہے جس کے حروف میں ایسے مخارج ہیں جو ایک دوسرے سے دوری پر ہیں دوسرا اس کے برعکس، الرمانی کہتے ہیں اگر ایسے الفاظ سے آپ کی عبارت ترتیب دی گئی ہے جس کے مخارج پاس پاس ہیں تو آپ کو ایسا محسوس ہوگا کہ کوئی شخص جس کے پیروں میں بیڑی ہے اُچک اُچک کر چل رہا ہے اور اگر مخارج دور دور کے ہیں تو ایسا محسوس ہوگا کہ آدمی پھاندر ہا ہے،(۱) قرآنِ کریم میں ایسے حروف سے مرکب الفاظ ہیں جو قدرتی طور پر منشرح ہوں جیسے گیسو جن کو کنگھی سے برابر کیا گیا ہو، ماہرینِ صوتیات کا فارمولہ ہے کہ مخارج اپنی قدرتی ترکیب سے ادا ہوں، جیسے: الله ، اکبر ، آھلًا ، اس میں ہمزہ پہلا مخرج ہے، ل اور ك پیشِ تالو (خنک) سے، لیکن اگر اس کا الٹا ہوتا پہلے "ک" یا "ل" ہوتا پھر حروفِ حلق میں سے کوئی صوت یا سینے سے نکلنے والی آواز تو آواز نکالنے میں بھی تکلیف ہوتی اور سننے میں بھی اچھا نہیں لگتا، بہر حال

(۱) ملاحظہ ہو: النکت ،صفحہ: ۹۶ طبع دار المعارف

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یہ ایک مستقل فن ہے جس کو عربی میں علم الصوت اور انگریزی میں Ponetic کہتے ہیں، اور سینکڑوں کتابیں لکھی جاچکی ہیں، صرف عربی میں نہیں تمام زبانوں کی صوتیات پر نقشے اور کتابیں موجود ہیں، مگر میرا یہ موضوع نہیں ہے، میرا موضوع یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں آپ کو قدرتی رعایت، صوتیات کی ملے گی، برخلاف جاہلی شاعری اور کاہنوں کے مصنوعی بول کے۔

شیخ الرّمّانی نے قرآنِ کریم سے وہ آیتیں انتخاب کر کے بطورِ نمونہ پیش کی ہیں جن کے الفاظ، مخارج کے اعتبار سے قریب ہیں اور نہ دور، اور آواز کی دلکشی باقی ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَاءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ٥ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا۔ (البقرة : ۲۳،۲۴)	اور اگر تم کو کچھ خلجان ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ خاص پر تو اچھا پھر تم بنالاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلّہ ہو، اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو جو خدا سے الگ (تجویز کر رکھے) ہیں اگر تم سچے ہو، پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکے اور قیامت تک بھی نہ کر سکو گے۔

حروف ق، ف، ع قریب المخارج ہیں مگر حسنِ دل آراء کا کوئی جواب نہیں۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ۔ (بنی اسرائیل : ۸۸)	آپ فرما دیجئے کہ تمام انسان اور جنات سب اس بات کے لئے جمع ہو جاویں کہ ایسا قرآن بنا لاویں تب بھی ایسا نہ لاسکیں گے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيٰتٍ۔ آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ (اگر یہ میرا بنایا ہوا ہے) تو (اچھا) تم بھی اس جیسی دس سورتیں (جو تمہاری) بنائی ہوئی (ہوں) لے آؤ۔ (هود: ۱۳)

علامہ رُمّانی نے یہاں مثال کے لئے ان آیات کا انتخاب کیا ہے جن میں تحدّی کا مضمون ہے۔

باب الفواصل

ایک عبارت کی تقسیم، جملوں میں ہوتی ہے، ہر جملہ اپنے آگے آنے والے جملہ سے صوتی طور پر ہم آہنگ ہوتا اور جملہ کے آخری حروف قافیہ کی طرح یکساں تو نہیں ہوتے مگر زبان پر ایسی آسانی سے یہ الفاظ آتے ہیں کہ بولنے اور سننے والوں کو یکسانی میں قافیہ کا انداز ملتا ہے، مثال کے طور پر سورہ والضحی کو لیجئے:

والضحی ٥ واللیل اذا سجیٰ ظاہر ہے ضحیٰ کا قافیہ سجیٰ نہیں ہے، قافیہ ہوتا تو ضحیٰ کی طرح دوسرا جملہ بھی کسی ایسے لفظ پر ختم ہوتا جس میں صوتِ حا ہے نہ کہ صوت جا۔

الشیخ الرُّمانی لکھتے ہیں کہ فواصل ایک دوسرے سے ملتے جلتے حروف پر جملہ کا خاتمہ ہے۔

شیخ الرمانی نے اس کی معمولی اور سرسری تشریح کے بعد لکھ دیا کہ "والفواصل بلاغة والاسجاع عیب" اس کو دوسرے علمائے بلاغت نے تسلیم نہیں کیا، ابو ہلال العسکری، صاحب کتاب الصناعتین نے اس کا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

رد کیا ہے کہ قافیہ کی رعایت عیب ہے، رمانی نے لکھا تھا کہ فواصل، بلاغت ہے، کیوں کہ یہاں معانی پر زور دیا جاتا ہے اور مقصود معنی کا بیان ہوتا ہے اور قافیہ بندی میں رعایتِ لفظی ہوتی ہے، نہ کہ معنوی، العسکری کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں جہاں فواصل یا ازدواج ہیں یا قافیہ کی رعایت ہے، وہیں یکساں طور پر معانی کی رعایت رکھتے ہیں، قرآنِ کریم میں حق تعالیٰ کا کلام یہ بھی ہے:

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحاً ۝ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحاً ۝ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحاً۝ فَأَثَرْنَ بِهٖ نَقْعاً۝ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعاً ۝

(العادیات : ۱-۵)

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر (پتھر پر) ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں، پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں، پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں، پھر اس وقت (دشمنوں کی) جماعت میں جا گھستے ہیں۔

ان آیاتِ کریمہ میں جو مقفی جملوں کا سا انداز رکھتی ہے کلام، کی شادابی اور اس کا حسن اپنی جگہ پر قائم ہے، برخلاف کاہنوں کے منتروں اور پیشین گوئیوں کے جن کے مفہوم بیان کرنے میں لوگ ایک دوسرے کا اختلاف کرتے ہیں، ان کی قافیہ بندی میں غلط فہمی اور دھوکا میں ڈالنے والے الفاظ جن کے معانی بھی اکثر ایک سے زیادہ ہوتے ہیں تاکہ ان کے ماننے والے آپس میں لڑیں اور کہیں کہ کاہن نے جو کہا اس کا مطلب یہ ہے اور وہ نہیں۔

یوں قافیہ کا قدرتاً اور بلا تکلف کلام میں آجانا کوئی معیوب بات نہیں ہے، ادعیہ ماثورہ اور خطابت میں بے شمار اس کے نمونے موجود ہیں، لیکن یہ صحیح ہے کہ فواصل، زیادہ ہیں اور ان کی اپنی شان ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بعض سورتوں کے بارے میں یہ کھل کر کہہ دینا کہ یہ قافیہ بندی ہے بڑی جرأت و جہالت اور بے ذوقی کی بات ہے، وہ سب فواصل کے ضمن میں آتے ہیں، مثلاً:

وَالطُّوْرِ o وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ o فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ o وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ
(الطور : ۱-۴)

قسم ہے طور (پہاڑ) کی، اور اس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے، اور (قسم ہے) بیت المعمور(۱) کی۔

طٰهٰ o مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰٓى o اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى o
(طه : ۳)

طٰہٰ، (کے معنی تو اللہ کو معلوم ہیں) ہم نے آپ پر قرآن (مجید) اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں، بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے (اتارا ہے) جو (اللہ سے) ڈرتا ہو۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا o فَالْمُوْرِيَاتِ قَدْحًا o فَالْمُغِيْرَاتِ صُبْحًا o فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا o فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا o
(العادیات : ۱، ۵)

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں، پھر (پتھر پر) ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ہیں، پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں، پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں، پھر اس وقت (دشمنوں کی) جماعت میں جا گھستے ہیں۔

---

(۱) یہ ساتویں آسمان میں فرشتوں کا عبادت خانہ ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

وَالْفَجْرِ ○ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ○ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ○ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ○ هَلْ فِىْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِىْ حِجْرٍ ○ (الفجر : ۱۔۵)	قسم ہے فجر (کے وقت) کی اور (ذی الحجہ کی) دس راتوں کی اور جفت کی اور طاق کی اور قسم ہے رات کی، جب وہ چلنے لگے (یعنی گرنے لگے) کیوں؟ اس (قسم مذکور) میں عقل مندوں کے واسطے کافی قسم بھی ہے؟

غرض متعدّد آیات ایسی ہیں جن میں بظاہر قافیہ معلوم ہوتا ہے اور ایسی آیات سے تو قرآن کریم مرتب ہے جہاں فواصل یا ازدواج کی قسمیں ہیں۔

باب التجانس

تجانس کی تعریف اور مثالیں شیخ عبد القاہر جُرجانی رحمہ اللہ نے ''اسرار البلاغۃ'' میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، کتاب ''النکت'' میں شیخ رُمّانی لکھتے ہیں: تجانس جو بلاغت کی قسم ہے اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ مختلف اور متنوع قسم کی باتوں کو ایسے الفاظ سے مرتب کرنا جس کا آخری لفظ یا حرف وہی ہو جو اس کی ابتدا کا ہے اس کی دو قسمیں ہیں، مزاوجہ اور مناسبہ، مزاوجہ یعنی جزاء (بدلہ) دینے کا ذکر جو عدل کا خاصہ ہے، اردو میں کہتے ہیں: ''تم مارو گے تو ہم بھی ماریں گے'' اس جملہ میں ''مار'' شرط و جزاء دونوں میں آیا، جو عدل کو بتاتا ہے۔ قرآن کریم میں وارد ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ (البقرۃ : ۹۴)	سو جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو۔

اسی طرح آیات کے اجزاء: مستهزؤون الله يستهزئ بهم '

یعنی اللہ تعالیٰ ان کے استہزاء کا بدلہ بعینہ اسی طرح عطا فرمائے گا۔اسی طرح آیت:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔ (آلِ عمران : ۵۴)

اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی، اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی، اور اللہ تعالیٰ سب تدبیر کرنے والوں میں اچھے ہیں۔

یا:

اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ۔ (النساء : ۱۴۲)

بلاشبہ منافق لوگ چالبازی کرتے ہیں اللہ سے، حالاں کہ اللہ تعالیٰ اس چال کی ان کو سزا دینے والے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ ان کے فریب دہی کا پورا پورا بدلہ عطا فرمائے گا، خدا نخواستہ اس کا ترجمہ یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں اور اللہ ان کو دھوکا دیتا ہے، ایسے لفظ کی نسبت اللہ پاک کی طرف، اس کی بے ادبی ہے، مطلب واضح ہے کہ وہ دشمنانِ اسلام کے مکر و فریب، دھوکا بازی، استہزاء کا اسی طرح جواب دے گا جو عدل کا تقاضہ ہوگا۔

ایک قدیم عربی شاعر نے کہا تھا

ألا لايجهلن أحد علينا فنجهل فوق جهل الجاهلينا

(خبردار ہم سے کوئی جہالت کی بات نہ کرے اور اگر اس نے ایسا کیا تو ہم جاہلوں کی جہالت کا اچھی طرح جواب دیں گے)

یہاں یہ ترجمہ نہیں کیا جائے گا کہ "ہم جاہلوں سے بڑھ کر جہالت کریں گے"، بلکہ بدمعاشی اور بے اصولی کی باتوں کا ہم ردّ کریں گے، المبرد نے لکھا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہے کہ شاعر نے اپنا یہ وصف نہیں بیان کیا ہے کہ ''ہم جاہل ہیں'' بلکہ یہ کہا کہ ہم جہالت کا جواب دینا اچھی طرح جانتے ہیں۔

تجانس کا صحیح مفہوم واضح کرنے والا عربوں کا یہ جملہ ہے: الجزاء بالجزاء جیسا تیرے ساتھ سلوک کیا جائے گا ویسا ہی اس کا بدلہ دیا جائے گا، اس جملہ میں پہلا لفظ ''الجزاء'' بدلہ کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ عمل و برتاؤ اور سلوک کے معنی میں ہے، شیخ رُمّانی کہتے ہیں کہ عربوں کا یہ جملہ اور شعر ''فنجهل فوق جهل الجاهلينا'' تجانس کے مفہومِ جزاء کو اچھی طرح واضح کردیتا ہے اور بلیغ ترکیب ہے۔

لیکن قرآنِ کریم کی آیات میں جہاں ایسی صفت، تجانس کی ملتی ہے، وہاں عدلِ الٰہی اور رحمتِ الٰہی کے عام ہونے کا گوشہ بھی چمک اٹھتا ہے، جیسے: ومَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ انہوں نے پوشیدہ طور پر سازش کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کا عدل کے مطابق بدلہ عطا فرمایا۔

تجانس کی دوسری قسم وہ ہے، جہاں لفظِ اول کی تکرار کوئی خاص مناسبت رکھتا ہے، رُمّانی لکھتے ہیں کہ مختلف فنونِ معانی ایک اصل کے گرد گھومتے ہیں قرآنِ کریم میں اس کی مثال تلاش کی جائے تو اس آیت کی طرف نگاہ اٹھے گی: ﴿ثُمَّ انصَرَفُوا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ﴾ تجانس بالمناسبہ کی مثال ہے۔ اسی طرح آیت:

يَخَافُونَ يَوماً تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَ الأَبْصَارُ۔ (النور: ۳۷)	ایسے دن (کی دارو گیر) سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جاویں گی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

نیز یہ آیت:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَ يُرْبِي الصَّدَقَاتِ۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔

(البقرة : ۲۷۶)

محق (مٹا دینا) یربی (بڑھانا، بارآور کرنا) ان تمام مقامات پر ایک لفظ کی مناسبت دوسرے لفظ سے ایجاباً ہے، نتیجہ کے اعتبار سے یا ضد کے اعتبار سے، مال کو بڑھانا یا گھٹا دینا، ملیامیٹ کر دینا، یربی اور یمحق، مناسبت بالضد کی مثال ہے، ابِ سنان الخفاجی اور امام یحیٰ العلوی نے متعدد مثالیں دی ہیں مگر ان صفحات پر ان کو نقل نہیں کر رہا ہوں کیوں، کہ مفہوم واضح ہے اور قرآنی معجزہ ثابت ہے۔

شیخ رمانی نے بلاغت کے اقسام: تصریف، تضمین، مبالغہ کی مختصر تعریفیں کی ہیں اور یہ دکھایا ہے کہ فنِ بلاغت و بدیع کی کوئی صفت ایسی نہیں ہے جو قرآنِ کریم میں آ کر نکھر نہ گئی ہو اور اس کے وہ معانی سامنے آ گئے، جو معجزہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اگرچہ قرآنِ کریم نے خود ان کو معجزہ کی حیثیت سے پیش نہیں کیا مگر تحدّی چوں کہ پورے قرآن کی ہے اور قرآن کے ہر وصف کی ہے، لہٰذا ان سب کا معجزہ کی اقسام میں ہونا ثابت ہے۔

باب التصریف

ابنِ سنان الخفاجی نے تصریف کی یہ تعریف کی ہے کہ کسی شی کو شکلیں بدل بدل کر لانا یا ایک چیز کو مختلف رنگوں میں تقسیم کرنا، ایک بات کو متعدد پیرایۂ بیان میں ذکر کرنا، شیخ رُمّانی نے یہ تعریف کیا ہے کہ ایک معنی کو مختلف معانی میں سامنے لانا،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

العلوی نے اس کی مثال دی ہے کہ کسی چمن میں کیاریاں بنی ہوئی ہیں اور پانی ایک جگہ سے چھوڑا گیا جو ہر طرف کے پودوں کے لئے زمین سے نکلتا اور نکلنے کے بعد ان کا شاداب رہنا آسان کرتا ہے۔

تصریف ایک تو معنوی ہوتی ہے، یعنی ایک معنی کی مختلف شکلیں سامنے لانا، جیسے لفظ 'ملك' ہے (م،ل، ك) اس سے 'مالك' کے معنی نکلتے ہیں، 'ملکیت' کے معنی نکلتے ہیں، 'ذو الملکوت' کی تعبیر ہے، 'الملك' کا لفظ ہے، 'الملیك' (صیغۂ مبالغہ)، اسی سے: 'تملیك'، 'املاك'، 'تملك'، 'مملوك'، ہر ایک لفظ کا استعمال مختلف ومناسب مقامات پر ہوتا ہے مگر روحِ ملکیت (م، ل، ك) ہر جگہ ہر لفظ میں موجود ہے۔

دوسری لفظی ہوتی ہے مثال شیخ الرُّمّانی نے دی ہے جو ابن الفارس کی کتاب "مقاییس اللغة" میں تفصیل سے ہے کہ بعض الفاظ اپنے معانی کے اعتبار سے اپنے اشتقاقی کلمات میں جلوہ گر ہوتے ہیں، جیسے لفظ "ع، ر، ض" ہے اس کے معنی بعض حضرات کے یہاں ظہور (سامنے آنا) اور بعض کے یہاں دو چیزوں کے درمیان حائل ہونا، مثلاً: عرض سامنے پیش کیا۔ ظہور میں لائے، یا پیش کرنے والے اور جس کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، دونوں کے درمیان میں حائل ہوگئے (اعتراض، مانعِ ظہور) کسی امر کا ظاہر ہونے سے حائل ہونا۔

قرآنِ کریم میں وارد ہے:

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا۔ (بنی اسرائیل : ۴۱)	اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ (اس کو) اچھی طرح سے سمجھ لیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اور

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ لِلنَّاسِ۔ (الکهف: ۵۴)	اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے واسطے ہر قسم کے (ضروری) عمدہ مضامین طرح طرح سے بیان کئے ہیں۔

ان مذکورہ دو آیتوں کے علاوہ بھی یہ لفظ اسی معنی میں متعدد مقامات پر آیا ہے، جس کا مفہوم یہی ہے کہ ہم نے ایک بات کو بار بار دہرایا ہے، شیخ الرُمّانی نے معلوم نہیں، کیوں ان آیات کی طرف اشارہ نہیں کیا، علامہ خطّابی نے براہِ راست قرآنِ کریم سے اس کے معنی پر گفتگو کی ہے۔

اس کے بعد تضمین، مبالغہ اور بیان کا ذکر ہے جو براہِ راست معجزۂ بیانی سے متعلق نہیں ہے اس لئے ہم ان کو یہاں نظر انداز کرتے ہیں، طلبہ براہِ راست ان سے استفادہ کر سکتے ہیں اور مدارس و جامعات کے طلبہ و استاتذہ کے علاوہ عام مسلمانوں کو جنہیں عربی سے واقفیت نہیں ہے، کوئی خاص فائدہ متوقع نہیں ہے اس لئے ان کو سرِ دست اس سلسلہ میں نظر انداز کرتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عبد القاہر الجرجانی

متوفی ۴۷۱ھ

ابو بکر عبد القاہر بن عبد الرحمان الجرجانی ایک سُنّی، شافعی، عالمِ دین، مصنف تھے، ان کی دو کتابیں دلائل الاعجاز (علم البیان میں) اور أسرار البلاغة (علم المعانی میں) بہت مشہور ہیں، جاحظ کی طرح ایک خاص اسلوبِ تحریر کے موجد تھے، پانچویں صدی ہجری میں پیدا ہوئے، ابھرے، تعلیم حاصل کی، درس دیا اور وفات پائی، قرآنِ کریم سے خاص شغف تھا اور اس کی معجز بیانی کے نہ صرف قائل بلکہ یہود و نصاریٰ اور منکرین کا، سرگرمی اور جوش کے ساتھ جواب بھی دیا کرتے تھے، جس کی مثالیں ان کی دونوں کتابوں میں موجود ہیں، شیخ جرجانی جس نظریۂ بلاغت کے قائل تھے اس کو سوائے چند علماء کے سبھوں نے تسلیم کیا ہے، وہ نظریہ یا ''تھیوری'' یہ تھی کہ بلاغت الفاظ سے نہیں دراصل معانی سے پیدا ہوتی ہے، الفاظ خادم ہیں معانی کے ''الالفاظ خدم المعانی''
ان کا ایک رسالہ ''مائة عامل'' بھی ہے، غالباً شرح مائۃ عامل جو مدارس میں پڑھائی جاتی ہے اس کا متن شیخ جرجانی کا ہو، ان کا زمانہ، منطقِ یونانی کے عروج کا تھا، ان کے زمانہ میں ہر فن کی کتاب، منطق کے طرز، حصر و قصر اور تصور و تصدیق کی پابند تھی، مگر شیخ جُرجانی نے سکاّکی اور تفتازانی کی طرح فنِ بلاغت کو ''چیستاں'' یا مُعمَّہ نہیں بنایا، بلکہ بلاغت پر کتاب، بلیغ زبان میں لکھی، وہ بھی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

خاص دل آویز اسلوب میں جس کو آدمی صرف زبان کے نمونے کی حیثیت سے بھی پڑھے تو بار بار پڑھنے کو دل چاہے، فنِ بلاغت سے اس کا تعلق دراصل قرآنِ کریم سے تعلق کا نتیجہ ہے، ان کی دونوں مشہور کتابیں "دلائل الاعجاز"۔ دراصل دلائل اعجاز القرآن۔ اور "اسرار البلاغة"۔اسرار بلاغة القرآن، ہے۔اعجاز القرآن پر ان کا ایک رسالہ "الشافیہ" کے نام سے قلمی دار الکتب المصریة میں ملا، جس پر استاذ محمد خلف اللہ احمد اور ڈاکٹر محمد زغلول سلّام نے تحقیق کا کام کیا ہے اور اپنے رسالہ "ثلاث رسائل فی اعجاز القرآن" میں شائع کیا ہے۔جس کا گذشتہ ابواب میں ذکر آچکا ہے، اس رسالہ کا خلاصہ جو شیخ جرجانی کے تصورِ اعجاز کی تصویر ہے اور جس کو وہ "دلائل الاعجاز" مطبوعہ دار الکتب العلمیة ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۸ء کے صفحہ ۲۹۴ سے شروع کرتے ہیں، یہ دلائل الاعجاز کے گذشتہ ایک ایڈیشنوں میں بھی انہی صفحات پر موجود ہے، غالباً فوٹو کاپی کر کے مصری مطابع نے شائع کیا ہے۔

تعجب ہے کہ اس قدر مشہور ادیب صاحبِ قلم، اعجازِ قرآن پر سب سے زیادہ اہم کتاب لکھنے والے کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے، "تَغرِی بردِي" ان کے ہم عصر ہیں، ان کی کتاب "المنهل الصافی" میں بھی چند سطریں نہیں ملتی ہیں، "الزِرُکِلِی" نے بے شک "الاعلام" ان کا ذکر کیا ہے، مگر معلومات بہت محدود ہیں، اس قدر معلومات تو ہم کو آپ کو پہلے بھی تھی، بہر حال ان کی سیرت کو روشن کرنے والا کارنامہ ان کی کتابیں ہیں، جہاں تک لکھنے والے کا تعلق ہے وہ کل مافوق التراب تراب (جو مٹی کے اوپر ہے وہ مٹی ہی ہے) سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، ہاں، قرآن کریم کے صدقہ میں مفسرین و محدثین کے نام زندہ ہیں۔

ہم شیخ جرجانی کے نظریۂ اعجاز کو دلائل الاعجاز سے ملخصاً

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ترجمہ کر کے پیش کر رہے ہیں:

امام عبدالقاہر الجرجانیؒ نے پہلے تحدی کے مفہوم پر بحث کی ہے، قرآن کریم کی وہ آیات جن کو آیاتِ تحدی کہا گیا ہے وہ یہ ہیں:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (اسرائیل :۸۸)	آپ فرما دیجئے کہ تمام انسان اور جنات سب اس بات کے لئے جمع ہو جاویں کہ ایسا قرآن بنا لاویں تب بھی ایسا نہ لاسکیں گے۔

نیز یہ ارشادِ الٰہی:

فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ (هود : ۱۳)	آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ (اگر یہ میرا بنایا ہوا ہے تو (اچھا) تم بھی اس جیسی دس سورتیں (جو تمہاری بنائی ہوئی (ہوں) لے آؤ۔

اور آخر میں:

فَأْتُوْ بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (البقرة : ۲۳)	اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو۔

جو تقریباً تمام علمائے بدیع و بلاغت نے نقل کیا ہے اور یہ آیاتِ ترتیبِ نزول کے لحاظ سے مفہوم کو اچھی طرح واضح کرتی ہیں، پہلے منکرینِ وحی سے کہا گیا تم بھی ایسا کلام بنا کر دکھاؤ۔ پھر کہا گیا اگر پورا قرآن اس طرح کا نہیں بنا سکتے، تو دس سورتیں ہی تصنیف کر کے دکھا دو۔ اور وہ جب اس سے بھی عاجز رہے تو کہا گیا اچھا ایک ہی سورت ایسی بنا کر لاؤ۔ اور اس مرتبہ پیشین گوئی کر دی گئی، کہ تم ہرگز ہرگز ایک سورت بھی تصنیف نہیں کر سکو گے، اور پھر انکارِ حق پر

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

جمے رہنے کی وجہ سے دوزخ کے ایندھن بنو گے۔

امام عبدالقاھر الجرجانیؒ نے ان آیات کی نشاندہی کرنے کے بعد ایک فلسفیانہ ڈرامائی انداز میں لکھا ہے، کیا انہی آیات سے اللہ نے تحدّی کی ہے؟ اور رسول اللہ ﷺ کو ہدایت دی کہ وہ منکرینِ ہدایت کو بتا دیں کہ اللہ تعالیٰ نے تحدّی (چیلنج) کیا ہے؟ اگر اس کا مطلب لوگوں نے یہی سمجھا ہے تو وہ غلطی پر ہیں، وہ بصیرت سے محروم ہیں، سراب کو پانی سمجھنے والے لوگ ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ گئے گذرے لوگ ہیں، شراب کو پانی سمجھتے ہیں اور اس کے لئے دلائل وثبوت بھی پیش کرنا چاہتے ہیں، آنکھ ہے نہیں کہ دیکھ سکیں، کاوشِ دید سے اَن دیکھی چیز کی تاویل کرنا چاہتے ہیں، شیخ عبدالقاھر الجرجانی اپنے نظریہ کی حمایت میں جو بعد میں بتائیں گے۔ اسی طرح غضبناک ہوکر ''علمی بحث'' کو میدانِ کارزار میں بدل دیتے ہیں۔

ان کا کہنا یہ ہے کہ چیلنج اس بات کا کیا جاتا ہے جو مخاطب سمجھ رہا ہو کہ اس کے اندر کیا کمزوری ہے اور وہ بات کیا ہے جو اگر وہ دکھا دے، تو کہا جائے گا کہ فلاں نے چیلنج کا جواب دے دیا۔

کسی سے اس کا مخالف شخص یہ کہے کہ تم ایسا کارنامہ نہیں دکھا سکتے جو ہم نے دکھایا ہے۔ اس کا مخاطب سمجھ جائے گا کہ اس کا مخالف کس کارنامہ یا کارنامے کے جزء کا مطالبہ کرر ہا ہے، آپ اپنی انگوٹھی دکھا کر کسی کو کہیں کہ ایسی انگوٹھی کوئی نہیں بنا سکتا، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انگوٹھی میں کوئی خاص بات ہے، جس کی طرف اشارہ کرر ہا ہے، مثلاً اس کا نگینہ، اس کا دائرہ جو چاندی یا سونے یا پیتل کا بنا ہوا ہے، یا اس میں اس کے نام کی مہر ہے، کوئی نہ کوئی انوکھی خاص بات تو ہوگی۔ جس کی طرف مدعی اشارہ کرر ہا ہے کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا،

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کوئی کہے کہ اس شہر میں میرے گھر کے جیسا کسی کا گھر نہیں ہے۔ یہ بات کہنے والا جانتا ہے کہ اس کا مخاطب سمجھ رہا ہے کہ مکان کی کس خصوصیت کی طرف اس کا اشارہ ہے۔

اب آیئے قرآن کی طرف، جب یہ کہا گیا کہ کوئی اس قرآن کے مثل کلام نہیں بنا سکتا تو مخاطب جو سارے عالم کے انسان ہیں، ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کیا خصوصیت ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اگر یہ کہئے کہ اس کے الفاظ اتنے حسین وخوبصورت ہیں کہ کوئی دوسرا انہیں پیش کر سکتا تو الفاظ بعینہٖ وہی ہیں جو بنی نوعِ انسان، منہ سے نکالتا ہے، ایک ہوا سینے اور حلق سے برآمد ہوتی ہی، زبان اس کا رخ بدلتی ہے، حلق اور لَبْ اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں اور الفاظ کو نئی نئی شکلیں دیا کرتے ہیں، انہی آوازوں سے ہر زبان کے لفظ بنتے ہیں، اس میں کوئی انوکھا پن ہے نہ اَچھوتا پن، دعائیں بھی انہیں الفاظ سے بنتی ہیں اور گالیاں بھی اسی ساز پر ڈھلتی ہیں، لہٰذا قرآنِ کریم نے انہی الفاظ کے مقابلہ میں الفاظ لانے کی تحدّی کی ہو تو اس کا جواب ہر شخص دے سکتا ہے کہ قرآن جن الفاظ سے مرکب ہے ان کی آوازیں دنیا والوں کے لئے انوکھی ہوتیں، جو پہلے کبھی نہیں سنی گئیں، جیسے قیامت کے روز صور پھونکا جائے گا اس کی آواز نئے طرح کی نئی قوت رکھنے والی ہوگی، ایک آواز سن کر سب مر جائیں گے، دوسری آواز سن کر سب جی اٹھیں گے، اگر اس طرح کے الفاظ سے قرآنی آیات مرکب ہوتیں تو کہا جاتا کہ تحدی ان الفاظ کی ہے جو پہلے کبھی نہیں سنی گئی، اگر الفاظ نہیں بلکہ جملوں میں معجزانہ خصوصیت ہے تو تلاش کرنا چاہئے کہ کس طرح کے الفاظ میں ان کے اندر نیا پن ہے، اگر ایسا نیا پن ہے جو کسی نے پہلے سنا ہی نہ ہو تو مقصدِ قرآن فوت ہو جاتا ہے، کیوں کہ اس کا مقصد تزکیہ، وعظ اور

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

حلال وحرام بتانا ہے اور جس لفظ کے کوئی معنی ہی نہ ہوں، جس کو کوئی جانتا نہ ہو ان کی تحدّی نہیں کی جاتی، اگر جملوں کی ترکیب نحوی رعایت کے ساتھ مقصود ہے تو سارے عالم کے لوگ جو آپس میں باتیں کرتے ہیں، ان میں ایک جملہ دوسرے جملوں سے مربوط ہوتا ہے اور ہر جملہ اپنی جگہ پر (مرفوع، منصوب، مجرور) معنی دیتا ہے، ناپسندیدہ گفتگو بھی اسی طرح ڈھالی جاتی ہے جس طرح اچھی اور سچی باتیں!!

اگر کہئے کہ قوافی اور فواصل سے کلام کو جو زینت، قرآن نے بخشی ہے وہ معجزہ ہے اور اس کی تحدی کی گئی ہے، تو لاکھوں شعراء کے کلام میں قوافی پائے جاتے ہیں، ازدواجی اور غیر مزدوج کلام، فواصل کی رعایت قرآن کے باہر بھی دیکھی گئی ہے اور فواصل بے معنی اور لغو بھی ہو سکتے ہیں، آخر مسیلمہ کذاب کے جملے۔(۱)

فواصل کی تعریف کے مطابق بھی ہو سکتے ہیں، اگر استعارہ کہئے تو بے شک قرآن نے بہت ہی نازک، معنی خیز اور دلوں پر اثر ڈالنے والے استعارے استعمال کئے ہیں، جیسے: ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْباً﴾ (مریم:۴) (تشریح الرمانی کے ذکر میں گزر چکی ہے)

اگر کنایہ مقصود ہے تو بے شک قرآن میں اس کی بہترین قسم موجود ہے، جیسے:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ. تمہاری بیویاں تمہارے لئے

(البقرة : ۲۲۳) (بمنزلہ) کھیت (کے) ہیں۔

کنایہ اور تشبیہ دونوں ہے۔

یا ارشادِ باری تعالیٰ:

---

(۱) انا اعطينك المجاهر، فصل لربك وجاهر۔ والطاحنات طحنا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

بَدَتۡ لَهُمَا سَوۡءٰ تُهُمَا (الاعراف : ۲۲) — دونوں کا پردہ کا بدن ایک دوسرے کے روبرو بے پردہ ہو گیا۔

یا

اَوۡلٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ (المائدۃ : ٦) — یا تم نے بیویوں سے قربت کی ہو

اس طرح سے مجاز اور مجاز کی قسمیں، تشبیہ اور اس کی قسمیں، (جو رُمّانی کی کتاب سے گذشتہ ابواب میں نقل کی جا چکیں ہیں) امام جرجانیؒ ان اقسام کو ذکر کرتے ہیں اور شاعرانہ انداز سے تعریف کرتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ مجاز، استعارہ، تشبیہ، کنایہ پورے قرآن میں پھیلا ہوا تو نہیں ہے جس کو آپ معجزہ کہہ سکیں اور جس کی تحدّی مناسب ہو!

قرآن میں تحدّی پورے قرآن کی ہے، ایسا نہیں ہے کہ سورہ مریم کے استفتاحی حروفِ مقطعات کے بعد صرف واشتعل الراس شیبا کو لائقِ تحدّی مانا ہو، یا:

یٰأرۡضُ ابۡلَعِیۡ مَآئِكِ ...... الآیة کو پیش کیا ہو کہ اس جیسی کوئی آیت نہیں تصنیف کر سکتا، لہٰذا جس بات کی تحدّی کی گئی ہے اس کو قرآن کی ہر سورت اور سورتوں کی ہر آیت سے عیاں ہونا چاہئے، کیا سورہ بقرۃ کی آیت:

ذٰلِكَ الۡكِتَابُ لَارَيۡبَ فِيۡهِ هُدَى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ....اَلۡمُفۡلِحُوۡن

میں کوئی کنایہ، استعارہ، ایجاز، اطناب، مجاز اور تشبیہ ہے؟ تو کیا یہ قرآنِ کریم کا حصہ نہیں ہے جس کی نظیر لانے سے جنّ و اِنس عاجز رہے اور جن کی تحدّی کی گئی ہے۔

امام عبدالقاہر جُرجانیؒ نے پہلے اس کی پُرزور تردید کی ہے کہ قرآنی الفاظ،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

تراکیب، استعارے، فواصل وقوافی معجزہ ہیں اور ان کی تحدّی کی گئی ہے مگر وہ اعتراف کرتے ہیں کہ وہ عرب ہی تھے جنہوں نے قرآنی آیات سن کر کہا تھا۔

ان له لحلاوة ، وان عليه لطلاوة وان لاسفله معذق ، و ان اعلاه لمثمر۔	بے شک اس میں ایک انتہائی درجہ کی شیرینی ہے اور بلا شبہ اس میں اعلیٰ درجہ کی دل فریبی ہے، اس کی جڑ ہمیشہ تروتازہ رہتی ہے اور اس کا بالائی حصہ پھل دیتا ہے۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا لا يتسفه ولا يتشأن یعنی یہ کلام کبھی پھیکا اور باسی نہیں ہوتا اور نہ سوکھتا ہے۔ (جیسا کہ بابِ اول میں مثال دی گئی کہ ایک اچھے سے اچھا شعر دو چار، دس بیس بار پڑھئے پھر وہ دل سے اتر جاتا ہے اور اس کی تازگی باقی نہیں رہتی، حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لا يخلق على كثرة یعنی بار بار پڑھنے سے یہ کلام پُرانا نہیں ہوتا۔)

امام عبد القاہر جرجانی ایک طرف اعتراف کرتے ہیں اور صرف اعتراف ہی نہیں بلکہ پورے جذبۂ ایمانی اور جوش کے ساتھ قرآنی کلمات کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں پھر اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ الفاظِ قرآن کی تحدّی کی گئی ہے۔

یہاں آ کر وہ راز کھولتے ہیں کہ الفاظ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ دراصل معنی ہے جس کی نظیر جن و اِنس مل کر پیش نہیں کر سکتے، اور یہ سورہ فاتحہ سے لے کر سورۃ الناس تک ہر سورت میں اور سورت کے ہر جز میں پایا جاتا ہے، اور جرجانی کا نظریۂ بلاغت "الالفاظ خدم المعانی" پر قائم ہے ور اعجاز قرآن

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کی تمام خصوصیات اسی اصل کے ماتحت قائم ودائم ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ قرآنی الفاظ کو کسی لحاظ سے بھی اور کسی معیار سے کم تر سمجھا جائے، جہاں تک صنائع و بدائع کا تعلق ہے اس پر زمخشری اور عسکری اور اخیر میں امام یحییٰ یمنی نے جونشاندہی کی ہے ان سے امام جُرجانی کو بھی انکار نہیں ہے بلکہ ان سے بڑھ کر وہ الفاظ کی تابناکی کا اظہار کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے جو اپنی جگہ پر ہر قسم کے شک وشبہ سے بلند ہے کہ الفاظ خواہ کتنے ہی تابناک ہوں، ہیروں کی طرح چمکنے والے ہوں، شیشوں کی طرح جھلکنے والے ہوں، مگر وہ معانی کے خدمت گزار ہیں، اگر معنی کو نظر انداز کر دیجئے تو الفاظ جسدِ بے روح ہیں، مگر جسد کا بھی حسین اور پاکیزہ ہونا قابلِ اعتبار شئ ہے، جس کی جاذبیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

امام عبدالقاہر جُرجانیؒ بھی شوکتِ الفاظ وحسنِ تعبیر کے نہ صرف قائل بلکہ اس پر ایمان رکھتے ہیں، وہ صرف اس قدر اضافہ کرتے ہیں کہ معانی اصل ہیں، اور چونکہ قرآن کے معانی بلند ہیں، اس لئے معانی خود حسین تعبیرات کو اپنے لئے انتخاب کرتے ہیں، (مثال برائے توضیح عرض کرتا ہوں کہ ایک بادشاہ، وزیر یا بڑے دولت منداشخاص اپنے گھر کے خادم، چپراسی، باورچی بھی ایسے پسند کرتے ہیں جن کی ظاہری شکل وصورت بھی اچھی ہو، ان کے لباس بھی خاص قسم کے ہوں جو دیکھنے میں اچھے لگیں، بعینہٖ اسی طرح اگر کسی بلند معنی کا ظہور ہوگا تو اس کو ظاہر کرنے کے لئے الفاظ حسین آجائیں گے)

دوسری بات امام جُرجانیؒ یہ کہتے ہیں کہ قرآن شروع سے آخر تک معجزہ ہے، اس کا ہر جملہ (آیت) معجزہ ہے، تو اگر صرف علمِ بدیع کی مصطلحات کے بعد بعض آیات کا جو تعارف کرایا گیا ہے۔ مثلاً حسن استفتاح، براعتِ استہلال، انکار،

toobaa-elibrary.blogspot.com
CamScanner الممسوحة ضوئيا بـ

اقراری، استفہامِ اقراری، تشبیہات و کنایات کا اجتماع۔ اگر یہی بلاغت کا معیار ہوتا تو وہ آیات جہاں سادہ الفاظ ہیں، بغیر مجاز و تشبیہ کے حلال و حرام کے احکام بتائے گئے ہیں، مثلاً وراثت کا قانون جو سورہ نساء میں موجود ہے:

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَاتَرَکَ وَ اِنْ کَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِاَبَوَیْهِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنْ کَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ کَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْ بِهَآ اَوْ دَیْنٍ ...... الآیتین۔

(النساء: ۱۱)

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں لڑکے کا حصہ، دو لڑکیوں کے حصے کے برابر اور اگر صرف لڑکیاں ہوں اور گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ کر مرا ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا اور ماں باپ کے لئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ ہے اگر میت کے کچھ اولاد ہو، اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو اور ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا، ایک تہائی ہے، اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

(اور باقی باپ کو ملے گا) وصیت نکال لینے کے بعد کہ میت اس کی وصیت کر جاوے یا دَین کے بعد۔

نکاح اور طلاق کے احکام:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ...... الآية

(النور: ۳۲)

اور تم میں (یعنی احرار میں) جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور (اسی طرح) تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو اس (نکاح) کے لائق ہو اس کا بھی۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا آتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اِلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ...... الآيات

(البقرة: ۲۲۹)

وہ طلاق دو مرتبہ (کی) ہے، پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق، خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی لو (گو) اس میں سے (سہی) جو تم نے ان کو (مہر) میں دیا تھا مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو ڈر ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

عدت سے متعلق تفصیلات

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَكْتُمْنَ مَاخَلَقَ اللّٰهُ فِىْ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ...... الآية

(البقرة: ۲۲۸)

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہو (خواہ حمل یا حیض) اس کو پوشیدہ کریں اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یومِ قیامت پر ایمان رکھتی ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجاً يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْراً ...... الآية

(البقرة: ۲۳۴)

اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جاتے ہیں اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو روکے رکھیں، (نکاح وغیرہ سے) چار مہینے اور دس دن۔

وَالّٰٓئِىْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَائِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰئِىْ لَمْ يَحِضْنَ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ......الآية (الطلاق: ٤)

اور (تفصیل یہ کہ) تمہاری (مطلقہ) بیبیوں میں جو عورتیں (بوجہ زیادتِ سن کے) حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تم کو (ان کی عدت کی تعیین میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

ہے اور اسی طرح جن عورتوں کو (اب تک بوجہِ کم عمری کے) حیض نہیں آیا، اور حاملہ عورتوں کی عدت اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے۔

مدتِ رضاعت کی تعیین:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ...... الآية

(البقرة : ۲۳۳)

اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں یہ مدت اس کے لئے ہے جو کوئی شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے۔

وصیت کا حکم:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ

(البقرة : ۱۸۰)

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو والدین اور اقارب کے لئے معقول طور پر (کہ مجموعہ ایک ثلث سے زیادہ نہ ہو) کچھ کچھ بتلا جاوے، (اس کا نام وصیت ہے) جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ ضروری ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

قرض کے لین دین کا ریکارڈ رکھنا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا	اے ایمان والو! جب معاملہ کرنے
تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ	لگو ادھار کا ایک میعادِ معین تک
مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ...... الآیتین	(کے لئے) تو اس کو لکھ لیا کرو۔

(البقرة: ۲۸۲)

یہ سب معجزہ سے خارج سمجھے جاتے، کیوں کہ علمائے بلاغت کے مفروضہ اصناف سے یہ آیات خالی ہیں، اور اگر معانی کو اصل مانئے اور ان احکام کی حکمت کا اندازہ لگائیے اور دنیا کے تمام عائلی قوانین جو آئے دن بدلتے رہتے ہیں ان سے ان قرآنی احکام کا مقابلہ کیجئے تو ان کا بلند اور بلند تر ہونا نظر آجائے گا، نیز واضح طور پر معلوم ہوگا کہ یہ اسلامی قوانین تمام امن اور ماحول کی سلامتی کا باعث ہیں اور اس طرح ہر آیت معجزہ نظر آئے گی۔

(خلاصہ یہ کہ انکار، لفظ کی خوبیوں کا ہے اور نہ معانی کی گہرائیوں کا، دونوں اپنی اپنی جگہ پر ضروری ہیں، جسم بھی ضروری ہے اور روح بھی، ایک کا غیر دوسرے عنصر کے مشاہدہ نہیں ہوسکتا۔)(۱)

---

(۱) ملاحظہ ہو منافقوں کا مکالمہ صفحہ......... قوسین کے درمیان سب مؤلف کے قلم سے ہے، ترجمہ نہیں ہے، البتہ جرجانی کے نظریہ کا دفاع ہے۔ ع ع ن

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

حرفِ اختتام

معجزۂ قرآنِ کریم سے متعلق چند مَباحث پر یہ کتاب مشتمل ہے، مؤلف کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتِ خاص سے عُجب اور خود فریبی سے محفوظ رکھے، جس کا ایک چھینٹا بھی سارے اعمالِ خیر کو مٹا دینے لئے کافی ہے، یہ کتاب جیسی بھی ہے، آپ کے سامنے ہے اور خود میرے معیار پر پوری نہیں اترتی اور شوق و جذبات، جس معیار کے مقتضی تھے اور ثمراتِ مطالعہ کا جو تقاضہ تھا، اس کا حق ادا نہیں کر سکا، فرائض کی عدمِ ادائیگی میں صرف میرا قصور نہیں ہے، زبان کا بھی قصور ہے جو اتنی وسیع نہیں ہے کہ قرآنی مضامین کو حقیقی معیار پر پیش کر سکے، ایک شعر کا اس وقت صرف مفہوم یاد ہے جس میں مُصّور، شِکوہ کرتا ہے کہ اے میرے محبوب، تیرے ناک نقشے، رنگ اور حُلیے کو میں موئے قلم سے کھینچ سکتا ہوں مگر تیرے ناز و انداز کو کیسے سمجھاؤں اور کس طرح اجاگر کروں؟

قرآنِ کریم کی چند خصوصیات وہ ہیں جن کا انکار کوئی صاحبِ علم نہیں کر سکتا، جیسے علومِ قرآن کا تنوع و تعدد، وُسعت و ہمہ گیری پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، جس قدر تحقیقات پیش کی گئی ہیں، جس طرح مضامین سے مضامین نکالے گئے ہیں، اس کی تشبیہ کے لے مشبہ بہ نہیں ملتے، باغ کے گھنے درختوں، دریا کی موجوں اور آفتاب کی کرنوں پر غور کر چکا ہوں مگر کسی میں وہ توسع، گہرائی،

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

خوبصورتی اور انوکھاپن نہیں ہے جس سے قرآنی علوم کوتشبیہ دی جاسکے۔

آپ کے پیشِ نظر اوراق میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو جو معجزے عطا فرمائے، اور بشریت کی ہدایت کے لئے جو اسلوبِ بیان اختیار فرمایا ان میں اس قرآنِ کریم کو سب سے بلند مقام عطا فرمایا، راقم کا عقیدہ اور اس کی یافت اس بات کی مقتضی تھی کہ اس کتاب کا نام:

''قرآن کریم، تاریخِ انسانیت کا سب سے بڑا معجزہ'' قرار دیا جائے۔

علومِ قرآن، ایک مستقل فن ہے اور جیسا کہ عرض کیا کہ اس کی لاتعداد قسمیں ہیں، جن میں بہت مشہور خدمات، جن میدانوں میں ہوئی ہیں ان میں سرِفہرست ''مشکلات القرآن'' ہے، جس پر تیسری صدی سے عصر حاضر تک کے علماء لکھتے رہے ہیں، بعض علماء نے یہ محسوس کیا کہ الفرّاء اور الکسائی نے قرآنِ کریم کی زبان کو سامنے رکھ کر جو ضابطے بنائے ہیں ان سے بعض آیتیں میل نہیں کھاتیں، جیسے:

''اِنّ ھذان لساحران'' جس کو نحوی قاعدہ سے ''ان ھذین لساحران'' ہونا چاہئے تھا، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ حرف ''انّ'' اسمِ اشارہ پر عامل نہیں ہوتا کیوں کہ اسمِ اشارہ مبنی ہے، بعض لوگوں نے یہ جواب دیا کہ قراءِ سبعہ میں نافع، ابنِ عامر، حمزہ اور کسائی نے ''ان ھذَیْنِ لساحران'' پڑھا ہے اسی طرح امام العز بن عبد السلام نے یہ بحث اٹھائی کہ حرفِ جر کو ابتدائی حالت میں کسرہ (زیر) کیوں دیا گیا کہ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' میں ب مکسور ہے، علامہ شیخ محمد انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ''مشکلات القرآن'' میں ''اھدنا الصراط المستقیم'' میں ''صراط'' کو مجاز مان کر راہ اقتداء بتایا ہے، ان تمام بزرگانِ دین کی علمی اور وہبی کاوشوں اور رسوخِ علمی

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

کا اعتراف کرتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ موضوع، صرف اہلِ علم حضرات کا ہے بلکہ بہت سے مقامات ایسے ہیں جن کی طرف کسی کو وہم نہیں گذرا تھا اور لوگ تلاوت کرتے چلے آرہے تھے اور کروڑوں مسلمان رات دن تلاوت کرتے ہیں اور کسی کو یہ جستجو نہیں ہوتی کہ وہ معلوم کرے کہ ''بسم اللہ'' کیوں کہا گیا اور بسم اللہ کو کیوں نہیں کہا گیا، بہر حال اس موضوع پر کاوشیں ان بزرگوں کی ہیں جن سے دینی علوم کی آبرو قائم ہے، جیسے: امام ابنِ تیمیہ، امام ابنِ قیم، امام ابن رجب الحنبلی، العکبری'' املاء مامن به الرحمان فی مشکلات القرآن'' کے مصنف وغیرہ۔

مشاکل القرآن کے بعد قصص القرآن پر ڈاکٹر عبدالوہاب النجار کی کتاب ایک جامع مجموعہ ہے، ''أرض القرآن'' علامہ سید سلیمان ندوی کی علمی دیدہ وَرِی کا نمونہ ہے، اسی طرح ''أقسام القرآن'' کے مصنفین نے قرآن میں جو قسمیں کھائی گئی ہیں ان پر بحث کی ہے، مثلاً: ''والشمس''، ''والضحی''، ''والتین والزیتون ۵ و طور سینین ۵ و ھذا البلد الأمین ۵'' وغیرہ کا مضمون آیت سے کیا جوڑ ہے؟ اس پر جن لوگوں نے لکھا ہے، ان میں ہندوستان کے علامہ عبدالحمید الفراہی کی تحقیق ان کی علمی دینی ذہانت اور قرآن سے وابستگی کی علامت ہے اسی طرح سینکڑوں انواع پر بحثیں موجود ہیں اور الحمد لله ان کا سلسلہ جاری ہے۔

میری یہ ناچیز کوشش بزرگانِ سلف کی خدمات کے مقابلہ میں ایک طالبانہ کاوش ہے جو بغیر کسی تعلّی اور اظہارِ اَنانیت کے پیش کی جارہی ہے، اگر اس کے کسی جزء سے قاری کے ذہن میں قرآن کی عظمت اور اس سے محبت، حصہ میں آجائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ اس کو میرے لئے اور

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

میرے والدین کے لئے مغفرت کا ذریعہ بنائے گا۔

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

عبداللہ عباس ندوی

شب ۹ / جمادی الاولی / ۱۴۲۴ھ

مکۃ المکرّمۃ

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

مصادرِ ومَراجع

۱۔ قرآن کریم کی آیات کریمہ جو اس کتاب میں درج ہیں ان کے اردو ترجمے حضرت مولانا تھانویؒ سے ماخوذ ہیں، چند آیات کے ترجمے حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کے ترجمے سے نقل کئے گئے ہیں، ایک مقام پر لفظی ترجمہ کی ضرورت تھی وہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ترجمہ سے حاصل کیا گیا۔

۲۔ البرهان فی علوم القرآن (بدر الدین الزرکشی) تحقيق : ابو الفضل ابراهيم ، طبع الحلبی ، ۱۳۷٦ھ

۳۔ الاتقان فی علوم القرآن للسيوطی، طبع الحلبی ، ۱۳۷۰ھ

۴۔ ابن قتيبه، العالم الناقد، (عبد الحليم الجندی) سلسلة اعلام العرب : ۲۲، وزارة الارشاد ، مصر۔

۵۔ ابن المعتزوتراثه فی الادب والنقد والبيان (محمد عبد المنعم الخفاجی) دارالعهد الجديد للطباعة، الطبعة الثانية ، عام : ۱۹۵۸م۔

٦۔ اثر القرآن فی تطور البلاغة العربية حتى القرن الخامس الهجری (كامل الحذلي) الطبعة الاولیٰ، دارالانوار۔

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

٧- الزحف على اللغة العربية ، احمد عبدالغفور عطار، مكة المكرمة، ١٣٣٦هـ

٨- اعجاز القرآن للباقلانى، تحقيق : الخفاجى، الطبعة الاولى، ١٣٧٠هـ

٩- اعجاز القرآن والبلاغة النبوية ، مصطفى صادق الرافعى، ١٣٨٤هـ مراجعة محمد سعيد العريان.

١٠- البدرالطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، للشوكانى، الطبعة الأولى، ١٣٤٨هـ، مطبعة الصادق.

١١- البلاغة تطور و تاريخ، شوقى ضعيف، درالمعارف، سنة ١٩٩٥م.

١٢- بيان اعجاز القرآن للخطابى، ضمن ثلث رسائل فى اعجاز القرآن ، تحقيق محمد خلف الله احمد ، د/ محمد زغلول سلام- مكتبة المعارف ، الطبعة الرابعة، ١٩٩١م

١٣- بيان اعجاز القرآن للخطابى، تحقيق الجندى، طبع دار الرسالة ، ١٣٩٢هـ

١٤- البيان والتبيين للجاحظ، تحقيق هارون ، نشر الخانجى، القاهرة.

١٥- دلائل الاعجاز ، عبد القاهر الجرجانى، تحقيق السيد رشيد رضا.

١٦- اسرار البلاغة ، عبد القاهر الجرجانى، تحقيق السيد رشيد رضا.

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

١٧- الرسالة الشافية، ضمن ثلاث رسائل فى اعجاز القرآن، تحقيق محمد خلف الله احمد ، د/ محمد زغلول سلام ،مكتبة المعارف ، الطبعة الرابعة ، ١٩٩١م

١٨- كتاب النكت فى اعجاز القرآن لابى الحسن على بن عيسى الرمانى، الطبعة القديمة

١٩- كتاب النكت فى اعجاز القرآن لابى الحسن على بن عيسى الرمانى، تعليق و تصحيح عبد الله عباس الندوى

٢٠- كتاب النكت فى اعجاز القرآن ، ضمن ثلاث رسائل فى اعجاز القرآن، تحقيق محمد خلف الله احمد، د / محمد زغلول سلاّم ، مكتبة المعارف ، الطبعة الرابعة ، ١٩٩١م -

٢١- التبيان فى علم البيان على المجازالقرآنى، كمال الدين عبد الواحد الزملكانى ، الطبعة الاولى، ١٩٦٤م ،بغداد

٢٢- التصور الفنى فى القرآن ، سيد قطب ، دار المعارف، ١٩٤٥م ، ضمن رسالة للدكتورات لسيد عبد الرؤ ف الدمشقى ، ١٩٩٧م

٢٣- سر الفصاحة، ابنِ سنان الخفاجى، تحقيق الصعدى، ١٣٧٢م

٢٤- كتاب الصناعتين، ابو هلال العسكرى، الطبعة الأولىٰ ، ١٣٧١هـ

toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

٢٥- السيرةالنبوية للسيد أبى الحسن على الحسنى الندوى، دارالشروق، ١٩٩٨م.

٢٦- املاء مامنَّ به الرحمان من وجوه الاعراب والقراء ت فى جميع القرآن، الطبعة الأولىٰ، ١٩٦١م، مصر

٢٧- قضية الاعجاز القرآنى و أثرها فى تدوين البلاغة العربية، د/ عبد العزيز عبد المعطى عرفة، ١٤٠٤ه، عالم الكتب، بيروت.

٢٨- علم البديع، د/عبد العزيز عتيق، ١٤٠٥ه، دارالنهضة العربية، بيروت.

٢٩- البديع فى ضوء اساليب القرآن، الدكتور عبد الفتاح لاشين، الطبعة الخامسة، ١٩٩٢م، دارالمعارف، مصر.

٣٠- اسرار التكرار فى القرآن المسمى بِالبرهان فى توجيه متشابه القرآن لما فيه الحجة و البيان، تاج القراء محمود بن الحمزة الكرمانى، دراسة و تحقيق عبد القادر احمد عطا، دار الاعتصام، القاهرة.

٣١- مشكل إعراب القرآن لابى محمد مكى بن ابى طالب القيسى، مؤسسة الرسالة، ١٤٠٧ه، بيروت.

٣٢- مشكلات القرآن، مولانا محمد انور شاه الكشميرى، سلسلة مطبوعات المجلس العلمى ٣٠، ١٣٥٧ه، دابيل، سورت، الهند.

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

٣٣-ليس فى كلام العرب، احمد بن خالويه، تحقيق احمد بن عبد الغفور عطا، ١٣٩٩ھ، مكة المكرمة۔

٣٤۔ مجاز القرآن، ابو عبيدة معمر بن المثنى، تحقيق محمد فؤاد مزكين، ١٤٠١ھ، موسسة الرسالة، بيروت۔

٣٥۔ الدليل الشافى فى شرح المنهل الصافى للعلامة تغرى بردى، شرح للشيخ فهيم محمد شلتوت، مطبوعات جامعة ام القرئ، مكتبة الخانجي۔

٣٦۔ مكتوبات امام ربانى، فارسى، جلد اول

٣٧۔ " الطراز" للامام يحى بن حمزة العلوى اليمنى، ١٤٠٢ھ، دارالكتب العربية، بيروت

٣٨۔ الاعجازالبيانى للقرآن، للدكتورة عائشة عبدالرحمان، (بنت الشاطى) الطبعة الثانية، دارالمعارف۔

٣٩۔ معانى القران، للأخفش الأوسط، تحقيق الدكتور فائز فارس، ١٤٠١ھ الطبعة الثانية۔

۴٠۔ الكامل، للمبرد،

۴١۔ معترك الاقران للسيوطى، طبعة مصر

۴٢ معالم التنزيل، للخطابى

۴٣۔ معانى القرآن للفراء

۴۴۔ المعانى الكبير لابن قتيبة

۴٥۔ تفهيماتِ الهية، للامام الشاه ولى الله الدهلوى

۴٦۔ البديع لابن معتز

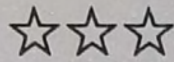
toobaa-elibrary.blogspot.com الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

٤٧- بدائع القرآن لابن ابى اصبع

٤٨- تحت راية القرآن لمصطفى صادق الرافعى

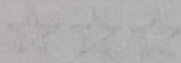
٤٩- حجة الله البالغة، للشاه ولى الله الدهلوى

٥٠- مباحث فى اعجاز القران للمصطفى مسلم .



toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

یاد داشت



toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner

اس کتاب سے!

"قرآنِ کریم کا چیلنج جس طرح قرآن کے مخاطبینِ اوّلین کو دیا گیا تھا اسی طرح بعد میں آنے والے انسانوں کو بھی دیا گیا ــــــــ اور آج بھی باقی ہے۔ اور ہر دور میں ایسے دشمنانِ اسلام بکثرت رہے ہیں، جو اچھی طرح عربی زبان جانتے ہیں، عربی میں اعلیٰ درجہ کی تحریریں لکھتے ہیں، شاعری کرتے ہیں، قرآن کی بخشی ہوئی نحوی تراکیب کو استعمال کرتے ہیں، اور یہی نہیں بلکہ ایسے عیسائی اور یہودی انشاء پرداز بھی ہیں جو اپنی عبارت کو خوبصورت بنانے کیلئے قرآنی آیات اور اس کی خاص نحوی ترکیبوں کو بلا تکلف اپنی عبارت میں سجاتے ہیں جو دیکھنے میں ایسا لگتا ہے کہ کانٹوں اور جنگل کے خودرو گھاس کے درمیان ایک حسین اور خوشنما گلاب کھل جائے مگر وہ خود ایک گلاب کے پودے کی تخلیق کریں ناممکن ہے اور قیامت تک ناممکن رہے گا۔"

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ

toobaa-elibrary.blogspot.com
الممسوحة ضوئيا بـ CamScanner